

مَنْ زَارَ كُتُبَنَا وَتَحَقَّقَ فِيهَا فَهُوَ كَأَنَّهُ زَارَ أَهْلَ بَيْتِنَا

مُعَلَّلُ السُّعْمَالِ

زِيَارَةُ خَيْرِ الْعَالَمِ

بِشَيْخِ الْإِسْلَامِ الْفقيهِ الْمُتَّقِ الْهَدْيِ الْكَبِيرِ الْإمامِ الْهَدْيِ الْكَبِيرِ الْإمامِ الْهَدْيِ الْكَبِيرِ

مُتَرَجِمٌ
عَلَّمَ مَعَهُ تَلْمِذُهُ الْإمامُ الْهَدْيِ الْكَبِيرِ

تَرْجُومَةُ
الْإمامِ الْهَدْيِ الْكَبِيرِ
بِشَيْخِ الْإِسْلَامِ الْفقيهِ الْمُتَّقِ الْهَدْيِ الْكَبِيرِ

شفاء السقم

في إدارة خير الكلام

الشيخ الإمام الميرزا محمد باقر الأنصاري

مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي

شفاء السقم

فی

زیاراتہ حیرت انگیز

للسیخ الإمام الفقیہ المحدث تقی الدین السبکی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

علامہ محمد ظہور اللہ الازہری

لیکچرر دی منہاج یونیورسٹی لاہور



۱۱۔ مجمع بخش روڈ لاہور

042-7313885

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	شفاء السقام فی زیارت خیر الانام اردو عربی
مصنف	امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	علامہ محمد ظہور اللہ الازہری
صفحات	۵۶۰
با اہتمام	سید شجاعت رسول شاہ قادری
بار اول	رجب المرجب ۱۴۲۵ھ، ستمبر ۲۰۰۴ء
ناشر	نوریہ رضویہ پبلی کیشنز لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1N-92
قیمت	225/- روپے

ملنے کے پتے

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11 گنج بخش روڈ، لاہور فون: 7313885

مکتبہ نوریہ رضویہ

گلبرگ اے فیصل آباد فون: 626046

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
۱۷	پہلا باب: زیارت کے بارے میں مذکور احادیث مبارکہ کا بیان.....
۱۸	پہلی حدیث، حدیث کی سند کا بیان.....
۲۱	سند پر تبصرہ.....
۲۱	حدیث کی ایک اور سند کا بیان.....
۲۲	حدیث کی تیسری سند.....
۲۳	سند پر تبصرہ۔۔۔ کیا راوی عبد اللہ ہیں یا عبید اللہ؟.....
۲۵	ضعیف حدیث کی اقسام.....
۲۵	پہلی قسم، دوسری قسم.....
۲۷	نتیجہ، بحث، متن حدیث کی وضاحت.....
۲۸	لفظ ”لہ“ کا مفہوم، خلاصہ بحث، لفظ ”شفاعتی“ کا مفہوم.....
۲۹	دوسری حدیث.....
۳۱	تیسری حدیث.....
۳۲	سند کا بیان.....

صفحہ نمبر	مضامین
۳۶	چوتھی حدیث، سند کا بیان
۳۷	حدیث کی دوسری سند کا بیان
۳۷	حدیث کی تیسری سند کا بیان
۳۸	سند پر تبصرہ
۳۸	چوتھی سند کا بیان
۳۹	سند پر تبصرہ
۴۱	پانچویں حدیث
۴۱	سند کا بیان
۴۲	حدیث پر تبصرہ
۴۳	مدینہ منورہ کی فضیلت پر حدیث
۴۴	چھٹی حدیث
۴۴	سند کا بیان
۴۶	ساتویں حدیث
۴۶	سند کا بیان
۴۷	شحامی کی روایت
۴۷	رجال سند پر تبصرہ
۴۸	آٹھویں حدیث
۴۸	حدیث کی سند کا بیان
۴۸	حدیث کی ایک اور سند کا بیان

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

۴۹	نویں حدیث
۵۰	سند کا بیان، سند پر تبصرہ
۵۱	دسویں حدیث
۵۱	سند کا بیان
۵۲	سند پر تبصرہ
۵۳	گیارہویں حدیث
۵۳	سند کا بیان
۵۴	امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان
۵۴	سند پر تبصرہ
۵۵	بارہویں حدیث
۵۶	تیرہویں حدیث
۵۶	سند کا بیان
۵۶	حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان
۵۷	سند پر تبصرہ
۵۷	چودھویں حدیث
۵۷	حدیث کی سند کا بیان
۵۹	پندرہویں حدیث
۵۹	حدیث کی سند کا بیان

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

دوسرا باب: اُن احادیث کا بیان جن میں لفظ زیارت نہیں

- ۶۱ لیکن وہ زیارت کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں
- ۶۲ حدیث کی سند کا بیان
- ۶۳ سند پر تبصرہ
- ۶۳ حمید بن زیاد کے بارے میں آراء
- ۶۳ حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجنے کی صورتیں
- ۶۵ سلام کی دوسری قسم
- فصل: جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجتا ہے آپ ﷺ کو
- ۶۷ اس کا علم ہو جاتا ہے
- ۶۹ سیدنا عبداللہ ابن عباس کا قول
- ۷۰ جمعہ کے دن صلاۃ و سلام کی اہمیت
- ۷۰ حدیث کی سند
- ۷۳ ایک غلط فہمی کا ازالہ
- ۷۴ الحدیث الثانی
- ۷۵ سلیمان بن حمیم کا خواب
- ۷۶ ابراہیم بن بشار کا واقعہ
- ۷۶ ”ردّ اللہ روحی“ کا معنی

مضامین	صفحہ نمبر
--------	-----------

تیسرا باب: حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کرنا

- اور اس بارے میں وارد ہونے والی احادیث مبارکہ کا بیان ۷۷
- ابن عساکر کی سند کا بیان ۷۸
- واقعہ سے استدلال ۸۲
- ایک بدوی کا ایمان افروز واقعہ ۸۶
- ترجمہ اشعار ۸۹

باب چہارم: علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں کہ رسول اکرم ﷺ

- کی قبر مبارک کی زیارت مستحب ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے ... ۹۱
- قبر مبارک کی زیارت کے بارے میں علمائے کرام کے اقوال ۹۲
- امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کا خلاصہ ۱۰۰
- ازالہ اشکال ۱۰۷
- پانچواں باب: زیارت قبر النبی ثواب کا کام ہے ۱۰۹
- کتاب اللہ سے ثبوت ۱۱۰
- سنت مبارکہ سے دلائل ۱۱۲
- اجماع امت سے دلائل ۱۱۳
- زیارت قبور کے منکرین کے اقوال ۱۱۳
- حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کا مستحب ہونا ۱۱۴
- عورتوں کے لیے زیارت قبور کا حکم ۱۱۴

صفحہ نمبر	مضامین
۱۱۵	زیارت قبور کے جواز کے دلائل
۱۱۶	قبر انور کی حاضری کے مستحب ہونے کا قیاس سے جواز
۱۱۶	اشکال، جواب
۱۱۷	اعتراض، جواب
۱۱۷	زیارت قبور کی اقسام
۱۱۷	پہلی قسم
۱۱۸	دوسری قسم، تیسری قسم، چوتھی قسم
۱۲۱	امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف
۱۲۲	امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف
۱۲۹	قبر نبی ﷺ کی زیارت کی نذر ماننے کا حکم
۱۳۰	غیر نبی کی زیارت قبر کی نذر ماننے کا حکم
۱۳۰	نذر کے وجوب کی شرط
۱۳۵	<u>چھٹا باب: زیارت بارگاہ نبوی ﷺ کے لیے سفر قربت ہے</u>
۱۳۶	بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری کا کتاب اللہ سے ثبوت
۱۳۶	دوسری دلیل۔۔۔۔۔ زیارت کے تقرب ہونے کا سنت سے ثبوت
۱۳۷	بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری کی تیسری دلیل
۱۳۸	چوتھی دلیل۔۔۔۔۔ اجماع امت سے ثبوت
۱۳۹	پانچویں دلیل۔۔۔۔۔ قربت کا وسیلہ بچن قربت ہوتا ہے
۱۴۳	عبادات کی اقسام

صفحہ نمبر	مضامین
۱۴۴	ازالہ اشکال
۱۴۵	اعتراض کا جواب
۱۴۶	اشکال، جواب
۱۴۷	ازالہ اشکال، وسیلہ کی وضاحت
۱۵۳	<u>ساتواں باب:</u> مخالف کے شبہات کا رد
۱۵۳	فصل اوّل: شبہات کا بیان
۱۵۳	پہلا شبہ..... حدیث کے معنی کی تعیین میں غلطی
۱۵۶	سفر کی ممانعت کے اسباب
۱۵۷	مساجد مٹانے کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر کی شرعی حیثیت
۱۵۸	اعتراض
۱۵۹	جواب
۱۶۰	اعتراض، جواب
۱۶۲	پہلا فتویٰ
۱۶۳	دوسرا فتویٰ، تیسرا فتویٰ
۱۶۵	زیارت کی اقسام
۱۶۶	۱۔ سلام اور دعا کیلئے زیارت
۱۶۶	حصول برکت اور صاحب قبر کے لیے دعا کے لیے زیارت
۱۶۷	شرک والی زیارت
۱۶۷	زیارت کے بارے میں شبہ ثانیہ

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

شہ کا رد ۱۶۷

مکروہ افعال کی وجہ سے حاضری کی ممانعت ۱۷۱

زیارت کے بارے میں شہ ثالثہ ۱۷۲

دوسری فصل : ابن تیمیہ کے فتاویٰ کی تلاش ۱۷۵

سوال، جواب ۱۷۵

ابن تیمیہ کے موقف کا رد ۱۸۱

پہلا اعتراض ۱۸۱

دوسرا اعتراض، تیسرا اعتراض ۱۸۲

ابن تیمیہ کا رد ۱۸۳

آٹھواں باب : حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا اور آپ ﷺ سے

مدد حاصل کرنا اور آپ ﷺ کی شفاعت چاہنا ۱۹۹

توسل کی اقسام ۲۰۱

پہلی قسم ۲۰۱

ابن تیمیہ کی لاعلمی ۲۰۲

ازالہ اشکال ۲۰۳

حدیث غار سے استدلال ۲۰۴

سیدہ عائشہ صدیقہ کا حق کا واسطہ دینا ۲۰۵

حق النبی ﷺ کا واسطہ دینے کا جواز ۲۰۵

توسل کی دوسری حالت ۲۰۶

صفحہ نمبر	مضامین
۲۰۷	اعتراض، جواب
۲۰۸	توسل کی تیسری حالت
۲۰۹	توسل کی دوسری قسم
۲۱۰	حضور نبی اکرم ﷺ کا شفاعت فرمانا
۲۱۳	حضور نبی اکرم ﷺ کے قرابت داروں سے توسل
۲۱۶	اعتراض
۲۱۷	جواب
۲۱۷	شفاعت کی دوسری حالت
۲۱۷	شفاعت کی تیسری حالت
۲۱۸	روایت کا مفہوم، توسل کی تیسری قسم
۲۲۰	استغاثہ کا معنی و مفہوم
۲۲۳	<u>نواں باب: انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اخروی زندگی کا بیان</u>
۲۲۴	پہلی فصل: انبیائے کرام علیہم السلام کی اخروی زندگی کا احادیث سے ثبوت ...
۲۲۴	حدیث کی سند کا بیان
۲۲۵	سند پر تبصرہ
۲۲۵	امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان
۲۲۵	دوسری حدیث
۲۲۶	انبیائے کرام علیہم السلام کا قبور میں نماز پڑھنا
۲۲۹	سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول

صفحہ نمبر	مضامین
۲۲۹	امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حدیث سے استدلال
۲۳۰	اشکال کا ازالہ
۲۳۲	اعتراض
۲۳۳	جواب
۲۳۳	انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات برزخی پر اعتراض
۲۳۴	قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب
۲۳۴	انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال کے مشاہدہ پر اعتراضات
۲۳۸	لفظ شہید کی تحقیق
۲۳۸	حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات اخروی کی کیفیات
۲۳۹	اشکال، اشکال کا ازالہ
۲۴۰	دوسری فصل: شہداء کی زندگی کا بیان
۲۴۰	حیات شہداء کی قرآن کریم سے دلیل
۲۴۱	حیات شہداء پر احادیث مبارکہ سے دلائل
۲۴۳	حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا چشم دید واقعہ
۲۴۴	حدیث پر اعتراض
۲۴۵	جواب
	تیسری فصل: تمام مردوں کے سننے، بات کرنے، محسوس کرنے،
۲۴۵	زندہ ہونے اور روح کے جسم میں واپس آنے کا بیان
۲۵۱	حدیث کا مفہوم، اہل سنت کا اجماع

صفحہ نمبر	مضامین
۲۵۱	امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے
۲۵۲	عذاب قبر کے بارے میں معتزلہ کی رائے
۲۵۲	ملحدین کی رائے، عقائد قاسدہ کا رد
۲۵۳	کیا قیامت کی زندگی کے بعد موت پھر طاری ہوگی؟
۲۵۴	جانوروں کا عذاب قبر سننا
۲۵۴	”من بعثنا من مرقدنا“ کی تفسیر
۲۵۶	چوتھی فصل: حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کی کیفیت کا بیان
۲۵۶	شہداء اور غیر شہداء کی حیات میں فرق
۲۵۷	صحابہ کرام کا ادب بارگاہ نبوی بعد از وصال نبی ﷺ
۲۵۸	سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ادب بارگاہ نبوی
۲۵۹	ملائکہ اور ادب بارگاہ نبوی ﷺ
۲۵۹	بارگاہ نبوی کی بے ادبی پر قرآن کی وعید
۲۶۰	پانچویں فصل:
۲۶۱	روح کی حقیقت
۲۶۲	امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا روح کے بارے میں نظریہ
۲۶۳	اطباء کے نزدیک روح کی اقسام
۲۶۵	<u>دسواں باب: حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا بیان</u>
۲۶۶	شفاعت کی اقسام
۲۶۶	پہلی قسم: میدان حشر میں حساب شروع کرنے کے لیے شفاعت

صفحہ نمبر	مضامین
-----------	--------

دوسری قسم: بغیر حساب جنت میں دخول کی شفاعت ۲۶۷

تیسری قسم: مستحقین جہنم کیلئے شفاعت ۲۶۸

چوتھی قسم: جہنم میں داخل ہونے والوں کیلئے شفاعت ۲۶۹

پانچویں قسم: اہل جنت کی بلندی درجات کیلئے شفاعت ۲۷۰

روز حشر حضور نبی اکرم ﷺ کی فضیلت ۲۷۵

فصل اول: قیامت میں انبیائے کرام علیہم السلام سے

شفاعت چاہنا تو تسل کی قوی دلیل ہے ۲۸۳

فصل دوم: حشر میں حضور نبی اکرم ﷺ سے سب سے بعد میں

شفاعت کی درخواست کرنے کی حکمت ۲۸۴

فصل سوم: انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت کا بیان ۲۸۵

فصل چہارم: حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا تفصیلی بیان .. ۲۸۶

فصل پنجم: حضور نبی اکرم ﷺ کا چوتھی بار شفاعت کرنا ۲۸۹

کیا صرف ایمان شفاعت کا مستحق بنا دیتا ہے؟ ۲۹۰

فصل ششم: سلف صالحین کا شفاعت کے لیے دعائیں کرنا ۲۹۰

فصل ہفتم: مقام محمود کا بیان ۲۹۱

فصل ہشتم: حضور نبی اکرم ﷺ کے خصائص ۲۹۲

خاتمہ ۲۹۳

قیامت کے دن مقرب مقام کے سوال کی فضیلت ۳۰۱



وہی (اللہ) میرے لئے کافی ہے اور بہترین وکیل ہے۔ تمام حمد و ثنا مخصوص ہیں اس ذات باری تعالیٰ کے لئے جس نے اپنے رسول اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کی صورت میں ہم پر احسان فرمایا اور انہی کے ذریعے ہماری سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرمائی اور ہمیں ان کی عزت و تکریم کرنے کا حکم فرمایا اور ہر مومن پر فرض کیا کہ وہ آپ ﷺ کو اپنی ذات اپنے والدین اور دوستوں سے زیادہ محبوب رکھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع کو اپنی محبت اور خوشنودی کا سبب قرار دیا اور آپ ﷺ کی اطاعت کو شیطان کے مکر اور گمراہی سے حفاظت کا ذریعہ بنایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے ذکر مبارک کو اس طرح رفعت و بلندی عطا فرمائی اور آپ کی اس طرح قرآن مجید میں تعریف کی کہ آپ ﷺ کو تمام تعریفوں سے مستغنی کر دیا جب تک (اس کائنات سماوی میں) ستارے جلمکاتے رہیں اس وقت تک آپ ﷺ پر درود و سلام (کی رحمتوں کی بارشیں) ہوتی رہیں۔

میں نے اس کتاب کا نام ”شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام“ (مخلوقات میں سے بہترین ہستی (حضور نبی اکرم ﷺ) کی زیارت قلبی امراض سے شفا یابی کا باعث ہے) رکھا۔ اور اس کے دس ابواب بنائے۔

پہلا باب: ان احادیث مبارکہ کے بارے میں ہے جو زیارت قبر رسول ﷺ سے متعلق وارد ہوئی ہیں۔

دوسرا باب: ان احادیث مبارکہ کے بیان میں ہے جو زیارت قبر رسول ﷺ پر دلالت کرتی ہیں مگر ان احادیث مبارکہ میں لفظ زیارت مذکور نہیں ہے۔

تیسرا باب: ان احادیث مبارکہ کے بارے میں ہے جو زیارت قبر رسول ﷺ کیلئے سفر کے متعلق ہیں۔

چوتھا باب: علمائے کرام کے ان اقوال کے بارے میں ہے جو زیارت قبر رسول ﷺ کے مستحب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

پانچواں باب: اس بحث سے متعلق ہے کہ زیارت قبر رسول ﷺ باعث قربت ہے۔

چھٹا باب: اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ زیارت قبر رسول ﷺ کیلئے محض سفر کرنا بھی قربت کا سبب بنتا ہے۔

ساتواں باب: زیارت قبر رسول ﷺ کے مخالفین کے شبہات کا ازالہ اور ان کا رد بیان کرنا ہے

آٹھواں باب: توسل اور استغاثہ سے متعلق ہے۔

نواں باب: اس امر کو واضح کرتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

دسواں باب: شفاعت رسول ﷺ کے بارے میں ہے کیونکہ شفاعت کا تعلق بھی زیارت قبر رسول ﷺ سے ہے اس لئے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ”مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي“

میں نے اس کتاب کے ضمن میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جنہوں نے زیارت قبر رسول ﷺ سے متعلق تمام احادیث کو موضوع قرار دیتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کیلئے سفر سعادت کو بدعت اور ناجائز کہا ہے۔ یہ اس طرح کا فساد انگیز قول ہے کہ علمائے کرام کو اسکی تردید کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن میں نے اس کتاب کو مستقلاً زیارت نبی ﷺ اور اس کے متعلقہ امور کے بارے میں لکھا ہے۔

پہلے میں نے اس کا نام ”شن الغارة علی من انکر سفر الزیارة“ پھر میں نے اس کا مذکورہ نام رکھا اور میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں
هو حسبی و نعم الوکیل۔

پہلا باب

زیارت کے بارے میں
مذکور احادیث مبارکہ کا بیان

پہلی حدیث

مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي

جس نے میری قبر مبارک کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

۱۔ دارقطنی، السنن، ۲: ۲۷۸

۲۔ حکیم ترمذی، نوادر الاصول، ۲: ۶۷

۳۔ بیہقی، امام، شعب الایمان، ۳: ۴۹۰، رقم: ۴۱۵۹، ۴۱۶۰

حدیث کی سند کا بیان

اس حدیث کی سند اس طرح ہے۔

اخبرنا الحافظ أبو محمد عبدالمؤمن بن خلف بن أبي الحسن بن شرف ابن الخضر بن موسى التوني الدمياطي رحمه الله تعالى بجميع سنن الدارقطني سماعا، قال انا الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل بن عبدالله الدمشقي انا ابو الفتح ناصر بن محمد بن ابي الفتح ابو برح القطان انا ابو الفتح اسماعيل بن الفضل بن الاخشيد السراج انا ابو طاهر محمد بن احمد بن محمد بن عبد الرحيم انا ابو الحسن علي بن عمر بن احمد بن مهدي الحافظ الدارقطني رحمه الله تعالى قال حدثنا القاضي المحاملي ثنا عبيد ابن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدی عن عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: "مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي"

اسی طرح یہ حدیث سنن دارقطنی کے متعدد نسخوں میں عبید اللہ سے مروی ہے ان نسخوں میں سے ایک نسخہ وہ ہے جو ان سے احمد بن محمد بن حارث اصفہانی نے لکھا ہے۔ اسی طرح دارقطنی نے سنن کے علاوہ بھی اس کو روایت کیا ہے اور دونوں میں یہ عبدالرحیم سے ہی مروی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

اسی طرح یہ روایت محمد بن عبدالملک بن بشران اور ابو النعمان تراب بن عبید کے طریق سے بھی مروی ہے۔ ابن بشران کی روایت اس طرح ہے۔

فاما رواية ابن بشران فاخبرنا بها عثمان ابن محمد في كتابه الى من مكة شرفها الله تعالى قال: اخبرنا الحافظ ابو الحسن يحيى بن علي القرشي بمصر و ابو اليمن بن عساكر بمكة بقراءتي عليهما ، قالا انا ابو البركات الحسن بن محمد بن الحسن الشافعي العدل و هو جد ابي اليمن بدمشق قال ابو الحسن بقراءتي عليه و قال ابو اليمن قراءتي عليه ، قال انا عمي ابو الحسن هبة الله بن الحسن بن هبة الله الفقيه الاصولي الحافظ انا ابو طاهر عبد الرحمن بن احمد بن عبد القادر بن محمد ابن يوسف انا ابو بكر محمد بن عبد الملك بن بشران انا ابو الحسن علي ابن عمر بن مهدي الدارقطني الحافظ ثنا القاضي المحاملي ثنا عبيد الله بن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدی عن عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر ، قال قال رسول الله ﷺ: "مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي"

اسی طرح ابو الیمین ابن ابی الحسن بن الحسن نے اس کو "کتاب اتحاف الزائر و اطراق المقیم للسانو" میں روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کو حافظ ابو الحسن القرشی نے "کتاب الدلائل المبینة فی فضائل المدینة" میں ذکر کیا ہے۔

قالا انا ابو عبدالله محمد بن عماد بن محمد الحرانی قال ابن الصواف بقراءتي والدي عليه و انا اسمع سنة ثلاثين و ستمائة قال انا

ابو محمد عبد اللہ بن رفاعہ بن غدیر السعدی الفرضی (ح) و کتب الی عثمان بن محمد من مکة شرفها اللہ تعالیٰ انہ قرأ علی الحافظ ابی الحسین یحییٰ بن علی القرشی فی تصنیفه المسمی بـ " کتاب الدلائل المبینة فی مسائل المدينة " قال انا القاضی ابو محمد عبد اللہ بن محمد الشافعی بقراءتی علیہ بمصر و ابو عبد اللہ محمد بن ابی المعالی الحرانی بالاسکندریة قال انا ابو محمد عبد اللہ ابن ابی الخیر الشافعی الفرضی انا القاضی ابو الحسن علی بن الحسن بن الحسن بن محمد الشافعی المعروف بالخلعی انا ابو النعمان تراب بن عمر ابن عبید ثنا ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی ثنا ابو عبد اللہ الحسین بن اسماعیل قال ثنا عبید بن محمد الوراق ثنا موسی بن هلال العبدی عن عبید اللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر ، قال قال رسول اللہ ﷺ : " مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ "

وہ رواۃ جنہوں نے خلعی کے واسطے سے روایت کیا ہے ان میں سے حافظ ابو القاسم ابن عساکر ہیں جنہوں نے اپنی تاریخ کی کتاب میں باب " ان من زار قبرہ ﷺ بعد وفاته کان کمن زار حضرته فی حال حیاته " میں ذکر کیا ہے۔

أخبرنا بذلك عبد المؤمن بن خلف ع علی بن محمد و غیرہما مشافہة عن القاضی ابی نصر محمد بن ہبة اللہ الشیرازی قال انا الحافظ ابو القاسم ابن عساکر قال انا خالی ابو المعالی محمد بن یحییٰ القرشی القاضی بدمشق انا ابو الحسن علی بن الحسن الخلعی انا تراب بن عمر بن عبید ثنا ابو الحسن الدارقطنی ثنا ابو عبد اللہ الحسین بن اسماعیل ثنا عبید بن محمد الوراق ثنا موسی بن هلال العبدی عن عبید اللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر ، قال قال رسول اللہ ﷺ : " مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ "

سند پر تبصرہ:

۱۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مختلف روایات اس طریق سے جمع ہو گئی ہیں جن میں وہ محالی سے اور محالی عبید اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۔ اسی طرح امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی بعض دیگر نے محالی کے بغیر اس سند سے روایت کیا ہے۔ جس میں عبید بن محمد آتے ہیں اور اس میں عبید اللہ سے مذکور ہے۔ جیسے کہ:

عن عبید بن محمد انا بذلك عبد المؤمن بن خلف وغيره اذنا عن ابي نصر الشيرازي انا ابن عساكر انا ابو القاسم الشحامی انا ابو بكر البيهقي انا ابو عبد الله الحافظ انا ابو الفضل محمد بن ابراهيم ثنا محمد بن زنجويه العثیری ثنا عبید بن محمد بن القاسم بن ابي مریم الوراق، و كان نيسابوري الاصل سكن بغداد، ثنا موسى بن هلال العبدی عن عبید الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر، قال قال رسول الله ﷺ: " مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي "

حدیث کی ایک اور سند کا بیان:

ومنهم محمد بن اسماعيل بن سمرة الاحمسي واختلف عليه فرور عنه مصفرا كما رواه غيره أخبرنا بذلك عبد المؤمن وغيره اذنا عن ابي نصر انا علي بن الحسن الحافظ انا اسماعيل بن محمد بن الفضل الحافظ انا احمد بن علي بن خلف انا ابو القاسم بن حبيب حدثنا ابو بكر احمد ابن نصر بن نصر بن بكار البخاري انا ابو عبد الرحمن عبد الله بن عبید الله ثنا محمد بن اسماعيل الاحمسي عن موسى بن هلال عن عبید الله و روى عنه مكبراً انا بذلك اقسيان بن محفوظ بن محمود بن هلال بقرء تي عليه سنة ست و سعمائة انا ابو سعيد

قایماز بن عبدالله المعظمی انا الحافظ ابو طاهر احمد بن محمد
السلفی انا ابو سعید احمد بن الحسن بن احمد بن علی بن الخطیب
الخانساری انا ابوبکر احمد بن الفضل بن محمد المقری امام
الجامع باصبهان ثنا ابوبکر محمد بن الحسن بن یوسف بن یعقوب
الامام ثنا عبیدالله بن محمد بن عبدالکریم الرازی ثنا محمد بن
اسماعیل بن سمرة الاحمسی ثنا موسی بن هلال العبدی عن عبدالله
بن عمر "هكذا نقلته من خط الحافظ ابي محمد عبدالعظیم المنذری
رحمه الله تعالى".

حدیث کی تیسری سند:

وهكذا قاله ابو احمد بن عدی فی کتاب الكامل كما انبأنا
عبدالمؤمن و آخرون عن ابي الحسن بن المقير عن ابي الكرم بن
الشهرزوري انا الماعيل بن مسعدة الاسماعيلي (ح) و انا عبدالمؤمن
و غيره أيضا عن ابن محيل انا على بن الحسن الدمشقي انا ابوالقاسم
الشحامی انا ابوبکر البیهقی انا ابو سعید المالینی (ح) قال الدمشقي
و انا ابوالقاسم ابن السمرقند انا اسماعيل بن مسعدة انا حمزة بن
یوسف قالوا انا ابو احمد بن عدی الحافظ حدثنا محمد بن موسی
الحلوانی (ح) قال الدمشقي وأخبرنا علی بن ابراهيم الخطیب انا
رشا بن نظيف انا الحسن بن اسماعيل ثنا احمد بن مروان ثنا محمد
بن عبدالعزيز الدينوري قالوا ثنا محمد بن اسماعيل ابن سمرة ثنا
موسى بن هلال ثنا عبدالله بن عمر ، و كذلك كتب الى عثمان بن مد
من مكة شرفها الله تعالى انه قرأ على الحافظ يحيى بن على انا الحافظ
على بن المفضل قراءة عليه غير مرة و القاضي ابوالقاسم حمزة ابن
على بن عثمان المخزومي قالوا انا الحافظ ابو طاهر السلفی (ح) و

أنا جماعة عن جماعة عنه أنا أبو ابراهيم الخليل بن عبد الجبار أنا
 سليم بن أيوب أنا أحمد بن عبد الله المصل بالري أنا عبد الرحمن بن أبي
 حاتم الرازي أنا محمد بن اسماعيل الاحمسي أنا موسى بن هلال عن
 عبد الله بن عمر

سند پر تبصرہ..... کیا راوی عبد اللہ ہیں یا عبید اللہ؟

- ۱۔ حافظ یحییٰ بن علی القرشی نے اس روایت کو کمزور قرار دیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ درست یہی ہے کہ روایت میں عبید اللہ ہے۔
 - ۲۔ اور میں نے تاریخ ابن عساکر میں دیکھا ہے جو ابی عبد اللہ البرزالی المحفوظ کے خط کے ساتھ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ یہ عبید اللہ ہی ہے۔
 - ۳۔ ابواحمد بن عدی نے کتاب الکامل میں کہا ہے کہ یہ عبد اللہ اصح ہے۔
 - ۴۔ اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ محل نظر ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہ راوی عبید اللہ ہیں۔ عبید بن محمد، ابن سمرۃ اور مسلمۃ الجعفی کی روایات کی وجہ سے۔
 - ۵۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حدیث عبید اللہ اور عبد اللہ دونوں سے مروی ہو اور موسیٰ نے دونوں سے سنا ہو۔ اور پھر کبھی ان سے روایت کیا ہو اور کبھی ان سے۔
- صاحب کتاب کے پوتے حسن بن محمد بن یحییٰ نے ایک اور جگہ پر ابوبکر سے روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مشیر العزم الساکن“ میں روایت کیا ہے۔ اور میں نے اس کے خط سے نقل کیا ہے وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔
- أنا الحریری أنا الخياط أنا أن درست أنا ابن صفوان أنا ابوبکر
 القرشي و هو ابن أبي الدنيا فذكره و هذه الطريق أن صحت تحمل على أن
 الحديث عنهما كما قدمناه فإنه لا تنافي في ذلك على أن عبد الله المكبر روى له
 مسلم مقرونا بغيره ، قال أحمد رحمه الله تعالى صالح

ابو حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ وہ ان کی تعریف کرتے تھے۔ اور یحییٰ بن معین نے کہا ”لیس بہ بأس یکتب حدیثہ“ اور ابن عدی نے کہا ”لا بأس بہ صدوق“ اور ابن حبان نے کہا کہ ان پر صلاح غالب تھی۔ یہ ابن حبان کا کلام تھا اور انہوں نے اصلاً ان پر جرح کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی بلکہ یہ ان کی کثرت غلط کی وجہ سے کہا ہے۔

ان کے بارے میں یہ حکم لگانا کہ ان سے روایت نہ کیا جائے یہ درست نہیں کیونکہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو متابعات میں ذکر کیا ہے۔ اور اس حدیث میں عبد اللہ کے حوالے سے کوئی التباس نہیں ہے۔

موسیٰ بن حلال، ان کے بارے میں ابن عدی نے کہا کہ ”لا بأس بہ۔“ اور ابی حاتم الرازی کا ان کے بارے میں یہ قول کہ یہ مجہول ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس جہالت سے مراد یا تو ان کی ذات کے حوالے سے جہالت ہے یا وصف کے اعتبار سے۔ پس اگر ان کی ذات کے حوالے سے جہالت مراد لی ہے تو یہ نہیں ہو سکتی کیونکہ ان سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سے روایت کیا ہے۔ اور اگر وصف کے اعتبار سے جہالت مراد ہے تو پھر بھی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا ان سے روایت کرنا اس جہالت کا ازالہ کر دیتا ہے۔

اور رہا عقلی کا ان کے بارے میں قول کہ ان کی احادیث کی متابعت نہیں کی جاتی۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ خواہ یہ راوی عبد اللہ ہوں یا عبید اللہ تو ان کی روایت منکر ہوتی ہے جب یہ نافع عن ابن عمر روایت کریں۔ اب اگر غور کریں تو سوائے راوی کے متفرد ہونے کے کوئی اور علت نظر نہیں آتی۔ اور جب ان کی حدیث کے متابع بھی ہیں تو ان کی حدیث لامحالہ قبول کی جائیگی۔ اور ہم نے موسیٰ بن حلال کی روایت کے متابع اور شواہد پائے ہیں جن کو ہم ذکر کریں گے۔

ان تمام دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی یہ حدیث کم از کم حسن کے درجے پر فائز ہے۔ اور حدیث حسن کی دو اقسام ہیں۔

ایک قسم یہ ہے کہ حدیث کی سند میں کوئی مستور الحال راوی ہو جس کی اہلیت متحقق نہ ہو اور وہ غافل اور کثیر الخطاء نہ ہو اور نہ ہی اس میں کوئی فسق کا سبب ظاہر ہو اور اس کے ساتھ متن حدیث بھی اس جیسی کسی اور روایت سے مذکور ہو۔ اور حلال بن موسیٰ کا اقل درجہ یہ ہے کہ ان میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ اور ان کی حدیث اس درجہ کی ہے۔

حسن کی دوسری قسم یہ ہے کہ اس کا راوی صدق اور امانت کے اعتبار سے مشہور ہو مگر حفظ میں کمی کی وجہ سے صحیح رجال کے درجہ تک نہ پہنچے۔ اور یہ حدیث بھی بعض اوقات راوی کے منفرد ہونے کی وجہ سے منکر ہونے کے باوجود ترقی کر جاتی ہے۔

کہنے والے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ یہ حدیث حسن نہیں ہے کیونکہ ہم نے حدیث حسن کی جو دو تعریفات کی ہیں ان میں سے ایک تعریف اس پر صادق آتی ہے۔ اور ہم نے زیارت قبر نبی ﷺ کے سلسلہ میں جو احادیث جمع کی ہیں وہ ساری اس کے درجہ کو بڑھاتی ہیں اور بعض اوقات حدیث میں یہ اضافہ اس کو حسن سے صحیح کے درجہ پر بھی فائز کر دیتا ہے۔

ضعیف حدیث کی اقسام:

ضعیف حدیث کی دو اقسام ہیں۔

پہلی قسم:

وہ حدیث جس میں راوی کا ضعف اس وجہ سے ہو کہ وہ راوی متہم بالکذب ہو۔ اور اس قسم کی ضعیف احادیث کا جمع ہونا حدیث کی قوت کا سبب نہیں بنتا۔

دوسری قسم:

وہ حدیث جس میں راوی کا ضعف اس وجہ سے ہو کہ وہ راوی صادق و امین ہونے کے باوجود ضعیف الحافظ ہو۔

پس ہم نے دیکھا کہ یہ حدیث متعدد اسناد سے مروی ہے اور اس کا متعدد اسناد

سے مروی ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ سند میں راوی کے حافظہ کے ضعف کا اثر نہیں ہے۔ اور یہی بات ابن صلاح نے کہی ہے۔

پس اس قسم کی ضعیف احادیث کا جمع ہونا حدیث کی قوت میں اضافہ کرتا ہے اور کبھی کبھی ضعیف حدیث اسناد کے تعدد کی وجہ سے حدیث حسن اور حدیث صحیح کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔ اور اسی اصول کے پیش نظر جب امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب میقات ذات عرق کے حوالے سے گفتگو کی کہ کیا یہ منصوص علیہ امور میں سے ہے یا اس میں اجتہاد کا عمل دخل ہے؟ اور صحیح یہ ہے کہ اس سلسلے میں نص وارد ہوئی ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے جمہور سے اس سلسلے میں احادیث کے وارد ہونے کی وجہ سے اس بات کی تائید کی اور اگرچہ وہ احادیث سند کے اعتبار سے ضعیف تھیں مگر اسناد کے تعدد کی وجہ سے حدیث میں قوت پیدا ہو گئی اور وہ ضعیف حدیث، حسن کے درجے تک پہنچ گئی اور ان سے استدلال کیا گیا۔ اور یہ بحث "شرح المہذب" کی کتاب الحج میں مذکور ہے۔

پس اس حدیث کی اسناد میں درج ذیل اعتبارات سے بحث کی گئی ہے۔ یعنی اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ

- ۱۔ یہ حدیث عبید اللہ سے مروی ہے اور اسے عبید اللہ سے مروی حدیث سے ترجیح دی گئی ہے۔
- ۲۔ ایک قول کے مطابق یہ حدیث دونوں راویوں (عبید اللہ اور عبد اللہ) سے بیک وقت مروی ہے۔

- ۳۔ اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ حدیث عبید اللہ اکیلے سے مروی ہے۔ اور یہ حدیث حسن کی بیان کی گئی ذواقسام میں سے ایک قسم میں داخل ہے۔

- ۴۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ حدیث صرف اس سند سے ضعیف ہے تو اس قسم کی ضعیف احادیث کا جمع ہونا حدیث کو قوی بنا دیتا ہے اور اسے حدیث حسن کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔

نتیجہ بحث:

مذکورہ تمام بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی کا یہ دعویٰ کرنا کہ زیارت قبر رسول ﷺ کے باب میں وارد ہونے والی تمام احادیث موضوع ہیں، یہ افتراء اور جھوٹ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جھوٹ سے پاک ہے اور اس طرح کا دعویٰ کرنے والے کو نہ اللہ تعالیٰ کا حیا ہے نہ اس کے رسول مکرم ﷺ کا۔ اور یہ ایسا دعویٰ ہے جیسا آج تک نہ کسی عالم نے کیا اور نہ جاہل نے اور نہ ہی کسی محدث نے اور نہ کسی اور نے۔ اور کسی شخص نے نہ تو اس حدیث کے راوی ”موسیٰ بن ہلال“ کو اور نہ ہی کسی اور راوی کو ”وضع“ سے متہم کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ پھر کیسے کسی مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ زیارت کی تمام احادیث کو موضوع قرار دے؟ اور اس حدیث میں کوئی ایسی چیز ظاہر نہیں ہوئی جس کی بنا پر محدثین اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم لگا سکیں؟ اور نہ ہی انہوں نے اس حدیث کے متن کے حوالے سے کوئی ایسی بات کی ہے کہ اس حدیث کا متن شریعت کے خلاف ہے پس اگر یہ ایسی بات ہے تو پھر کس وجہ سے اسے موضوع قرار دیا جائے؟ اور اگر بالفرض اس کو ضعیف مان بھی لیا جائے تو پھر بھی اس کو موضوع کیسے جاسکتا ہے جبکہ یا تو یہ حسن ہے یا پھر صحیح ہے؟

پس پہلی حدیث کی سند سے متعلق جو بحث ہو چکی ہے اس پر اکتفا کرتے ہیں۔

متن حدیث کی وضاحت:

جہاں تک اس حدیث کے متن کا تعلق ہے تو اس میں لفظ ”وجبت“ جس کا معنی ”ثابت یا لازم ہے“ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ ضرور اپنا شفاعت کا وعدہ پورا فرمائیں گے۔

لفظ ”لہ“ کا مفہوم:

حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد مبارک میں لفظ ”لہ“ سے مراد یا تو خاص شفاعت ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ یہ شفاعت حضور نبی اکرم ﷺ کی ایسی شفاعت ہے جو صرف ان کیلئے خاص ہے جو قبر رسول ﷺ کی زیارت کرتے ہیں اور باقی لوگوں کو عام طور پر یا خاص طور پر یہ شفاعت حاصل نہ ہوگی یا اس سے مراد یہ بھی ہے کہ قبر رسول ﷺ کی زیارت کرنے والے دوسرے لوگوں سے اس شفاعت کے سبب منفرد ہو جائیں گے اور یہ انفرادیت ان کی اس زیارت کے باعث عزت و تکریم کی وجہ سے ہوگی یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس زیارت کی برکت کی وجہ سے عام شفاعت میں ان کا داخلہ ضروری ہو گیا ہے۔

اس شفاعت کا فائدہ یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کا حالت اسلام میں فوت ہونا یقینی ہے۔ اور تیسری تعبیر کی بنا پر ضروری ہے کہ لفظ ”لہ“ کا اطلاق عموم پر کیا جائے کیونکہ اگر اس میں اسلام پر مرنے کی شرط مضمّن کر دی جائے تو پھر زیارت کے ذکر کرنے کا کوئی معنی نہیں بنتا کیونکہ مسلمان ہونا ہی اس شفاعت کے حصول کے لیے کافی ہے۔ اور پہلی دونوں تعبیروں کی بنیاد پر اضمحار درست ہے۔

خلاصہ بحث:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ زیارت قبر رسول ﷺ کا اثر یہ ہے کہ وہ زائر حالت اسلام میں فوت ہوگا اور ظاہر ہے یہ کتنی بڑی عظیم نعمت ہے یا اس کا اثر یہ ہے کہ زیارت کرنے والے کو ایسی شفاعت نصیب ہوگی جو عام مسلمانوں کی شفاعت سے خاص ہوگی۔

لفظ ”شفاعتی“ کا مفہوم:

لفظ ”شفاعت“ کی اضافت ”ی“ کی طرف کی گئی ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ ملائکہ عظام، انبیائے کرام علیہم السلام اور مومنین شفاعت کریں گے مگر قبر

رسول ﷺ کی زیارت کرنے والے کو اس سلسلے میں یہ شرف حاصل ہوگا کہ اس کی شفاعت خود حضور نبی کریم ﷺ فرمائیں گے۔ اور یہ شفاعت حضور ﷺ کے عظیم شافع ہونے کی بنا پر عظیم ہوگی۔ پس جس طرح حضور اکرم ﷺ تمام مخلوقات سے افضل ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی شفاعت بھی تمام سے افضل ہے۔ اور یہاں آپ کی اخروی شفاعت کا ذکر کرنا ضروری ہے مگر اسے مؤخر کرتا ہوں تاکہ زیارت کے اصل مقصد کے حصول سے قبل مل محسوس نہ کرنے لگے۔

دوسری حدیث:

مَنْ زَارَ قَبْرِي حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي

جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت حلال ہوگئی

اس حدیث کو امام ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالحق البزار نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے اور انہوں نے اس کی سند یوں بیان کی ہے۔ ”حدثنا قتيبة ثنا عبدالله بن ابراهيم ثنا عبدالرحمن بن زيد عن ابيه عن ابن عمر عن النبي ﷺ ”مَنْ زَارَ قَبْرِي حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي“

یہ حدیث پہلی حدیث کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے عبدالحق نے دارقطنی اور بزار کی طرف اس حدیث کو منسوب کیا ہے مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو پہلی حدیث میں لفظ ”وجبت“ ہے جب کہ اس حدیث میں ”حلت“ ہے لہذا اس حدیث کو علیحدہ ذکر کر دیا اور میں اسے مستند نسخہ جس کو حافظ قاضی ابوعلی الحسین بن محمد الصدفی نے شیخ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن اسماعیل بن فورث سے سنا اور انہوں نے اس کو اس سند سے روایت کیا ہے۔

الشيخ ابي عمر احمد بن محمد المقرئ الطلمنكي اجازة انا ابو
عبدالله محمد بن احمد بن يحيى بن معرج ثنا ابو الحسين محمد بن
ايوب بن حبيب بن يحيى الرقي الصموت ثنا ابوبكر احمد بن عمرو
بن عبدالحق البزار

اور انھوں نے اس حدیث کو اصل نسخے کے ساتھ تقابل کیا گیا کہ جس میں انھوں نے یہ حدیث الرقی محمد بن ایوب کو سنائی۔ اور ابن معراج کے اصل نسخہ کا اکثر حصہ الرقی کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور قاضی ابو علی الصدفی نے اس نسخے کے مطابق کئی مرتبہ حدیث کو بیان کیا ہے اور اس حدیث کے بہت سے طباق ہیں۔ اور صدفی کو یہ حدیث محمد بن خلف بن سلیمان بن فحون نے سنائی ہے۔ اور قتیہ یہ ہزار کے شیخ ہیں اور ان کی کنیت ابن المرزبان ہے۔

عبداللہ بن ابراہیم یہ غفاری ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ ابوذر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں جن کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ابو داؤد کی احادیث منکر ہیں؟ اور ابن عدی نے کہا ہے انہوں نے جو روایات کی ہیں ان کی ثقہ راویوں نے متابعت نہیں کی۔ اور ہزار نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہا کہ عبداللہ بن ابراہیم نے ایسی احادیث بیان کی ہیں کہ جن کی متابعت نہیں کی گئی پس جو کچھ ان کی حدیث میں لکھا جاتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جو وہ حفظ کرتے ہیں۔

عبدالرحمن بن زید بن اسلم، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بیان کیا ہے اور ایک گروہ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ابن عدی نے کہا ہے کہ انہوں نے احادیث حسان روایت کی ہیں اور یہ وہ راوی ہیں جن کی احادیث لکھی جاتی ہیں اور امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اعتبار سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جس کو ہم تو سل بالنبی ﷺ کے باب میں ذکر کریں گے۔ اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصد پہلی حدیث کو اس کے ذریعہ تقویت دینا ہے۔ اور اس حدیث کو پہلی حدیث کا شاہد ہونا اس حدیث کو نقصان نہیں دیتا اس سبب سے کہ جو اس کے دو راویوں کے بارے میں کہا گیا ہے کیونکہ ان پر کذب یا فسق کی تہمت نہیں لگی۔ اور متابعات اور شواہد میں ایسا احتمال ہوتا ہے۔

تیسری حدیث:

مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَا يَعْمَلُهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا
عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جو شخص زیارت کیلئے میرے پاس آیا اور میری زیارت کے علاوہ کسی
ضرورت نے اسے اس عمل میں نہیں لگایا تو مجھ پر واجب ہو گیا کہ
میں قیامت کے روز اس کیلئے شفاعت کروں۔

۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر ، ۱۲: ۲۲۵، رقم: ۱۳۱۴۹

۲۔ طبرانی، المعجم الاوسط، ۵: ۲۷۵، ۲۷۶، رقم: ۴۵۴۳

۳۔ ہشمی، مجمع الزوائد، ۴: ۲

۴۔ السیوطی، جلال الدین، الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۱: ۲۳۷

اس کے علاوہ اس حدیث کو امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”امالی“ میں اور ابو
بکر ابن المقری نے ”معجم“ میں بیان کیا ہے۔ اور سعید بن السکن نے اسے صحیح قرار دیا
ہے۔ اور یہ مسلمہ جہنی کی روایت ہے۔ انہوں نے اسے عبید اللہ العمری سے روایت کیا ہے
اور اس میں موسیٰ بن ہلال کی متابعت ہے۔ بعض روایت میں لفظ ”لا یعملہ“ وارد ہوا
ہے اور بعض میں ”لا ینزعہ“ کا لفظ آیا ہے۔ اور مسلمہ کے بارے میں جو انہوں نے
عبید اللہ اور عبد اللہ سے روایت کیا ہے اختلاف پایا گیا ہے اور اس طرح موسیٰ بن ہلال
کے بارے میں اختلاف پایا گیا ہے۔

پس اس حدیث کو عبد اللہ بن محمد العبادی البصری نے روایت کیا ہے ، انہوں
نے مسلمہ سے اور انہوں نے عبید اللہ سے اور انہوں نے نافع سے روایت کیا ہے۔ لفظ
العبادی عین کے ضمتہ اور با کے فتح کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ عباد بن ضبیعہ بن قیس
بن ثعلبہ بن عکایتہ بن صعب بن علی بن بکر کی طرف نسبت کی وجہ سے عبادی کہا جاتا

ہے۔ ابو سعید بن السمعانی نے کہا کہ عبد اللہ بن محمد العبادی، حسن بن حبیب بن نمر سے اس کو روایت کرتے ہیں اور ان سے عبدان نے روایت کیا ہے۔ الصوری نے لفظ عبدان کو با کی شد کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ ابن ماکولا نے کہا ہے ہم اس لفظ کو با پر شد کے بغیر پڑھتے ہیں۔

سند کا بیان:

أخبرنا أبو الفضل اسحاق بن أبي بكر بن ابراهيم ابن النحاس الاسدي بقرء تي عليه بجامع دمشق في عاشر صفر سنة ثمان و سبعمائة قلت له اخبرك الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل بن عبد الله الدمشقي قراء ة عليه و انت تسمع انا ابو عبد الله محمد بن ابي زيد بن حمد بن نصر الكراني انا ابو منصور محمود بن اسماعيل بن محمد الصيرفي انا ابو الحسين احمد ابن محمد بن الحسين بن فاذشاه انا ابو القاسم سليمان بن احمد بن ايوب ابن مطير اللخمي الطبراني ثنا عبدان بن احمد ثنا عبد الله بن محمد العبادي البصري ثنا مسلمة بن سالم الجهني حدثني عبيد الله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَا تَعْمَلُهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ " و اخبرنا به ايضا علي بن احمد الفرافي في كتابه انا ابن عماد انا ابن رفاعه انا الخلعى انا ابو النعمان تراب بن عمر بن عبيد بن محمد بن عباس العسقلاني ثنا ابو الحسن علي بن عمر بن احمد بن مهدي الدارقطني البغدادي املاء بمصر ثنا يحيى بن محمد بن صاعد ثنا ابو اخبرنا ابو الفضل اسحاق بن ابي بكر بن ابراهيم ابن النحاس الاسدي بقرء تي عليه بجامع دمشق في عاشر صفر سنة ثمان و سبعمائة قلت له اخبرك الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل بن عبد الله الدمشقي

قراءة عليه و انت تسمع انا ابو عبدالله محمد بن ابی زید بن حمد بن
نصر الکرانی انا ابو منصور محمود بن اسماعیل بن محمد الصیرفی
انا ابو الحسین احمد ابن محمد بن الحسین بن فاذشاه انا ابو القاسم
سلیمان بن احمد بن ایوب ابن مطیر اللخمی الطبرانی ثنا عبدان بن
احمد ثنا عبدالله بن محمد العبادى البصرى ثنا مسلمة بن سالم
الجهنى حدثنى عبيدالله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابن عمر رضى
الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَا تَعْمَلُهُ حَاجَةً
إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ " و أخبرنا به
ايضا على بن احمد الغرافى فى كتابه انا ابن عماد انا ابن رفاعه انا
الخلعى انا ابو النعمان تراب بن عمر بن عبيد بن محمد بن عباس
العسقلانى ثنا ابو الحسن على بن عمر بن احمد بن مهدى الدارقطنى
البغدادى املاء بمصر ثنا يحيى بن محمد بن صاعد ثنا ابو محمد
عبدالله بن محمد العبادى من بنى عباد بن ربيعة فى بنى مرة بالبصرة
سنة خمسين و مائتين حدثنا مسلمة بن سالم الجهنى امام مسجد بنى
حرام و مؤدبهم ثنا عبيدالله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابيه قال قال
رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَمْ تَنْزَعْهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ
حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ . "

و أخبرنا ايضا عبدالمؤمن وغيره اذا عن ابى نصر انا ابن عساكر انا
خالى ابوالمعالى محمد بن يحيى بن على انا على بن الحسن بن
الحسين الخلعى فذكره باسناده و متنه و فى هذين الطريقين اعنى
طريق عبدان و طريق يحيى بن محمد بن صاعد نافع عن سالم و رواه
غيرهما فقال فيه عن نافع و سالم كذلك قرىء على ابى الفضل
اسحاق بن ابى بكر بن ابراهيم بن هبة الله ابن طارق بن سالم بن

النحاس الاسدي الحنفي في معجم ابن المقرئ وانا اسمع بدمشق ان
الحافظ ابا الحجاج يوسف بن خليل الدمشقي اخبره قراءة عليه و
هو يسمع بحلب انا ابو مسلم المؤيد بن عبدالرحيم بن احمد ابن
الاخوة و زوجه عين الشمس بنت ابي سعيد بن الحسن قالا انا ابو
الفرح سعيد ابن ابي الرجاء الصيرفي قال المؤيد سمعا و قالت
زوجته اجازة قال انا الشيخان ابو طاهر احمد بن محمود الثقفي و ابو
الفتح منصور بن الحسين بن علي بن القاسم قالا انا ابوبكر محمد بن
ابراهيم بن علي بن عاصم ابن المقرئ (ح) و اخبرنا عبدالمؤمن بن
خلف وغيره اذنا عن ابي نصر انا علي بن الحسن بن هبة الله اخبرناه
ابو الفرح سعيد بن ابي الرجاء الاصبهاني انا منصور بن الحسين و ابو
طاهر بن محمود قالا انا ابوبكر ابن المقرئ ثنا محمد بن احمد ابن
محمد الشطوي ببغداد ثنا عبدالله بن يزيد الخثعمي ثنا عبدالله بن
محمد حدثني مسلمة بن سالم الجهني امام مسجد بني حرام و
مؤدبهم بالبصرة قال حدثني عبدالله بن عمر العمري عن نافع و سالم
عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَا يَتَزَعُّهُ إِلَّا
زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ "

و رواه مسلم بن حاتم الانصاري عن مسلمة عن عبدالله اخبرنا
بذلك ابن خلف وغيره اذنا عن ابن هبة الله انا الدمشقي انا ابو علي
الحداد في كتابه حدثني عبدالرحيم بن علي ابو مسعود عنه انا ابو نعيم
الحافظ حدثنا ابو محمد بن حيان ثنا محمد بن احمد بن سليمان
الهروي ثنا مسلم بن حاتم الانصاري ثنا مسلمة ابن سالم الجهني
حدثني عبدالله يعني العمري حدثني نافع عن سالم عن ابن عمر قال
قال رسول الله ﷺ : " مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَمْ تَتَزَعُّهُ حَاجَةٌ إِلَّا زِيَارَتِي "

كَانَ حَقًّا عَلَيَّ اَنْ اَكُوْنَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ“

یہ اس حدیث کے طرق ہیں اور اس کو امام و حافظ ابو علی سعید بن عثمان بن سعید بن اسکن البغدادی المصری البزار اپنی کتاب ” السنن الصحاح المأثورة عن رسول اللہ ﷺ “ جو کہ محذوف الاسانید ہے اس کے خطبے میں ذکر کرتے ہیں۔

”پس آپ نے مجھ سے چاہا کہ میں آپ کیلئے ”سنن مأثورہ“ جن کو ان آئمہ نے نقل کیا ہے کہ جن کے بارے میں کسی نے طعن نہیں کیا، میں سے وہ احادیث جمع کروں کہ جو میری نظر میں صحیح ہیں۔ پس جب میں نے غور و خوض کیا تو میں نے آئمہ میں سے ایسی جماعت کو پایا کہ جنہوں نے وہ کچھ نقل کیا جو آپ نے مجھ سے چاہا۔ پس میں نے جو کچھ انہوں نے بیان کیا اس کو اچھے طریقے سے یاد کر لیا اور جن احکام کی مسلمانوں کو ضرورت تھی ان کی ابواب بندی کی۔ پس آئمہ نے جو کچھ بیان کیا اس میں غور و خوض کیا اور میں نے تمام آئمہ کو مجتہدین میں سے پایا اور جو روایت میں نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے وہ ایسی روایت ہے کہ جس کی صحت پر تمام آئمہ کا اجماع ہے۔“

اس کتاب میں کتاب الحج کے آخر میں ”باب ثواب من زار قبر النبی ﷺ“ میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ : ” مَنْ جَاءَنِي زَائِرًا لَمْ تَزِرْهُ حَاجَةٌ إِلَّا زِيَارَتِي كَانَ حَقًّا عَلَيَّ اَنْ اَكُوْنَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

ابن اسکن نے اس باب میں اس کے علاوہ بھی اس طرح کی احادیث ذکر کی ہیں تو گویا یہ ان کی طرف سے حکم ہے کہ یہ احادیث متفق علیہ ہیں اس شرط کی وجہ سے جو انہوں نے خطبہ میں لگائی ہے۔ اور ابن اسکن امام، حافظ، ثقہ، کثرت سے احادیث روایت کرنے والے، علم کی تلاش میں بہت زیادہ سفر کرنے والے جنہوں نے عراق، شام، مصر، خراسان اور ماوراء النہر کے سفر کیے یہ بغدادی ہیں اور مصر میں قیام پذیر رہے اور وہیں

۳۵۳ھ میں ان کا وصال ہوا۔ ابن سکن کی ابواب بندی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد آپ کی قبر انور کی زیارت کو آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں زیارت کی طرح قرار دیتے ہیں اور یہی درست مفہوم ہے۔

چوتھی حدیث:

مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَكَأَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ
جس شخص نے حج کیا پھر میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت
کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

۱۔ دارقطنی، السنن، ۲: ۲۷۸

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲: ۳۱۰، رقم: ۱۳۴۹۷

۳۔ البیہقی، السنن الکبریٰ، ۵: ۲۴۶، رقم: ۱۰۰۵۴

سند کا بیان:

اخبرنا عبدالمؤمن بن خلف الحافظ انا یوسف بن خلیل الحافظ انا ناصر بن محمد ابو برح انا اسماعیل بن الفضل بن الاخشید انا ابو طاهر بن عبدالرحیم انا علی بن عمر الحافظ الدارقطنی قال حدثنا عبدالله بن محمد بن عبدالعزیز ثنا ابو الربیع الزهرانی (ح) و قرأت علی ابی محمد اسحاق بن یحییٰ بن اسحاق بن ابراهیم الآمدی و اللفظ له اخبرك یوسف بن خلیل الحافظ انا محمد بن ابی زید الکرانی انا محمود الصیرفی انا ابن فاذشاه انا الطبرانی ثنا الحسن ابن اسحاق التستری ثنا ابو الربیع الزهرانی ثنا حفص بن ابی داود عن لیث عن مجاهد عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال: " مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ "

عثمان بن محمد نے مکہ سے مجھے لکھا کہ انہوں نے حافظ ابو الحسین سے مصر میں یہ روایت قراءۃ لی ہے۔ اور یہ سند اس طرح ہے۔

قال انا ابوالبركات الحسن بن محمد بن الحسن الشافعي انا ابو طاهر عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر بن يوسف البغدادي انا ابوبكر محمد بن عبدالملك بن بشران انا ابوالحسن الدارقطني حدثنا عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز ثنا ابو الربيع ثنا حفص بن ابي داود عن ليث بن ابي سليم: عن مجاهد عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال: " مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ وَفَاتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي "

حدیث کی دوسری سند کا بیان:

واخبرناہ عبدالؤمن وغیرہ اذنا عن الشیرازی انا الحافظ الدمشقی انا ابو عبدالله الخلال انا ابراهیم بن منصور انا ابوبکر ابن المقرئ انا ابو یعلی الموصلی ثنا ابو الربیع ثنا حفص بن ابی داود عن لیث عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: " مَنْ حَجَّ فَزَارَنِي بَعْدَ وَفَاتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي " و كذلك رواه ابو احمد بن عدى فی الكامل.

حدیث کی تیسری سند کا بیان:

اخبرناہ ابو محمد التونی، هو الحافظ الدمیاطی، و آخرون اذنا عن ابي الحسن النجار عن ابي الكرم المبارك بن الحسن الشهرزوری انا اسماعیل بن مسعدة الاسماعیلی انا حمزة بن يوسف السهمی انا ابو احمد بن عدى الجرجانی انا الحسن بن سفيان ثنا علي بن حجر، و ثنا عبدالله بن محمد البغوی ثنا ابو الربيع الزهراني، قال علي ثنا حفص بن سليمان، وقال ابو الربيع ثنا حفص بن ابي داود و قالوا عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر رضي الله عنهما

قال قال رسول الله ﷺ: "مَنْ حَجَّ فَرَارَ قَبْرِى بَعْدَ مَوْتِى كَانَ كَمَنْ زَارَنِى فِى حَيَاتِى وَصَحْبِى"

سند پر تبصرہ:

امام ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنن میں ابن عدی کی اس روایت کو دو طرق سے ذکر کیا ہے۔ اور ابن عدی نے اس کو حفص بن سلیمان الاسدی الغاضری القاری کے ترجمہ میں بیان کیا ہے۔ اور یہ حکم لگایا گیا ہے کہ حفص سے مراد ابن ابی داود ہے جو سند میں مذکور ہے۔ اور ابن عدی کہتے ہیں کہ ابو الریح الزهرانی ان کو حفص بن ابی داود ان کے ضعف کی وجہ سے کہتے ہیں اصل میں یہ حفص بن سلیمان ہیں۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ حفص اس سند میں مفرد ہیں۔ اور یہ ضعیف ہیں۔ اور یہی حکم حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لگایا ہے۔

چوتھی سند کا بیان:

اخبرنا الدمیاطی اذنا انبانا ابن هبه الله الشیرازی انا ابن عساکر اناہ
الخلال انا ابراهیم بن منصور السلمی انا ابوبکر ابن المقری انا
ابوسعید المفضل بن محمد بن ابراهیم الجندی ثنا مسلمة و هو ابن
شبيب ثنا عبدالرزاق ثنا ابو عمر حفص بن سلیمان (ح) قال ابن
عساکر و انا ابوالقاسم ابن السمرقندی انا ابوالقاسم اسماعیل بن
مسعدة انا حمزة بن یوسف السهمی قالا انا ابو احمد بن عدی انا
الحسن بن سفیان ثنا علی بن حجر (ح) قال ابن عساکر و انا
ابوالقاسم الشحامی انا ابوبکر البیہقی انا علی بن احمد بن عبدان ثنا
احمد بن عبید حدثنی محمد بن اسحاق الصفار ثنا ابن بکار ثنا
حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاهد عن ابن عمر رضی الله عنهما
قال قال رسول الله ﷺ: "مَنْ حَجَّ فَرَارَ قَبْرِى بَعْدَ مَوْتِى كَانَ كَمَنْ زَارَنِى فِى حَيَاتِى"

سند پر تبصرہ:

سہمی نے ”و صحبی“ کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سنن میں ان الفاظ کا اضافہ ذکر نہیں کیا۔ اور اس کی روایت یوں بیان کی ہے۔ ”عبد اللہ بن یوسف انا محمد بن نافع الخزاعی ثنا المفضل الجندی“ اور اس کو سند اور متن کے اعتبار سے ذکر کیا ہے جس طرح کہ اس کو ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن المقری کے طریق سے روایت کیا ہے۔

اور مجھ کو عثمان بن محمد التوزی نے مکہ مکرمہ سے لکھا کہ انہوں نے اس کو ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ سے قراءۃ روایت کیا ہے۔ اور سند اس طرح ہے۔

قال انا الحسن بن محمد انا علی بن الحسن انا ابوالقاسم اسماعیل بن محمد انا احمد بن عبدالغفار بن اشتہ انا ابو سعید النقاش انا ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن ابراہیم الجوزجانی ثنا الحسن بن الطیب البلخی ثنا علی بن حجر ثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاہد عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: ”مَنْ حَجَّ فَرَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِی حَیَاتِیْ“

حافظ بغدادی ”الدرة الثمينة فی أخبار المدينة“ میں بیان کرتے ہیں:-

أنا عبد الرحمن بن علی انا ابوالفضل الحافظ عن ابی علی الفقیہ أنا ابوالقاسم الأزهری انا القاسم بن الحسن ثنا الحسن بن الطیب ثنا علی بن حجر ثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاہد عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: ”مَنْ حَجَّ فَرَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِی حَیَاتِیْ وَ صَحِیَّتِیْ“

ابو الیمن بن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے بارے میں کہا ہے کہ ”اس حدیث کو حسن بن طیب نے علی بن حجر سے روایت کیا ہے اور اس میں الفاظ کی زیادتی کی

ہے جو قبول نہیں اور وہ الفاظ یہ ہیں۔ ”من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی و صحبنی“ اور حسن بن طیب ”و صحبنی“ کے الفاظ لانے میں متفرد ہیں اور یہ محل نظر ہے۔

میری رائے ہے ہم نے اس اضافے ”و صحبنی“ کو حسن بن سفیان کے طریق سے ذکر کیا ہے اور وہ اس میں متفرد نہیں ہیں اور عبدالرحمن جن سے ابن بخاری نے روایت کیا ہے وہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور میں نے اس اضافے کو ان کے قلمی نسخے ”مشیر العزم الساکن الی اشرف الاماکن“ میں مذکور اسناد کے ساتھ دیکھا ہے۔ اور اس حدیث کو دوسرے طریق سے روایت کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ ”عن حفص بن سلیمان عن سلیمان عن کثیر بن شطیر عن لیث بن ابی سلیم“

أخبرنا بذلك الحافظ ابو محمد الدمیاطی اجازة أنبانا ابو نصر مکاتبة ان ابن عساكر سماعا انا الشحامی انا الجنزرودی انا ابن حمدان انا ابویعلی الموصلی ثنا یحیی بن ایوب ثنا حسان بن ابراهیم ثنا حفص بن سلیمان عن کثیر بن شطیر عن لیث بن ابی سلیم عن مجاهد عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: ”مَنْ حَجَّ فَزَارَنِي بَعْدَ وَفَاتِي عِنْدَ قَبْرِي لَكَائِمًا زَارَنِي فِي حَيَاتِي“ و اشار ابن عساكر الی ان الصواب الاول.

سند پر تبصرہ:

حفص بن سلیمان القاری القاضی یہ حفص بن ابوداؤد ہیں اور یہی قول امام بخاری، ابن ابی حاتم، ابن عدی اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر کا ہے۔ اور باقی رہا ان کا اس سند کا راوی ہونا تو ابن عدی اور ابن عساكر رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہی رائے ہے۔ اور اس طرف امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اشارہ کیا ہے۔ لیکن ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے جو توقف کا تقاضا کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حفص بن سلیمان

البصری یہ حسن سے روایت کرتے ہیں جن کا وصال ۱۳۰ ھ میں ہوا۔ اور یہ حفص بن سلیمان البزار ابی عمر القاری نہیں۔ وہ ضعیف تھے اور اس سند والے یہ ثقہ ہیں۔

ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے حفص بن سلیمان کو کتاب المجر و حین میں ذکر کیا ہے اور ان کا ضعف ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ابن ابی داود ہیں۔ اور یہ ممکن نہیں کہ انہیں اشتباہ ہو گیا ہو اور انہوں نے ایک ہی شخص کو دو بنا دیا ہو ایک کو ثقہ اور دوسرے کو ضعیف۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ دو ہوں اور ابن عدی کو اشتباہ ہو گیا ہو اور انہوں نے ان کو ایک بنا دیا ہو۔ پس اگر غور سے دیکھیں تو ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا تقاضا ہے کہ ان کو ضعیف قرار نہ دیا جائے۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ میں نے حفص بن سلیمان کے بارے میں ان کے باپ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ صالح ہیں۔ ان اقوال کے بعد بھی اگر ان کا ضعف ثابت ہو جائے تو یہ اس حدیث میں متفرد نہیں ہیں۔

پانچویں حدیث:

مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي

جس نے بیت اللہ شریف کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی پس اس نے مجھ سے جفا کی۔

۱۔ ابن حجر مکی: الجوهر المنظم : ۲۸

۲۔ النبهانی، شواہد الحق فی الاستغاثة بسید الخلق : ۸۲

اس کے علاوہ اس حدیث کو ابن عدی نے ”الکامل“ میں روایت کیا ہے۔

سند کا بیان:

أخبرناہ اذنا و مشافهة عبدالمؤمن وآخرون عن ابی الحسن ابن

المقیر البغدادی عن ابی الکرم ابن الشهرزوری انا اسماعیل بن
مسعدة الاسماعیلی انا حمزة بن یوسف السهمی انا ابو احمد بن
عدی ثنا علی بن اسحاق ثنا محمد بن محمد بن النعمان حدثنی
جدی قال حدثنی مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال
قال رسول اللہ ﷺ "مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي"

حدیث پر تبصرہ:

ابن عدی نے نعمان کی احادیث کو بیان کرنے کے بعد کہا یہ احادیث نافع سے
مروی ہیں اور انہوں نے انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ نعمان بن
شبل ان کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں اور مجھے اس چیز کا علم نہیں کہ
نعمان بن شبل کے علاوہ کسی نے اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا
ہے۔ اور نہ ہی میں ان کی احادیث میں سے کسی حدیث کو غریب پاتا ہوں اس اعتبار سے
کہ انہوں نے کسی حدیث کو لینے میں حد سے تجاوز کیا ہو اور حدیث کو ذکر کیا ہو۔

عمران بن موسیٰ الزجاجی سے ان کے ترجمہ میں روایت کیا گیا ہے کہ یہ متھم ہیں
اور اس تہمت کی وضاحت نہیں کی گئی پس ان پر ثقہ کا حکم مقدم ہوگا۔

امام ابوالحسن دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو امام مالک بن انس رحمہ
اللہ تعالیٰ کی ایسی غرائب احادیث میں ذکر کیا ہے جو مؤطا میں موجود نہیں ہیں۔

قال ثنا ابو عبد اللہ الایلی و عبد الباقي قال ثنا محمد بن محمد بن
النعمان ابن شبل ثنا جدی ثنا مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ
عنہما عن النبی ﷺ قال "مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي"

امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ "اس حدیث کو روایت کرنے میں یہ شیخ
اکیلے ہیں۔" اور وہ دارقطنی کی اس عبارت کے منکر ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کا یہ انکار ان کے
اس حدیث کو اکیلے روایت کرنے کی وجہ سے ہے اور ان کا اس حدیث کو ان اسناد پر محمول

نہ کرنے کی وجہ سے ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث کے متن کو منکر اور موضوع قرار دیا جائے۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے اور ایسا کرنا زیادتی ہے اور ابن عدی کا قول ان (ابن جوزی) کے بارے میں کافی ہے۔ اور امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا ہے کہ اس کو محمد بن محمد پر محمول کیا جائے گا نہ کہ اس کے دادا پر اور دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اس کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ اس سے مراد نعمان کا اکیلا ہونا ہے جسے ابن عدی نے کہا ہے۔

ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الحجر وحن میں احمد بن عبید سے اور انہوں نے محمد بن محمد سے اور ابن جوزی کا قول ”کتاب الضعفاء“ میں ہے کہ دارقطنی نے محمد بن محمد بن نعمان پر طعن کیا ہے۔ اور ہم نے دارقطنی کے کلام سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ راوی کا منکر ہونا ہے ضعیف ہونا نہیں۔ پس اس سے ان پر ”وضع“ کا حکم لانا باطل ہو گیا لیکن وہ غریب ہیں جیسا کہ دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے اور یہ بات ابن عدی کے کلام کی وجہ سے مفید ہے کیونکہ وہ اس کے علاوہ دوسرے راوی پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ حدیث پہلی حدیث کے بعد پیش کی جانی چاہیے تھی کیونکہ یہ حدیث نافع کے طریق سے مروی ہے لیکن ہم نے اس کو مؤخر کیا ہے کیونکہ اس پر جرح و نقد ہوتی ہے۔ اور یہ بات جان لینی چاہیے کہ محدثین کا کسی حدیث کو منکر یا غریب کہنا کبھی اس وجہ سے ہوتا ہے اور اس سے حدیث کے متن کا رد ہونا لازم نہیں آتا لیکن اس کے برعکس اگر کوئی فقیہ کسی حدیث کو موضوع قرار دے تو اس کا یہ حکم متن میں مؤثر ہوتا ہے۔ پس اس لیے ہم نے دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو قبول کر لیا اور ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو رد کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

مدینہ منورہ کی فضیلت پر حدیث

ایک اور حدیث سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور اس کو امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے العلل میں مسند ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ذکر کیا ہے۔

”من استطاع أن يموت بالمدينة فليفعل“

جو شخص یہ استطاعت رکھتا ہے کہ مدینہ منورہ میں فوت ہو تو اس کو ایسا کرنا چاہیے۔

چھٹی حدیث

مَنْ زَارَ قَبْرِي . أَوْ مَنْ زَارَنِي . كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا . أَوْ شَهِيدًا
جس نے میری قبر کی زیارت کی یا جس نے میری زیارت کی تو میں
اس کی شفاعت کروں گا۔ یا گواہ ہوں گا۔

۱۔ الطیالسی، المسند، ۱۲، ۱۳، رقم: ۶۵

۲۔ البیہقی، السنن الکبریٰ، ۵: ۲۲۵، رقم: ۱۰۰۵۳

۳۔ البیہقی، شعب الایمان، ۳: ۴۸۹، رقم: ۴۱۵۳

۴۔ دارقطنی، السنن، ۲: ۲۷۸

سند کا بیان:

أخبرنا أبو بكر أحمد بن محمد بن أبي القاسم بن بدران بن أبان
الدشتي بقراءتي عليه بالشام سنة سبع و سعمائة قال أنا الحافظ أبو
الحجاج يوسف بن خليل بن عبد الله التمشقي بحلب سنة ثلاث و
أربعين و ستمائة قال أنا القاضي أبو المكارم أحمد بن محمد بن
محمد بن عبد الله بن محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن قيس اللبان
قراءة عليه و أنا اسمع غير مرة باصبهان في سنة إحدى و تسعين و
خمس مائة قيل له أخبركم أبو علي الحسن بن أحمد بن الحسن
الحداد المقرئ قراءة عليه و أنت تسمع في محرم سنة اثنتي عشرة و

خمس مائة فاقر به قال انا الامام ابو نعیم احمد بن عبدالله بن احمد بن اسحاق الحافظ قراءة عليه و انا اسمع انا ابو محمد عبدالله بن جعفر بن احمد بن فارس ثنا ابو بشر یونس بن حبيب ثنا ابو داود الطیالسی ثنا سوار بن میمون ابو الجراح العبدی قال حدثنی رجل من آل عمر عن عمر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول : " مَنْ زَارَ قَبْرِیْ . اَوْ قَالَ مَنْ زَارَنِیْ . كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا . اَوْ شَهِيدًا وَمَنْ مَاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَهُ اللهُ فِی الْاَمْنِیْنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ "

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو امام طیاکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی جہت سے سنن کبیر میں ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی جہت سے ذکر کیا ہے۔

أَبَانَاهُ عَبْدُ الْمُؤْمِنِ وَغِيْرَهُ عَنْ ابْنِ الشَّيْزِيِّ أَنَا ابْنُ عَسَاكَرٍ أَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحَدَّادُ أَجَاذَةُ ثَمَّ أَنَا ابْنُ السَّمْرِقَنْدِيِّ أَنَا يَوْسُفُ بْنُ الْحَسَنِ الْفُكْرِيُّ؟ قَالَا أَنَا أَبُو نَعِيمٍ ثَنَا ابْنُ فَارِسٍ (ح) وَبِهِ إِلَى ابْنِ عَسَاكَرٍ قَالَ وَ أَخْبَرَنَا الشَّحَامِيُّ أَنَا أَبُو بَكْرٍ الْبَيْهَقِيُّ أَنَا ابْنُ فُورِكَ أَنَا ابْنُ فَارِسٍ..
لَذَكَرَهُ. وَ سَوَارُ بْنُ مَيْمُونٍ رَوَى عَنْهُ شُعْبَةُ .

سوار بن میمون ان سے شعبہ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو ہم ساتویں حدیث میں ذکر کریں گے۔ اور شعبہ کا ان سے روایت کرنا ان کے ہاں سوار بن میمون کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ پس سند میں کوئی غیر ثقہ شخص نہیں رہا سوائے اس شخص کے جو آل عمر میں سے ہے۔ اور وہ طبقہ تابعین میں سے ہیں۔

رہا امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ یہ سند مجہول ہے۔ تو اگر جہالت کا سبب وہ راوی ہے جو آل عمر میں سے ہے تو یہ درست ہے۔ اور ہم نے ان کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ وہ طبقہ تابعین میں سے ہیں۔ اور اگر جہالت کا سبب سوار بن میمون کے حال سے لاعلمی ہے تو ہم نے ذکر کیا ہے کہ شعبہ کا ان سے روایت کرنا ان کے ثقہ ہونے

کی دلیل ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی شعبہ کی اس راوی سے روایت کو اپنی سنن کے علاوہ کتاب میں ذکر کیا ہے جس کو ہم ساتویں حدیث میں ذکر کریں گے۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ذکر کیا ہے کہ ان کے نام میں اختلاف ہے ایک روایت کے مطابق یہ سوار بن میمون ہے جب کہ ایک روایت کے مطابق یہ میمون بن سوار ہے۔ اور وکیع نے ان سے روایت کیا ہے۔

ساتویں حدیث:

مَنْ زَارَنِي مُتَعَمِّدًا كَانَ فِي جَوَارِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جس نے باقاعدہ نیت کے ساتھ میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میری ہمسائیگی میں ہوگا۔

(اس حدیث کو ابو جعفر العقلی اور دیگر نے سوار بن میمون سے روایت کیا ہے)

سند کا بیان

أخبرنا الحافظ ابو محمد اذنا انا ابن الشيرازي في كتابه انا ابن
عساكر سماعًا انا الشحامى انا البيهقي انا ابو عبد الله الحافظ اخبرني
علي ابن عمر الحافظ ثنا احمد بن محمد الحافظ حدثني داود بن
يحيى (ح) قال ابن عساكر و انا ابو البركات ابن الانماطى انا ابو بكر
الشامى انا ابو الحسن انا ابو الحسن العتيقى انا ابن الدخيل ثنا ابو
جعفر محمد بن عمرو و العقيلي ثنا محمد بن موسى قالا ثنا احمد بن
الحسن الترمذى ثنا عبد الملك بن ابراهيم الجدى ثنا شعبة عن
سوار بن ميمون عن..... و فى حديث الشحامى، ثنا هارون بن قرعة
عن رجل من آل الخطاب عن النبى ﷺ قال: مَنْ زَارَنِي مُتَعَمِّدًا كَانَ
فِي جَوَارِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

شحامی کی روایت:

شحامی نے روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ ”وَمَنْ سَكَنَ الْمَدِينَةَ وَصَبَرَ عَلَى بَلَائِهَا كُنْتُ لَهُ شَهِيدًا وَ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ وَقَالَ ”وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللَّهُ فِي الْأَمْنَيْنِ“ وَقَالَ الشَّحَامِيُّ : ”مِنْ الْأَمْنَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“

(جو شخص مدینہ منورہ میں رہا اور اس میں آنے والی آزمائشوں پر صبر کیا تو میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شافع ہوں گا۔)

اور دوسری حدیث کا ترجمہ یوں ہے۔ (جو شخص دونوں حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو مامون لوگوں میں سے اٹھائے گا۔)

رجال سند پر تبصرہ:

اس سند میں مذکور ہارون بن قزعه، ان کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور عقیلی نے ان کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کی احادیث کے متابع نہیں ہیں۔

پس سند میں ایک راوی رہ جاتے ہیں جو مشکم ہیں۔ اور وہ راوی آل عمر یا آل خطاب ہے، ان کے بارے میں ہو سکتا ہے کہ وہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں۔ اور ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ہارون ابن قزعه ایک شخص سے جو ولد حاطب سے ہے، سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ احادیث مرسل ہیں۔ پس دونوں صورتوں میں یہ ایک اچھی مرسل ہوگی۔

رہا ازدی کا یہ قول کہ ہارون متروک الحدیث ہیں اور ان سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔ ان کے اس قول کی وجہ شاید امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ اور عقیلی کا ہارون کے بارے میں قول ہے۔ دراصل ان کا ایسا کہنا مبالغہ پر مبنی ہے کیونکہ ایسا اس راوی کے بارے میں کہنا

چاہیے جس راوی کے حال کا علم ہو کہ وہ متروک ہے۔ اور جب آپ کو اس بات کا علم ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابن حبان، ازدی سے زیادہ جاننے والے اور ثقہ ہیں۔ اور انہوں نے ہارون بن قزعة سے مسند بھی روایت کیا ہے۔

آٹھویں حدیث

مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي

جس شخص نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(اس حدیث کو امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر نے روایت کیا ہے۔)

حدیث کی سند کا بیان:

اخبرناہ الحافظ ابو محمد الدمیاطی سماعا علیہ فی کتاب السنن للدارقطنی قال انا الحافظ ابو الحجاج یوسف بن خلیل انا الوریج انا الاخشید انا ابن عبدالرحیم انا الدارقطنی ثنا ابو عبید و القاضي ابو عبد اللہ وابن منخلد قالوا ثنا محمد بن الولید البصری ثنا وکیع ثنا خالد بن ابی خالد و ابو عون عن الشعبي و الأسود بن میمون عن ہارون بن قزعة عن رجل من آل حاطب عن حاطب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ : " مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي، وَمَنْ مَاتَ بِأَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ مِنَ الْأَمِينِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ "

اس طرح یہ سنن دارقطنی میں مذکور ہے۔

حدیث کی ایک اور سند کا بیان:

و أنبأنا به أيضا عبدالمؤمن أنبأنا ابن الشیرازی انا ابن عساكر انا فاتکین الترکی انا الجوهری انا علی بن محمد ابن لؤلؤ انا زکریا

الساجی (ح) قال ابن عساكر و انا احمد بن محمد البغدادی انا ابن
شکرویه و محمد بن احمد السمار قالا انا ابراهیم بن عبد الله انا
المحاملی قالا ثنا محمد بن الولید البصری ثنا وکیع ثنا خالد بن ابی
خالد و ابن عون عن الشعبي و الاسود بن میمون عن هارون بن قزعة به
و أنبأنا عبد المؤمن ایضا أنبأنا ابو نصر انا ابن عساكر انا علی ابن
ابراهیم الحسینی انا رشأ بن نظیف المقری انا الحسن بن اسماعیل
الفرات ثنا احمد بن مروان المالکی ثنا زکریا بن عبدالرحمن
البصری ثنا محمد بن الولید ثنا وکیع بن الجراح عن خالد و ابن عون
عن هارون ابن قزعة مولى حاطب عن حاطب رضی اللہ عنہ قال قال رسول
الله ﷺ : " مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي، وَمَنْ مَاتَ
فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْأَمِينِ "

اسی طرح یہ احمد بن مروان المالکی کی روایت میں آیا ہے۔

نویں حدیث:

مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ وَ زَارَ قَبْرِي وَ غَزَا غَزْوَةً وَ صَلَّى
عَلَيَّ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ يَسْأَلْهُ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ فِيمَا
افْتَرَضَ عَلَيْهِ

(رواه الحافظ ابو الفتح الازدی فی الثانی من فوائدہ.)

جس شخص نے فرض حج ادا کیا اور میری قبر مبارک کی زیارت کی اور
اس نے جہاد کیا اور بیت المقدس میں مجھ پر صلوٰۃ بھیجا تو اللہ تعالیٰ
اس سے دوسرے فرائض کے بارے میں سوال نہیں فرمائے گا۔

سند کا بیان:

أخبرنا به ابو النجم شهاب علی المحسنی قراءة علیه و انا اسمع
بالقراءة الصغرى فى سنة سبع وسبع مائة و ابو الفتح ابن ابراهيم بقراءة
تلى علیه سنة ثلاث و عشرين قال انا ابو محمد عبد الوهاب ابن ظافر
بن علی بن فتوح الازدى المعروف بابن رواج قال الاول سمعا و
قال الثانى اجازة قال انا الحافظ ابو طاهر بن احمد بن محمد بن
احمد ابن ابراهيم بن سلفه السلفى الاصبهانی قراءة علیه و انا اسمع
انا ابو طالب عبد القادر بن محمد بن يوسف ببغداد ثنا ابو اسحاق بن
ابراهيم بن عمر ابن احمد البرمكى انا ابو الفتح محمد بن الحسين
بن احمد الازدى الحافظ ثنا النعمان بن هارون بن ابى الدلهات ثنا ابو
سهل بدر بن عبد الله المصيصى ثنا الحسن بن عثمان الرمادى ثنا
عمار بن محمد حدثنى خالى سفيان عن منصور عن ابراهيم عن
علقمة عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ :
”مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ وَ زَارَ قَبْرِى وَ غَزَا غَزْوَةً وَ صَلَّى عَلَىِّ فِى بَيْتِ
الْمَقْدِسِ لَمْ يَسْأَلْهُ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ فِيمَا التَّرَضَّ عَلَيْهِ“

سند پر تبصرہ:

۱۔ اس سند میں عمار بن محمد ہیں جو سفیان ثوری کے بھانجے ہیں۔ ان سے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ حسن بن عثمان الرمادى، ان کے بارے میں خطیب نے کہا ہے کہ یہ ایک جلیل القدر عالم دین، اہل معرفت، بہت ثقہ اور امانت دار تھے۔ انہوں نے خلیفہ متوکل کے دور میں شریقہ کا منصب قضاء سنبالا۔ ان سے طلحہ ابن جعفر نے روایت کیا ہے۔ اور ان کو خطیب کے علاوہ دیگر نے بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بہت صالح بہت فہم و فراست والے انہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔

۳۔ ابو سہل بدر بن عبد اللہ الحمصی مجھے ان کے احوال کے بارے میں کچھ خبر نہیں ہوئی۔

۴۔ نعمان بن ہارون بن ابی الدھات، انہوں نے بغداد میں بہت سے لوگوں سے روایت کیا ہے اور ان سے محمد بن مظفر اور علی بن عمر السکری نے روایت کیا ہے۔

اور خطیب فرماتے ہیں۔ میں ان کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا۔

۵۔ ابوالفتح محمد بن الحسین بن احمد الازدی الموصلی، یہ اہل علم و فضل میں سے تھے۔ اور حافظ حدیث تھے اور انہوں نے علوم الحدیث میں ایک کتاب لکھی ہے جس کو خطیب بغدادی نے تاریخ میں اور ابن السمعانی نے الانساب میں ذکر کیا ہے۔

محمد بن جعفر بن علان نے ان کی تعریف کی ہے۔ اور ابوالنجیب الارموی نے کہا ہے کہ اہل موصل ان کی قدر دانی نہیں کرتے تھے اور ان کو کسی شمار میں نہیں لاتے تھے۔ اور جب برقانی سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ اور برقانی کے علاوہ دیگر نے ان کے بارے میں اس سے بھی سخت رائے دی ہے۔

دسویں حدیث

مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي وَ أَنَا حَيٌّ

جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

(رواہ ابو الفتح سعید بن محمد بن اسماعیل الیعقوبی فی جزء له فیہ فوائد مشتملة علی بعض فضائل سیدنا رسول اللہ ﷺ و آثاره و ما ورد فی فضل زیارته و درجۃ زواره)

سند کا بیان:

اس حدیث کو محدث اسماعیل بن عبد اللہ بن عبد الحسین الانصاری المالکی جو کہ ابن الانماطی کے نام سے مشہور ہیں نے اپنی حدیث کی کتاب ”جزء“ میں روایت کیا ہے اور

میں نے ان کے خط سے نقل کیا ہے۔ وہ یوں روایت کرتے ہیں: ہم کو ابو محمد عبداللہ بن علوان بن ہبہ اللہ بن ریحان الحوطی الکریتی الصوفی نے قراءۃ بیان کیا اور میں نے اس کو حرم شریف میں دکتہ الصوفیہ پر باب بنی شیبہ کی طرف کعبہ معظمہ میں سنا۔ اور اس کی سند یوں ہے۔

قال ثنا ابو الفتوح سعید بن محمد بن اسماعیل الیعقوبی فی ربيع الاول سنة اثنتين و خمسين و خمسمائة قال ثنا الامام ابن السمعانی ثنا ابو سعید احمد بن محمد بن احمد بن الحسن الحافظ املاء فی الروضة بین قبر النبی ﷺ و منبره فی الزورۃ الثانیۃ انا ابو الحسن احمد بن عبد الرحمن الذکوانی انا احمد بن موسی بن مردویه الحافظ ثنا الحسن ابن محمد السوسی ثنا احمد بن سهل بن ایوب ثنا خالد بن یزید ثنا عبد اللہ بن عمر العمری قال سمعت سعد المقبری يقول سمعت ابا هريرة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يقول قال رسول الله ﷺ : "مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي وَ اَنَا حَيٌّ، وَ مَنْ زَارَنِي كُنْتُ لَهُ شَهِيدًا وَ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

سند پر تبصرہ:

اس سند میں خالد بن یزید، اگر تو یہ العمری ہیں تو ان کے بارے میں ابن حبان نے کہا ہے کہ ان کی حدیث منکر ہوتی ہے۔

احمد بن سهل بن ایوب اھوازی، ان کے بارے میں الصریفی نے کہا ہے کہ یہ اھواز میں ترویہ کے دن ۲۹۱ھ میں وصال فرما گئے۔

گیارھویں حدیث :

مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا. أَوْ شَهِيدًا

جس شخص نے خلوص نیت سے مدینہ منورہ حاضر ہو کر میری زیارت کا شرف حاصل کیا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا (یہ کہا) اس کا گواہ ہوں گا۔

۱۔ البیہقی، شعب الایمان، ۳: ۴۹۰، رقم: ۴۱۵۷

۲۔ العسقلانی، تلخیص الجبر، ۲: ۲۶۷

۳۔ الہندی، کنز العمال، ۱۵: ۶۵۲، رقم: ۴۲۵۸۴

وفی رواية "مَنْ زَارَنِي مُحْتَسِبًا إِلَى الْمَدِينَةِ كَانَ فِي جَوَارِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ"

جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ منورہ میں میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میری ہمسائیگی میں ہوگا۔

سند کا بیان:

أَبَانَا الدَّمِيَّاطِيُّ وَ ابْنُ هَارُونَ وَ غَيْرُهُمَا قَالُوا أَبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ هَبَةَ اللَّهِ قَالَ أَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ الْحَافِظُ سَمَاعًا أَنَا زَاهِرٌ أَنَا الْبِيهَقِيُّ أَنَا أَبُو سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَمْرٍو (ح) قَالَ الْحَافِظُ وَ أَنَا أَبُو سَعِيدِ بْنِ الْبَغْدَادِيِّ أَنَا أَبُو نَصْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ شَبُوهٍ أَنَا أَبُو سَعِيدِ الصِّيرْفِيِّ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الصَّغَارِ ثَنَا ابْنُ أَبِي الدُّنْيَا حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ عُثْمَانَ الْجَرَجَانِيُّ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي فَدِيكَ أَخْبَرَنِي أَبُو الْمُثَنَّى سُلَيْمَانُ بْنُ يَزِيدَ الْعَكِّي وَ فِي حَدِيثِ زَاهِرٍ : الْعَتَكِيُّ، (ح) قَالَ الْحَافِظُ وَ أَنَا ابْنُ

السمرقندی انا بن مسعدة انا حمزة ثنا ابوبکر بن محمد احمد بن
اسماعيل بجرجان ثنا ابو عوانة موسى بن يوسف القطان ثنا عباد بن
موسی الختلی ثنا ابن ابی فدیك عن سليمان ابن یزید الكعبی عن انس
بن مالك رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ قال: "مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ
مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا وَ شَهِيدًا" وفي حديث عبادة: "كُنْتُ لَهُ شَهِيدًا
أَوْ شَفِيعًا" و قالوا "يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

اس حدیث کو محدث ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مثیر العزم الساکن" میں
ذکر کیا ہے اور میں نے مذکورہ سند کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے اس کی سند کے ساتھ جو ابن
ابی الدنیا رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان:

انا ابو عبد الله الحافظ ثنا علي بن عيسى ثنا احمد بن عبدوس بن
حمدويه الصفار النيسابوري ثنا ايوب بن الحسن ثنا محمد بن
اسماعيل بن ابی فديك بالمدينة ثنا سليمان بن یزید الكعبی عن انس
بن مالك رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: "مَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ
بُعِثَ مِنَ الْأَمِينِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ زَارَنِي مُحْتَسِبًا إِلَى الْمَدِينَةِ كَانَ فِي
جَوَارِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

سند پر تبصرہ:

یہ تینوں اسناد ابن ابی فدیك کے گرد گھومتی ہیں اور وہ مجمع علیہ ہے۔ اور سلیمان
بن یزید کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ ان کی
حدیث منکر ہوتی ہے قوی نہیں۔

بارہویں حدیث :

مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي لَهُ سِعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِي فَلَيْسَ لَهُ عُذْرٌ

میری امت میں سے جس کسی کے پاس گنجائش ہو مگر پھر بھی وہ میری زیارت نہ کرے تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں۔

حافظ ابو عبد اللہ محمد بن محمود ابن نجار اپنی کتاب ”الدرّة الثمينة فی فضائل المدينة“ میں بیان کرتے ہیں۔

أَبَانَا أَبُو مُحَمَّدٍ بَنِ عَلِيٍّ أَنَا أَبُو يَعْلَى الْأَزْدِيُّ أَنَا أَبُو إِسْحَاقَ الْبَجَلِيُّ أَنَا
سَعِيدُ بَنِ أَبِي سَعِيدٍ النَّيْسَابُورِيُّ أَنَا إِبْرَاهِيمُ بَنِ مُحَمَّدٍ الْمُؤَدَّبُ أَنَا
إِبْرَاهِيمُ بَنِ مُحَمَّدٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بَنِ مُحَمَّدٍ ثَنَا مُحَمَّدُ بَنِ مِقَاتِلٍ ثَنَا جَعْفَرُ ابْنِ
هَازُونَ ثَنَا سَمْعَانَ بَنِ الْمَهْدِيِّ عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ
”مَنْ زَارَنِي مِتًّا فَكَأَنَّمَا زَارَنِي حَيًّا وَمَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي
يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي لَهُ سِعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِي فَلَيْسَ لَهُ عُذْرٌ“

جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اور جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہو گئی۔ میری امت میں سے جس کسی کے پاس گنجائش ہو مگر پھر بھی وہ میری زیارت نہ کرے تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں۔

تیرہویں حدیث:

مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ حَتَّى يَنْتَهِيَ إِلَى قَبْرِى كُنْتُ لَهُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ شَهِيدًا اَوْ قَالَ شَفِيعًا

جس شخص نے میری زیارت کی حتیٰ کہ میری قبر پر پہنچا میں قیامت
کے دن اس کو گواہ ہوں گا یا اس کا شفیع ہوں گا۔

(اس حدیث کو حافظ ابو جعفر عقیلی نے ”کتاب الضعفاء“ میں ذکر کیا ہے۔)

سند کا بیان:

قال : ثنا سعيد بن محمد الحضرمي ثنا فضلة بن سعيد بن زميل
المازني ثنا محمد بن يحيى المازني عن ابن جريج عن عطاء عن ابن
عباس الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ ” مَنْ زَارَنِي فِي مَمَاتِي كَانَ
كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَ مَنْ زَارَنِي حَتَّى يَنْتَهِيَ إِلَى قَبْرِى كُنْتُ لَهُ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ شَهِيدًا اَوْ قَالَ شَفِيعًا “

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان:

أبَانَا به ابو محمد الدمياطى عن ابن هبة الله بسماعه منه انا ابو
البركات عبد الوهاب بن المبارك الانماطى انا ابوبكر محمد بن
المظفر الشامي انا ابو الحسن احمد ابن محمد العتيقى انا يعقوب بن
يوسف بن احمد الصيدلانى ثنا ابو جعفر محمد بن عمرو العقبلى.

آگے انہوں نے اپنی سند بیان کی ہے مگر متن میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔
” مَنْ زَارَنِي فِي الْمَنَامِ كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي اور باقی حدیث اسی طرح ہے۔

سند پر تبصرہ:

اس سند میں شعیب بن محمد الحضرمی ہیں اور شاید اس سند میں تھیف ہے۔ اور فضالہ بن سعید، ان کے بارے میں عقیلی نے کہا ہے کہ ان کی حدیث محفوظ نہیں۔ اور محمد بن یحییٰ المازنی، ان کو ابن عدی نے الکامل میں ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ان کی احادیث تاریک اور منکر ہیں۔ اور ابن عدی نے اس حدیث کو اپنی احادیث میں ذکر نہیں کیا۔ اور ان کے بارے میں کچھ تبصرہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی عقیلی نے فضالہ کے بارے میں کچھ کہا ہے سوائے یہ کہ راوی متفرد ہیں اور ان کی احادیث منکر ہیں۔

چودھویں حدیث:

مَنْ لَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي

جس نے میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ ظلم کیا

حدیث کی سند کا بیان:

قال ابو الحسين يحيى بن الحسن بن جعفر الحسنی فی کتاب "أخبار المدينة" ثنا محمد بن اسماعيل حدثني ابو احمد الهمداني ثنا النعمان بن شبل ثنا محمد بن الفضل مدینی سنة ست و سبعين عن جابر عن محمد بن علي عن علي رضي الله عنه أنه قال قال رسول الله ﷺ " مَنْ زَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَ مَنْ لَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي "

(جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ ظلم کیا۔)

و قال الحافظ ابو عبدالله ابن النجار فی "الدرة الثمينة": روى عن

علی رضی اللہ عنہ اُنه قال قال رسول اللہ ﷺ "مَنْ لَمْ يَزُرْ قَبْرِي فَقَدْ جَفَانِي"

(جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ ظلم کیا۔)

ابوسعید عبدالملک بن محمد بن ابراہیم نیشاپوری خرکوشی واعظ اپنی کتاب "شرف المصطفیٰ ﷺ" میں بیان کرتے ہیں۔

روی عن علی رضی اللہ عنہ اُنه قال قال نبی اللہ ﷺ "مَنْ زَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي

فَكَاَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي وَمَنْ لَمْ يَزُرْ قَبْرِي فَقَدْ جَفَانِي"

(جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری

زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی اس نے

میرے ساتھ ظلم کیا۔)

کتاب "شرف المصطفیٰ ﷺ" آٹھ جلدوں میں ہے اور اس کے مصنف

عبدالملک نیشاپوری ہیں جنہوں نے علوم شریعہ میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں ان کا وصال ۴۰۶ھ میں نیشاپور میں ہوا۔ وہاں ان کی قبر مشہور ہے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں اور اس سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ ان کے فقہ میں استاذ شیخ ابوالحسن الماسرجسی ہیں اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک اور سند سے بھی بیان کی ہے۔ اس کی ابن عساکر نے تخریج کی ہے۔

أَبَانَا عَبْدالمؤمن و آخرون عن ابن الشیرازی انا ابن عساکر انا ابو

العز احمد بن عبید اللہ انا ابو محمد الجوہری انا علی بن محمد بن

احمد بن نصیر بن عرفة ثنا محمد بن ابراہیم الصلحی ثنا منصور بن

قدامة الواسطی ثنا المصطفیٰ ابن ابی الجارود ثنا عبدالملک بن ہارون

بن عنترۃ عن ابیہ عن جدہ عن علی بن ابی طالب قال: " من سأل

لرسول اللہ ﷺ الدرجة الوسيلة حلت له شفاعتي يوم القيامة و من

زار قبر رسول اللہ ﷺ كان في جوار رسول اللہ ﷺ ."

عبدالملک بن ہارون بن عمرہ پر بہت جرح کی گئی ہے۔ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مجروح قرار دیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حدیث کو منکر قرار دیا اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

پندرہویں حدیث:

مَنْ أَتَى الْمَدِينَةَ زَائِرًا لِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ
وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ آمِنًا.

جو شخص مدینہ منورہ میں میری زیارت کے لیے حاضر ہوا قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی اور جو شخص دونوں حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن محفوظ و مامون اٹھایا جائے گا۔

حدیث کی سند کا بیان

امام یحییٰ الحسینی کتاب ”اخیار المدینہ فی ما جاء فی زیارة قبر النبی ﷺ و فی السلام علیہ“ میں اس سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

ثنا محمد ابن یعقوب ثنا عبد اللہ بن وہب عن رجل عن بكر بن عبد الله
عن النبي ﷺ قال ” مَنْ أَتَى الْمَدِينَةَ زَائِرًا لِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ
الْقِيَامَةِ وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ آمِنًا“

جو شخص مدینہ منورہ میں میری زیارت کے لیے حاضر ہوا قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی اور جو شخص دونوں حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہو گیا وہ قیامت کے دن محفوظ و مامون اٹھایا جائے گا۔

اس طرح کی اور احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ ”جس شخص کے لیے یہ ممکن نہ ہو کہ وہ میری قبر کی زیارت کرے اسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کرنی چاہیے۔“ ان روایات کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ”انبیائے کرام و صالحین کی قبور کی زیارت“ کے ذیل میں بیان کریں گے۔



دوسرا باب

اُن احادیث کا بیان جن میں
لفظ زیارت نہیں لیکن وہ زیارت کی
فضیلت پر دلالت کرتی ہیں

سنن ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ ص سے یہ مروی ہے:

ما من أحد یسلم علی الا ردّ الله علی روحی حتی أردّ علیہ السلام۔

”جب مجھے کوئی سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے میری روح کو میری طرف لوٹا دیا

ہوا ہے تاکہ میں اُس کے سلام کا جواب دوں۔“

حدیث کی سند کا بیان

انا بذلك و بجمع سنن ابی داود شیخنا الحافظ ابو محمد الدمیاطی
بقراءتی علیہ لبعضها و قراءۃ علیہ و انا اسمع لباقیها قال انا بجمعها
ابو الحسن ابن ابی عبداللہ بن ابی الحسن البغدادی قراءۃ علیہ و انا
اسمع عن ابی المعالی الفضل بن سہل بن بشر الاسفراہنی عن الخطیب
ابی بکر احمد بن علی بن ثابت الحافظ قال شیخنا و انا ایضا۔
ابو الحسن عن الحافظ ابی الفضل محمد بن ناصر بن محمد بن علی
الفارسی الاصل السلامی قال اخبر الشیخان ابو عبداللہ محمد بن
احمد بن عمر بن السمرقندی المقری و العدل الفقیہ ابو الحسن
محمد بن محمد بن الحسن بن محمد الفراء الحنبلی قال انا
الخطیب و فات ابن السمرقندی الجزء السابع و العشرون فرواه عن
الخطیب بالاجازۃ۔ قال ابن ناصر و قرأت هذا الكتاب مرارا علی
الشیخ الصالح ابی غالب محمد بن الحسن بن علی البصری الماوردی
قال انا ابو علی بن احمد بن علی التستری قال انا ابو عمر القاسم
بن جعفر ابن عبدالواحد الهاشمی انا ابو علی محمد بن احمد بن
عمرو اللؤلؤی ثنا ابوداود سلیمان بن الاشعث بن اسحاق السجستانی
قال لنا محمد بن عوف ثنا المقریء ثنا حیوة عن ابی صخر حمید بن
زیاد عن یزید بن عبداللہ بن قسیط عن ابی ہریرۃ فذكره بلفظه۔

سند پر تبصرہ:

یہ اسناد صحیح ہے۔ اور اس میں رواۃ کا حال یہ ہے۔

۱۔ محمد بن عوف: یہ امام ابو داود رحمہ اللہ تعالیٰ کے شیخ جلیل اور حافظ ہیں۔ ان کا اعتبار کیا جاتا ہے (لا یسئل عنہ)

۲۔ المقری ۲۔ حیوۃ ۳۔ اور یزید بن عبد اللہ بن قسیط یہ ”متفق علیہم“ ہیں۔

حمید بن زیاد کے بارے میں آراء:

۱۔ ان سے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

۲۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے: لیس بہ بأس۔ اور یہی رائے امام ابو حاتم کی ہے۔

۳۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے: ثقہ لیس بہ بأس۔ ابن معین سے روایت کی گئی ہے کہ یہ ان کو ”ضعیف“ کہتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجنے کی صورتیں:

حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک کا مقصد تو دعا ہے جیسے کہ ہم کہتے ہیں: ”صلی اللہ علیہ وسلم“ (اے اللہ تعالیٰ! حضور نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام نازل فرما۔) یہ تو دعا ہے۔ سلام بھیجنے والے کو مسلم اور صلوٰۃ بھیجنے والے کو مصلن کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا [الاحزاب: ۵۶]

اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی اکرم پر۔ اے ایمان والو! رحمت بھیجو آپ پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔

صحیحین کی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے پس آپ پر صلوٰۃ کیسے بھیجیں؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

قُولُوا: " اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اور فرمایا: سلام تو وہی ہے جو تم جانتے ہو۔"

علمائے کرام نے کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سلام کا طریقہ وہی ہے جو التحیات میں بتایا گیا ہے۔ یعنی " السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللَّهِ وَ بَرَكَاتُهُ " صلوٰۃ و سلام کی اس قسم میں بہت سی روایتوں میں علی محمد کی بجائے علی رسول اللہ کا لفظ منقول ہے۔ اس سلسلے میں حضرت فاطمہ اللہ عنہا سے روایت ہے۔

روى عن فاطمة بنت النبی ﷺ ورضی اللہ عنہا قالت قال لی رسول اللہ ﷺ: " اِذَا دَخَلْتَ الْمَسْجِدَ فَقُولِي بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَ اغْفِرْ لَنَا وَ سَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، فَاِذَا فَرَغْتَ فَقُولِيْ مِثْلَ ذَلِكَ غَيْرَ اَنْ قُولِيْ وَ سَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ فَضْلِكَ " (رواہ القاضي اسماعیل بهذا اللفظ)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تو مسجد میں داخل ہو تو اس طرح کہہ " بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَ اغْفِرْ لَنَا وَ سَهِّلْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ " اور جب تو نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلے تو بھی یہی کہا کر اور سہل لنا ابواب رحمتك کی بجائے سہل لنا ابواب فضلك کہا کر۔ " قاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

و عن فاطمة رضى الله عنها قالت: " كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَقُولُ بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ "

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو اس طرح فرماتے " بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ " اور جب نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلتے تو بِسْمِ اللَّهِ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ " اس حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کی یہ قسم خطاب (الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ) اور غیبت (الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ) کے الفاظ کے ساتھ آئی ہے اور اس قسم میں اسی طرح صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے۔ خواہ پڑھنے والا دربار نبوی سے غائب ہو یا دربار میں حاضر ہو اور صلوٰۃ و سلام کی یہی قسم ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے کسی غیر کے لئے صرف جعاً استعمال کی جاسکتی ہے۔

سلام کی دوسری قسم:

اس سے مراد یہ ہے کہ سلام اس طرح کیا جاتا ہے جس طرح کوئی آنے والا آپ ﷺ کی بارگاہ میں سلام کرتا ہے۔ اور یہ سلام حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں اور بعد از وصال ایک ہی طرح سے ہے اور یہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ بالتبع عام مسلمان بھی باہم کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر مبارک کے پاس پہنچتے تو یوں عرض کرتے:

" السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا

اتاہ "

اور یہ بھی دونوں طریقوں سے آپ سے مروی ہے۔ خطاب کے لفظ کے ساتھ بھی اور غائب کے لفظ سے بھی۔ سلام کی اس قسم کا تقاضا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی جانب سے اس کا جواب بھی ہو اور حضور نبی اکرم ﷺ یقیناً اس کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ خواہ سلام کرنے والا خود قبر شریف کے پاس پہنچا ضر ہو یا اس نے کسی قاصد کے ذریعہ سلام بھجوایا ہو جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ شام سے قاصد روانہ کیا کرتے تھے تاکہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں اُن کا سلام پہنچا دے۔ دوسری قسم کے سلام میں سلام کرنے والے کو یقیناً جواب ملنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

پہلی قسم میں یہ شرف حاصل ہوتا ہے یا نہیں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے اس صورت میں بھی جواب ملتا ہو۔ تاکہ مسلمانوں کو جواب کی برکت ہر حالت میں حاصل ہو جایا کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص دربار نبوی میں حاضر ہوا ہے اُس کو یقیناً قرب کی فضیلت مزید حاصل ہوتی ہے اور اگر جواب کا ملنا صرف سوال کی دوسری قسم کے ساتھ خاص ہے تو وہ شخص جو دربار میں حاضر نہیں ہے اُس کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو اس فضیلت سے محروم نہ کرے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

أَتَانِي مَلِكٌ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ رَبُّكَ يَقُولُ "أَمَّا يُرْضِيكَ أَنْ لَا يُصَلِّيَ عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا"
(رواہ القاضی اسماعیل)

حضور اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ”میرے پاس فرشتہ آیا اور عرض کیا۔ اے محمد! آپ کا رب فرماتا ہے کہ کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ جو آپ پر ایک بار صلوٰۃ بھیجتا ہے اُس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہوں اور جو تمہیں ایک بار سلام کرتا ہے میں اُس پر دس بار سلام بھیجتا ہوں؟“ صاف ظاہر اس حدیث کا تعلق سلام کی قسم اول سے ہے۔

فصل:

جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجتا ہے آپ ﷺ کو

اس کا علم ہو جاتا ہے

روی عن عبد الله بن مسعود رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً
مَبَايِحِينَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونَنِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ"

حضرت ابن مسعود رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ
ﷺ نے فرمایا: کچھ فرشتے روئے زمین پر گھومتے پھرتے ہیں جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے
وہ اُس کو میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔

اس کو امام نسائی اور قاضی اسماعیل رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔ اور ان دو
کے علاوہ دیگر نے بھی روایت کیا ہے اور یہ اسانید صحیحہ ہیں۔ اور اس کی سند اس طرح
ہے۔ سفیان ثوری عن عبد الله بن السائب هكذافي كتاب القاضي اسماعيل و
عبد الله بن السائب و زاذان .

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے روایت کیا ہے۔ اور ان کو امام ابن
معین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ پس یہ سند صحیح ہے۔

اسی طرح کی ایک روایت حضرت علی رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سے بھی منقول ہے۔

رواه ابو جعفر محمد بن الحسن الاسدي عن سفیان الثوري عن
عبد الله بن السائب عن زاذان عن علي رضي الله عنه عن النبي ﷺ :
"إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً يَسْبُحُونَ فِي الْأَرْضِ يُبَلِّغُونَ صَلَاةَ مَنْ صَلَّى عَلَى
مِنْ أُمَّتِي"

حضرت ابن مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت اس طرح ہے۔

قال الدارقطني المحفوظ عن زاذان عن ابن مسعود "يُبلغوني عن أمتي السلام"

حضرت ابن مسعود رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت میں الفاظ اس طرح ہیں۔ "مجھے میرے امت سے سلام پہنچاتے ہیں۔"

بکر ابن عبد اللہ المزنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُونَ وَ يُحَدِّثُ لَكُمْ فَإِذَا مِتُّ كَانَتْ وَفَاتِي خَيْرًا لَّكُمْ تُعَرِّضُ عَلَيَّ أَعْمَالَكُمْ فَإِنْ رَأَيْتُ خَيْرًا حَمِدْتُ اللَّهَ وَإِنْ رَأَيْتُ غَيْرَ ذَلِكَ اسْتَغْفَرْتُ اللَّهَ لَكُمْ"

"میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے تم مجھ سے اور میں تم سے باتیں کرتا ہوں۔ اور جب میری وصال ہو جائے گا تو میرا وصال تمہارے لئے بہتر ہو گا۔ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے اگر میں خیر دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور اگر برائی دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ سے تمہاری مغفرت چاہوں گا۔"

قال ايوب السخيتاني: "بلغني والله أعلم ان ملكا موثق بكل من صلى على النبي ﷺ حتى يبلغه النبي ﷺ".

ایوب سختیانی نے فرمایا: مجھ تک یہ بات پہنچی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور وہ بات یہ ہے کہ ہر اس شخص پر جو حضور نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجتا ہے ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جو درود کو حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچا دیتا ہے۔

قاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب "فضل الصلوة علی النبی ﷺ" میں روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"لا تجعلوا بيوتكم قبورا و صلوا علي و سلموا حيث كنتم فسيلغني سلامكم و صلاحكم" (رواه ابو داود)

”اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود و سلام بھیجا کرو۔
وہ تمہارا درود و سلام مجھ تک پہنچ جائے گا۔“

ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے مختلف سندوں سے یہ حدیث بیان کی ہے۔
حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

” ان الله أعطاني ملكا من الملائكة يقوم على قبري اذا أنا مت فلا
يصلني على عبد صلاة الا قال يا أحمد ! فلان بن فلان بن فلان يصلني
عليك ، يسميه باسمه و اسم ابيه فيصلني الله عليه مكانها عشرة“

”اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک فرشتہ عطا فرمایا ہے جو میری قبر پر میرے مرنے کے
بعد حاضر رہے گا اور جو بھی مجھ پر درود بھیجے گا وہ مجھ سے کہے گا اے احمد مجتبیٰ! آپ پر
فلاں ابن فلاں نے درود بھیجا ہے۔ وہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ
اُس شخص پر دس بار رحمتیں نازل فرمائے گا۔“

ایک اور روایت میں الفاظ اس طرح ہیں۔

” ان الله اعطى ملكا من الملائكة اسماء الخلائق و فى رواية اسماع
الخلائق فهو قائم بلى قبري الى يوم القيامة.“

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ میں سے ایک کو تمام مخلوقات کے نام دے دیے ہوئے ہیں
پس وہ قیامت تک میری قبر کے ساتھ لگ کر کھڑا ہے (تاکہ سلام عرض کرنے والوں کے
نام لکھتا رہے۔)

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول:

و عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: ” ليس أحد من أمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم
يصلني عليه صلاة الا و هي تبلغه يقول له الملك فلان يصلني عليك كذا
و كذا صلاة“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی امت میں سے جو کوئی بھی آپ پر درود بھیجتا ہے تو وہ آپ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔ ایک فرشتہ حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کرتا ہے کہ فلاں نے آپ پر اتنی بار درود بھیجا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے حضور نبی اکرم ﷺ کو خبر پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ درود بھیجنے والے کا درود حضور نبی اکرم ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے۔

جمعہ کے دن صلاۃ و سلام کی اہمیت:

اوس ابن اوس کی روایت سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابوداؤد میں منقول ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”ان من افضل ایامکم یوم الجمعة فاکثروا علی من الصلاۃ فیہ فان صلاتکم معروضۃ علی، قال فقالوا یا رسول اللہ و کیف تعرض صلاتنا علیک و قد ارمیت؟ قال یقولون ہلیت، قال ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء“

”تمہارے دنوں میں سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے۔ اس میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ اس لئے کہ تمہارے درود میرے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ ہم نے عرض کیا کیا ہمارے درود آپ پر کس طرح پیش ہوں گے، آپ تو مٹی بن چکے ہوں گے؟ (آپ کا جسم مٹی ہو چکا ہوگا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جسم کھائے۔“

حدیث کی سند:

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث مذکور کو ایک اور سند سے بیان کیا ہے جس کو انہوں نے کتاب الجنائز کے آخر میں بیان کیا ہے۔ اور اس کے متن

میں الفاظ کی زیادتی ہے۔

انا اقضى القضاة ابوبکر محمد بن عبدعظیم بن علی الشافعی المعروف بابن السقطی بقراءتی علیہ بجميع سنن ابن ماجه قال انا ابوبکر عبدالعزیز ابن احمد ابی الفتح بن یاقا اجازة قال انا ابو زرعة طاهر بن محمد طاهر المقدسی سماعا الا ما عین فی الکتاب باجازته من ابی زرعة و هذا الحدیث من المسموع ، قال انا ابو منصور محمد بن الحسین ابن احمد بن الهیثم المقومی اجازة ان لم یکن سماعا۔ ثم ظهر سماعه منه ۔ انا ابو طلحة القاسم بن ابی المنذر الخطیب انا ابو القاسم علی بن ابراهیم بن سلمة بن بحر القطان ثنا ابو عبدالله محمد بن یزید بن ماجه ثنا عمرو بن سوار المقرئ ثنا عبدالله بن وهب عن عمرو بن الحارث عن سعید بن ابی هلال عن زید ابن ایمن عن عبادة بن نسی عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : " اکثروا الصلاة علیّ یوم الجمعة فانه مشهود تشهدہ الملائكة و ان احدا لن یصلی علیّ الا عرضت علیّ صلاته حتی یفرغ منها قال قلت: بعد الموت؟ قال و بعد الموت ، ان الله حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء علیہم السلام فنبی الله حی یرزق "

یہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں اور اس میں " حتی یفرغ منها " کے الفاظ کا اضافہ ہے۔ اور حتی کے لفظ کا فائدہ یہ ہے کہ یہ درود شریف بغیر کسی تاخیر کے فوری پیش کر دیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث مرسل کے الفاظ یہ ہیں۔

عن الحسن عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم : " اکثروا علیّ الصلاة یوم الجمعة فانها تعرض علیّ "

قاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے حسن کے واسطے سے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ کہ ”مجھ پر جمعہ کے دن کثرت کے ساتھ درود بھیجا کرو کیونکہ وہ مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔“

اسی طرح امام ابوبکر احمد بن محمد اسحاق بن انس نے کتاب عمل یوم و لیلہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: ”اکثروا الصلاة علی یوم الجمعة“

اس حدیث کی سند پر بحث کرنے کے بعد امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی جس کی سند کو عمدہ قرار دیا گیا ہے اُس کے الفاظ ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”اکثروا علی من الصلاة فی کل یوم الجمعة فان صلاة امتی تعرض علی فی کل یوم بجمعة فمن کان اکثرهم علی صلاة کان اقربهم منی منزلة“

”ہر جمعہ کو میرے اُد پر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ ہر جمعہ کو میری اُمت کے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، جس کے درود زیادہ ہوں گے وہ قیامت کے دن مجھ سے زیادہ قریب ہوگا۔“

یزید الرقاشی کی روایت ہے کہ ایک فرشتہ جمعہ کے دن اس بات کا ذمہ دار بتایا جاتا ہے کہ درود بھیجنے والا کا درود حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچائے اور کہے کہ آپ کی اُمت کے فلاں شخص نے آپ ﷺ پر درود بھیجا ہے۔

حضرت ابو طلحہ کی ایک روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

عن ابی طلحة رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: ”اتانی جبرئیل ﷺ قال بشر امتک، من صلی علیک صلاة کتب اللہ له بها عشر حسنات

و کفر عنه بها عشر مینات و رفع له بها عشر درجات و رآه الله علیه
مثل قوله و عرضت علی یوم القيامة“ (رواه ابن عساکر)

”میرے پاس جبریل آئے اور کہا کہ اپنی اُمت کو آپ خوشخبری دیدیں کہ اُن
میں سے جو کوئی آپ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتا
ہے اور دس گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے اور اُس کے دس رُتبے زیادہ کر دیتا ہے اور اُس کا
درود مجھ پر قیامت کے دن پیش ہوگا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض احادیث میں حضور نبی اکرم ﷺ پر درود پیش ہونے کا وقت وہی بیان کیا
گیا ہے جس وقت درود بھیجنے والے نے درود بھیجا ہے اور بعض احادیث میں جمعہ کے دن کا
وقت قرار دیا گیا ہے اور کچھ احادیث میں مذکور ہے کہ درود قیامت کے روز حضور نبی اکرم
ﷺ پر پیش کئے جائیں گے۔ ان احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لئے کہ درود بار بار
پیش کئے جاتے ہیں۔ درود بھیجنے کے ساتھ ہی وہ درود پیش کر دیا جاتا ہے پھر جمعہ کے دن،
اور اسی طرح قیامت کے دن بھی آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی احادیث صراحۃً بیان کرتی
ہیں کہ ہر وہ شخص جو آپ ﷺ پر سلام پیش کرتا ہے وہ آپ تک پہنچتا ہے۔ اور وہ دونوں
احادیث صحیح ہیں۔ اور حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس طرح کی دیگر احادیث یہ
بتلاتی ہیں کہ آپ ﷺ کے وصال فرمانے سے درود کے پہنچنے میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور
ان تمام احادیث کو ہمارا بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم یہ واضح کریں کہ درود پاک آپ پر
پیش کیا جاتا ہے۔ اور ملائکہ کا آپ کی بارگاہ میں درود پیش کرنا یہ صاف ظاہر ہے اس شخص
کے حوالے سے ہے جو حاضر نہ ہو اور رہا اس شخص کا معاملہ جو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر
درود پاک پیش کر رہا ہے تو کیا اس کا درود بھی ملائکہ کے ذریعہ حض نبی اکرم ﷺ پر درود کا
پیش ہوتا ہے یا آپ براہ راست اس کو سماعت فرماتے ہیں، اس سلسلہ میں دو حدیثیں مذکور

ہیں۔ ایک حدیث تو یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من صلی علی عند قبری سمعته و من صلی علی نائیا بلغته ، و فی روایة

نائیا منه أبلغت؟ و فی روایة نائیا من قبری ، و فی روایة عن قبری

”جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اُس کو سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔“

الحديث الثاني:

ما من عبد یسلم علی عند قبری الا وکل بها ملک لیلغنی و کفی امر

آخرته و دنیاہ و کنت له شهيدا و شفيعا یوم القيامة.

”جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر سلام پیش کرتا ہے، اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے تاکہ مجھے وہ سلام پہنچائے اور یہ بات اُس کی دُنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے کافی ہے۔ اور میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا۔“

و فی روایة: ” من صلی علی عند قبری و کل الله بها ملکا یلغنی و

کفی امر دنیاہ و آخرته و کنت له شهيدا و شفيعا یوم القيامة.“

دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں۔ ”جو مسلمان میری قبر پر آکر درود پیش کرتا ہے اُس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ درود مجھ تک پہنچا دے اور یہ بات اُس کی دُنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے کافی ہے اور میں قیامت کے روز اُس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا۔“

یہ دونوں احادیث محمد بن مروان السدی الصغیر سے مروی ہیں اور وہ ضعیف ہیں اگر ان کی سند اس واسطے سے ہو ”عن الاعمش عن أبی صالح عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ“

اور یہی پہلی حدیث جس میں یہ مذکور ہے کہ قریب آکر درود پیش کرنے والے کے درود کو میں براہ راست سُنتا ہوں۔“ اس حدیث کی سند اس طرح ہے۔

احمد بن علی الحبرانی و یوسف بن الضحاک الفقیہ و محمد بن عثمان ابن ابی شیبہ و احمد بن ابراہیم بن ملحان و عیسیٰ بن عبد اللہ الطیالسی و لیث بن نصر الصاغانی و الحسین بن عمر بن ابراہیم الثقفی کلہم عن العلاء بن عمرو الحنفی عن محمد بن مروان السدی اور دوسری حدیث کی سند اس طرح ہے۔

رواہ محمد بن عبد اللہ بن ابراہیم الشافعی و ابو الحسین احمد بن عثمان الآدمی و ابو عبد اللہ الصفار و محمد بن عمر ابن حفص النیسابوری کلہم عن محمد بن یونس بن موسیٰ الکدیمی، و فی بعض هذا عن محمد بن موسیٰ نسبة الی جدہ عن الاصمعی عبد الملک ابن قریب عن محمد بن مروان السدی عن الاعمش

اور حدیث پہلی سے زیادہ ضعیف ہے کیونکہ اس میں الکدیمی کا ضعف السدی کے ساتھ مل گیا ہے۔ اور پہلی حدیث میں سدی جو کہ اضعف ہیں وہ نہیں ہیں۔

اب ہم وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ جو شخص قبر کے پاس آکر سلام کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اُس کو براہ راست سنتے ہیں اور اُس کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اُس شخص کی حاضری حضور نبی اکرم ﷺ کے علم میں ہوتی ہے اور یہ اتنی بڑی فضیلت ہے کہ اُس کے حاصل کرنے کے لئے دنیا کی دولتیں لٹائی جاسکتی ہیں۔

سلیمان بن تحیم کا خواب:

سلیمان ابن تحیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ لوگ قبر کے پاس آکر آپ ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کرتے ہیں کیا آپ کو اُن کے سلام کا علم ہوتا ہے؟ حضور نبی اکرم نے فرمایا: بیشک۔ اور میں اُن کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ابراہیم بن بشار کا واقعہ:

حضرت ابراہیم ابن بشار رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ میں نے ایک بار حج کیا مدینہ منورہ پہنچا تو حضور ﷺ کی قبر کے پاس پہنچ کر میں نے سلام عرض کیا اور میں نے حجرہ کے اندر سے ولیم السلام کی آواز سنی۔

”ردۃ اللہ روحی“ کا معنی:

بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتے ہیں۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی تو یہ ہیں۔ حافظ ابو بکر البیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد دوبارہ حضور نبی اکرم ﷺ کے جسد اطہر میں روح لوٹا دی گئی ہے تاکہ آپ ﷺ سلام کرنے والوں کا جواب دے سکیں اور اب وہ روح مستقلاً حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم مبارک میں ہے۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک جناب باری تعالیٰ میں مشغول رہتی ہے اور ملائعہ اعلیٰ کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ جب کوئی سلام کرتا ہے تو روح مبارکہ سلام پیش کرنے والے کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس سلام کو سننے کے بعد اس کا جواب دیتی ہے۔



تیسرا باب

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی
زیارت کے لیے سفر کرنا اور اس بارے میں
وارد ہونے والی احادیث مبارکہ کا بیان

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے زیارت قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت سے سفر ثابت ہے اُن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ وہ محض قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے شام سے چل کر مدینہ منورہ آئے۔

حافظ ابو القاسم ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح سند کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے اور عبد الغنی مقدسی نے ”الکمال“ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں کہا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کبھی کسی کے لیے آذان نہیں دی، سوائے اس سفر کے جو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لئے شام سے مدینہ تک کیا تھا۔ اور پھر جب مدینہ پہنچے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اصرار پر انہوں نے آذان دینی شروع کی، لیکن آذان پوری نہ کر سکے۔ اور کہا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آذان دی تھی۔

ابن عساکر کی سند کا بیان:

أنا عبد المؤمن بن خلف ع علي بن محمد بن هارون و غيرهما
قالوا ان القاضي ابو نصر بن هبة الله بن محمد بن ميميل الشيرازي
اذنا ان الحافظ ابو القاسم علي بن الحسين بن هبة الله بن عساكر
الدمشقي قراءه عليه وانا اسمع قال انا ابو القاسم زاهر بن طاهر قال
انا ابو سعيد محمد بن عبد الرحمن قال انا ابو احمد محمد بن
محمد انا ابو الحسن محمد بن سليمان بن بلال بن ابي الدرداء
حدثني ابي محمد بن سليمان عن ابيه سليمان بن بلال عن ام الدرداء
عن ابي الدرداء قال لما دخل عمر بن الخطاب رضي الله عنه من فتح بيت
المقدس..... فزوجوهما.

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فتح بیت

المقدس کے بعد روانہ ہوئے اور جابیہ کی طرف گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ انہیں شام میں ہی رہنے کی اجازت دے دیں۔ پس انہوں نے اجازت دے دی۔ پھر انہوں نے کہا اور میرے بھائی ابو ریحہ رضی اللہ عنہ جن کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ نے میری مَوَاحَات کرائی تھی۔ پس آپ اور آپ کے بھائی دونوں شہر خولان میں قیام پذیر ہو گئے۔ پھر وہ دونوں خولان کے لوگوں کے پاس گئے اور انہیں کہنے لگے: ہم تمہارے پاس نکاح کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ ہم کافر تھے پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی اور ہم غلام تھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزاد فرمایا اور ہم دونوں مفلس تھے پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں غنی کر دیا۔ پس اگر تم ہمیں رشتہ دے دو تو الحمد للہ اور اگر تم ہمیں واپس لوٹا دو تو ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ پس ان لوگوں نے ان کا نکاح کروا دیا۔

ایک روز حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: اے بلال! یہ کیا ظلم و جفا ہے، کیا یہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کے لئے آؤ؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہوئے تو ان پر بہت خوف اور رنج طاری تھا فوراً شام سے مدینہ طیبہ کیلئے روانہ ہو گئے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر پہنچ کر رونا اور اس پر چہرے کو رگڑنا شروع کر دیا۔ اتنے میں حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما آ گئے ان کو دیکھ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کو سینے سے چمٹا لیا اور پیار کرنا شروع کر دیا اُن دونوں نے کہا اے بلال! ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمیں وہ اذان سناؤ، جو آپ ہمارے نانا جان کے لئے دیا کرتے تھے۔ اس پر وہ آذان دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ مسجد نبوی کی چھت پر اُس جگہ پہنچے جہاں کھڑے ہو کر وہ آذان دیا کرتے تھے۔ آذان کے شروع میں اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تھا کہ مدینہ میں بھونچال آ گیا جب اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ کہا بھونچال اور بڑھ گیا۔ جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللہ کہا تو بچے اور عورتیں روتے پینتے گھروں سے باہر نکل آئے اور ان کو یہ کہنے لگے کہ کیا حضور اکرم ﷺ کی دوبارہ تشریف آوری ہو گئی ہے؟ آپ ﷺ کے وصال کے دن کے علاوہ مدینہ میں اس دن سے زیادہ آہ و بکا نہیں سنی تھی۔

ابن عساکر نے اس روایت کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حالات میں ذکر کیا ہے۔

حضرت ابو رومہؓ ان کا نام عبد اللہ بن عبد الرحمن الخثمی ہے۔ اور طبقات میں ہے کہ ان کی حضرت بلالؓ سے مواخات کو محمد بن عمر نے ثابت نہیں کیا مگر ابن اسحاق وغیرہ نے اس کو ثابت کیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر پر استدلال محض خواب کی بات سے نہیں ہے بلکہ حضرت بلالؓ صحابی رسول کے عمل سے ہے۔ خصوصاً جبکہ ان کا یہ عمل حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں اور بکثرت صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ہوا ہے۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ سارا قصہ اور حضرت بلالؓ کا خواب ان سے مخفی رہا ہو۔ نیز جبکہ یہ ثابت ہے کہ شیطان حضور نبی اکرم ﷺ کے بھیس میں کسی کے خواب میں نہیں آ سکتا ہے اور یہ خواب جو کسی شرعی حکم کے خلاف بھی نہیں ہے حضرت بلالؓ کے فعل کا مؤکد ہے یہ بات بھی مشہور ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ شام سے مدینہ کو اپنا قاصد روانہ کیا کرتے تھے تاکہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر پہنچ کر ان کا سلام پیش کرے۔

امام ابو بکر احمد بن عمرو بن ابی عامر نے فرمایا۔ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں حضرت بلالؓ کا سفر شام سے اور تابعین کے زمانہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے قاصد کا سفر محض زیارت قبر نبی ﷺ اور سلام کے لئے تھا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ دنیوی تھا نہ دینی۔ ہم یہ وضاحت اس لئے کر رہے ہیں تاکہ کوئی بے علم یہ نہ کہے کہ صرف زیارت کے لیے سفر سفت نہیں۔ ہم اس کا رد کسی اور مقام پر کریں گے۔

وہ لوگ جنہوں نے کسی ضرورت کی بناء پر مدینہ طیبہ کا سفر کیا اور وہیں پہنچ کر قبر نبی ﷺ کی زیارت کی یا ان کے قصد کی بنیاد کسی حاجت اور زیارت دونوں پر تھی ایسے افراد تو بے شمار ہیں۔ یزید ابن ابی سعید کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملنے گیا۔ جب میں ان کے پاس سے چلنے لگا تو فرمایا کہ میری تم سے ایک حاجت ہے اور وہ یہ کہ جب تم مدینہ پہنچ کر قبر نبی کی زیارت کرو گے اس وقت میرا بھی سلام عرض کر دینا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے بزرگوں سے بھی اس طرح کی بات منقول ہے۔

ابو الیث سمرقندی نے فتاویٰ میں نقل کیا ہے کہ ابو القاسم نے فرمایا: جب میں

نے مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ کیا تو قاسم بن غسان نے کہا میری تم سے ایک گزارش ہے جب تم قبر نبی ﷺ کے پاس پہنچو تو میرا سلام عرض کر دینا۔ پس جب میں نے مسجد نبوی میں اپنا قدم رکھا تو مجھے ان کا وہ پیغام یاد آیا۔

فقیہ ابو اللیث نے فرمایا اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی خود مدینہ نہ پہنچ سکے اور دوسرے کے ذریعہ سلام پہنچائے تو ان شاء اللہ اس کو بھی سلام کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ اور ”فتوح الشام“ میں مذکور ہے کہ جس وقت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں مقیم تھے انہوں نے ایک خط حضرت میسرہ بن مسروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جس میں ان سے بیت المقدس پہنچنے کی درخواست کی۔ حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو شب کا وقت تھا فوراً مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر پہنچ کر سلام عرض کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قبر پر بھی سلام عرض کیا۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب بیت المقدس والوں سے صلح کر لی۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ ان کی خدمت میں پہنچے اور اسلام لے آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت زیادہ خوش ہوئے اور ان سے فرمایا: کیا تمہاری خواہش نہیں کہ میرے ساتھ مدینہ چلو اور حضور اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری دو۔ اور آپ ﷺ کی زیارت سے لطف اندوز ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! میں ضرور ایسا کروں گا۔ اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جس وقت مدینہ پہنچے سب سے پہلے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

مؤرخین اور محدثین بیان کرتے ہیں جن میں ابو عمر بن عبد البر نے استیعاب میں اور بلاذری نے ”تاریخ الاشراف“ میں اور ابن عبد ربہ نے ”المعقد“ میں ذکر کیا ہے کہ زیاد ابن ابیہ نے حج کا ارادہ کیا تو اس کے پاس حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ آئے وہ براہ راست اس سے بات نہ کرتے تھے۔ انہوں نے اس تک اپنی بات پہنچانے کی یہ تدبیر کی کہ اس کے چھوٹے بیٹے کو گود میں بٹھالیا اور اس بچہ کو خطاب کر کے باتیں کرنے لگے تاکہ زیاد ان کی بات سن لے۔ اس بچہ سے کہا کہ تیرے باپ کے یہ یہ کالے کارنامے ہیں۔ اور وہ اس سال حج کو جا رہا ہے۔ لا محالہ مدینہ بھی جائے گا وہاں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا زوجۃ النبی بقید حیات ہیں وہ ان سے ملنے ضرور

جائیگا۔ اب اگر انہوں نے ملنے کی اجازت دیدی تو یہ ایک بڑی مصیبت والا کام ہوگا وہ رسول اکرم ﷺ سے خیانت کرینگے اور اگر انہوں نے اجازت نہ دی تو یہ اس کے خلاف بڑی دلیل بن آئے گی۔ زیاد نے جب یہ باتیں سنیں تو اس سال حج کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔ اس واقعہ کو بلاذری نے روایت کیا ہے۔ ابن عبد البر نے اس بارے میں اقوال نقل کیے ہیں۔

۱۔ اس نے حج کیا مگر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ سے زیارت بارگاہ نبوی ﷺ نہیں کی۔

۲۔ وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور اس نے ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضری کا ارادہ کیا مگر اس کو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا قول یاد آ گیا پس یہ واپس لوٹ گیا۔

۳۔ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس سے حجاب فرمایا اور اس کو داخلہ کی اجازت نہیں دی۔

واقعہ سے استدلال:

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت حاجی کے لیے بارگاہ نبوی ﷺ کی زیارت ایک لازمی بات تھی ورنہ ممکن ہے زیاد کسی اور طریقے سے حج کرتا کہ اسے مدینہ منورہ جانا ہی نہ پڑتا بلکہ مدینہ منورہ سے ہٹ کر سفر کرتا اس کے لیے آسان تھا کیونکہ وہ عراق میں تھا اور عراق سے مکہ آنے میں آسانی ہے لیکن دراصل ان کے نزدیک مدینہ کی حاضری ایسا فعل تھا جس کو ترک نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اسلاف کے ہاں اس امر میں اختلاف ہے کہ جب انسان حج یا عمرہ کو جائے تو پہلے مدینہ منورہ جائے یا مکہ المکرمۃ۔ اس مسئلہ کو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "المناسک الکبیر" میں ذکر کیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ ان سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو پہلے مدینہ المنورہ جائے پھر مکہ المکرمۃ؟ تو انہوں نے عبدالرحمان ابن یزید اور عطاء اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا کہ جب حج کر چکے تو اگر چاہے مدینہ ہو آئے۔ اور حضرت اسود رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا خرچہ اور سفر اس

طرح ہو کہ میں پہلے مکہ المکرمہ جاؤں پھر مدینہ المنورہ۔ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا کہ جب تو مکہ جائے تو ہر چیز کو اس کے تابع بنا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ حضرت ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی منقول ہے کہ تو جب حج کرے تو پہلے مکہ جا پھر مدینہ جا۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے ساتھ عدی بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت پہلے مدینہ جاتی تھی پھر مکہ معظمہ اور یہ کہتی تھی کہ ہم اس جگہ سے احرام باندھیں گے جہاں سے رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھا تھا۔

ابن ابی شیبہ نے بھی پہلے مدینہ جانے کی فضیلت کا ذکر کیا ہے اور حضرت علقمہ و اسود اور عمرو ابن میمون رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ابتداء مدینہ سے کی ہے۔ ابن قدامہ نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنی پہلی حج کے ارادے سے چلے اور وہ شام سے آنے والا نہ ہو (کیونکہ شام سے آئے گا تو مدینہ منورہ مکہ سے پہلے آئے گا) تو وہ پہلے مختصر راستہ سے مکہ المکرمہ پہنچے اور مناسک حج سے فارغ ہو کر مدینہ المنورہ جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ابتداء مدینہ جانے سے ایسی صورت پیش آجائے کہ اس کا حج ہی فوت ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس کے لئے ہے جو حج کا سفر کرے اور اگر عمرہ کا سفر ہے تو اس میں عمرہ فوت ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ لہذا اس سے متعلق یہ قول نہ ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی یہی ہے: احسن یہ ہے کہ مکہ سے آغاز کرے۔ یہ قول حسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

اب غور کریں کہ تمام بزرگوں نے مدینہ المنورہ جانے کا ذکر کیا ہے، خواہ مکہ المکرمہ سے پہلے خواہ اس کے بعد۔ اور ظاہر ہے کہ مدینہ جانے میں اہم مقصد زیارت قبر نبی ہے۔ محض مسجد نبوی کی نماز کی فضیلت مدینہ جانے کا سبب نہیں ہے ورنہ نماز کی فضیلت تو مسجد بیت المقدس میں بھی ہے اور وہاں پہنچنے کا ایسا جذبہ نہیں ہے جیسا کہ مدینہ پہنچنے کا۔ تو معلوم ہوا کہ مدینہ المنورہ پہنچنے کا قصد و ارادہ زیارت قبر نبی سے ہی متعلق ہے اور اگر نماز کی فضیلت سبب ہے بھی تو وہ بالتبع ہے۔

بعض بزرگوں کے پہلے مدینہ جانے کی علت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے میقات سے احرام باندھنا چاہتے تھے، ہو سکتا ہے کہ یہ بھی مقصد ہو لیکن صرف اسی کو مقصد قرار نہیں دیا جاسکتا ہے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہر ملک کا علیحدہ میقات مقرر فرما دیا ہے۔ وہ کوئی تابعین جن سے پہلے مدینہ جانا منقول ہے۔ ان سے اگرچہ اس کی کوئی وجہ منقول نہیں ہے لیکن یقیناً ان کے نزدیک مدینہ پہنچ کر زیارت کی سنت کو ترجیح دینا وجہ ہوگی۔ ورنہ اگر محض میقات النبی ﷺ کی متابعت فوت ہو چکی تھی وہ پھر مدینہ نہ آتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ وہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچ جاتے تھے۔

ابوبکر محمد ابن الحسین الآجری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الشریعہ میں ”باب دفن ابی بکر و عمر رضی اللہ عنہما مع النبی ﷺ“ میں تحریر کیا ہے۔ علمائے حجاز، علمائے عراق، علمائے شام، علمائے خراسان، علمائے اہل یمن، خواہ وہ متقدمین میں سے ہوں یا متاخرین میں سے جس نے بھی کتاب المناسک لکھی ہے، وہ ہر شخص کو جو مدینہ میں آتا ہے خواہ حج و عمرہ کے لئے گھر سے نکلا ہو یا صرف مدینہ کے لئے چلا ہو اس کو بتایا ہے کہ کس طرح حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام بھیجے اور کس طرح حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام بھیجے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زیارت قبر نبی بھی ایک عبادت ہے۔

اسی کے قریب قریب ابن بطہ العکمری نے ”کتاب الابانہ“ میں بھی ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ متقدمین اور متاخرین میں سے جس کسی عالم نے بھی مناسک پر کتاب لکھی ہے اور اس میں احرام و طواف وغیرہ کے احکام بیان کئے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے زیارت کے آداب بھی تحریر کئے ہیں اور لکھا ہے کہ پھر قبر کے پاس پہنچے۔ قبر کا استقبال کرے اور قبلہ کی جانب پشت کر کے اَلْسَلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ کہے اور دعائیں مانگے۔ پھر دائیں جانب ہٹ کر اَلْسَلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرُ کہے۔

ہم نے دیکھا ہے ہمارے ہاں ہمیشہ سے یہ طریقہ چلا آ رہا ہے کہ جب کوئی حج کے لئے جاتا ہے اور اس کے اہل و عیال، دوست احباب اس کو رخصت کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہمارا سلام بھی حضور اکرم ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما

سے عرض کر دینا۔ اس پر نہ کوئی ناپسند کرتا ہے نہ اس فعل کی کوئی مخالفت کرتا ہے۔ بہر حال زیارت قبر نبی پر کسی نے ناپسندیدگی نہیں کی ہے۔ یہ ابن بطہ کا کلام رحمہ اللہ تعالیٰ تھا۔

ابن بطہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور آجری کا مقصود بعض محدثین کا رد کرنا ہے جو سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تدفین کا انکار کرتے ہیں۔ رہا حضور اکرم ﷺ کی زیارت کا مسئلہ تو اس کو کسی نے غلط خیال نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ بعض متقدمین نے زیارت کو مناسک حج کے تابع قرار دیا ہے۔ ان کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ آٹھویں صدی میں زیارت کے معاملہ میں یا زیارت کے لئے سفر کے معاملہ میں کوئی اختلاف پیدا ہوگا۔

ان دونوں کے کلام سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حجاج ہمیشہ بارگاہ نبوی ﷺ کے لیے سفر کرتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ مناسک حج کے تابع ہوتا ہے۔ اور ابوبکر آجری یہ متقدمین میں سے ہیں اور انہوں نے سن ۳۶۰ھ میں وصال فرمایا ہے۔ یہ ثقہ اور صدوق تھے ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔ اور ابن بطہ کا انتقال سن ۳۸۷ھ میں ہوا یہ حنابلہ کے نامور فقہاء میں سے تھے یہ وقت کے امام اور حدیث اور فقہ کے فاضل جلیل تھے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسحاق بن ابراہیم الملقیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمیشہ سے حاجیوں کا یہ دستور رہا ہے کہ حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ کا قصد کر کے جاتے ہیں تاکہ مسجد نبوی میں نمازیں ادا کریں اور آپ ﷺ کے روضہ مبارک آپ کے منبر اور آپ کی قبر انور سے اپنے ہاتھوں کو مس کر کے تبرک حاصل کریں اور آپ کے قد میں اور اس ستون سے جس سے آپ ﷺ ٹیک لگاتے تھے اور جبریل علیہ السلام جہاں وحی لے کر آتے تھے، ان تمام مقامات سے تبرک حاصل کریں۔ اور آپ ﷺ کے آثار و نشانات سے تبرک حاصل کریں۔

ہم نے زیارت کے مستحب ہونے کے بارے میں علمائے کرام کے اقوال ذکر کر دیے تھے۔ الباجی المالکی کہتے ہیں کہ مدینہ سے باہر سے آنے والے مدینہ منورہ کا قصد اس لیے کرتے ہیں تاکہ وہ آپ ﷺ کی قبر انور کی زیارت کر سکیں اور آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیج سکیں۔ اور عبدی مالکی نے تو شرح الرسالہ میں یہاں تک تصریح کی ہے کہ زیارت قبر نبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے مدینہ کا سفر کعبہ اور بیت المقدس کی زیارت کے سفر سے بھی

افضل ہے۔ اصحاب مذاہب کے اکثر فقہائے کرام نے جب زیارت قبر نبی ﷺ کے آداب بیان کیے ہیں تو یہ اس کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس کی طرف سفر بھی مستحب ہو کیونکہ انہوں نے حجاج کے لیے حج سے فارغ ہونے کے بعد زیارت کو مستحب بتایا ہے اور جب زیارت کے لیے سفر لازم ہے تو یقیناً یہ سفر مستحب ہوگا۔

ایک بدوی کا ایمان افروز واقعہ:

اس سلسلہ میں ایک بدوی کا قصہ مشہور ہے جس کو فقہائے کرام نے مناسک کے بیان کے تحت مختلف اسناد کے ساتھ محمد بن حرب الہلالی سے نقل کیا ہے۔

اور بعض روایات میں ہے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد الفاظ ہیں کہ ”پھر وہ اعرابی اپنی سواری پر سوار ہوا اور لوٹ گیا“ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اعرابی مسافر تھا۔ اور اس حکایت کو آئمہ میں سے ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ اس اعرابی کا نام محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن معاویہ ابن عمرو بن عتبہ بن ابی سفیان مضر بن حرب تھا۔ اور وہ بہت فصیح اللسان تھے اور انہوں نے سن ۲۲۸ھ میں وفات پائی اور ان کی کنیت ابو عبد الرحمن تھی۔ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو اپنی تاریخ میں اور امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”مثیر العزم الساکن“ میں نقل کیا ہے۔ اور ان دو کے علاوہ دیگر نے اپنی اسانید کے ساتھ محمد بن حرب الصلالی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”میں مدینہ پہنچا اور حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے گیا وہاں قبر کے سامنے بیٹھ گیا اتنے میں ایک بدو آیا قبر کی زیارت کی اور کہنے لگا اے خیر الرسل! اللہ تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب اتاری ہے اور اس میں فرمایا ہے۔

”ولو أنهم اذ ظلموا أنفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً“ [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور

شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔

یا رسول اللہ! اب میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہو۔
آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع بناتا ہوں۔ پھر
رویاء اور یوں گویا ہوا:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اعْظُمُهُ
فَطَابَ مِنْ طَيِّبِنَ الْقَاعِ وَالْآكُمُ
نَفْسِي الْفِدَاءُ بِقَبْرِ أَنْتَ سَاكِنُهُ
فِيهِ الْعَفَافُ وَ فِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ

۱۔ اے وہ بہترین ذات جس کی ہڈیاں میدان میں دفن کردی گئی ہیں اور ان کی پاکیزگی
کی وجہ سے میدان اور ٹیلے پاکیزہ ہو گئے ہیں۔

۲۔ میری جان اس قبر پر ثار جس میں آپ مقیم ہیں۔ اس میں پاکدامنی ہے اس میں
سقاوت ہے، اس میں کرم ہے۔

پھر اس نے استغفار کیا اور واپس چلا گیا۔ ہلالی کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد میں
سویا تو میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ جاؤ اس
شخص سے ملو اور اس کو خوشخبری دے دو اللہ تعالیٰ نے میری سفارش سے اس کی مغفرت
فرمادی ہے۔ میں خواب سے بیدار ہو کر اس خوش قسمت کی تلاش میں لگا لیکن وہ مجھے نہ ملا۔
بعض دوستوں کی فرمائش پر شیخ ابو الطیب مقدسی نے ان اشعار پر تفسیر کی ہے
اور چند اشعار کا اضافہ کیا ہے۔ ان کو ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

أَقُولُ وَ الدَّمْعُ مِنْ عَيْنِي مُنْجِمُ
لَمَّا رَأَيْتُ جِدَارَ الْقَبْرِ يُسْتَلَمُ

وَالنَّاسُ يَغْشَوْنَهُ بِاِكِّ وَ مُنْقَطِعٍ
 مِنَ الْمَهَابَةِ اَوْ دَاعٍ قَمْلَتَزِمٍ
 فَمَا تَمَالِكُ أَنْ تَأْذِيَتْ مِنْ حُرْقٍ
 فِي الصَّدْرِ كَادَتْ لَهَا الْاَحْشَاءُ تَضْطَرُّ
 يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظَمَهُ
 فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكْمُ
 نَفْسِي الْفِدَاءُ لِقَبْرِ اَنْتَ مَا كُنْهُ
 فِيهِ الْعَفَافُ وَفِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ
 وَفِيهِ شَمْسُ التَّقَى وَالِدَيْنِ قَدْ غَرَبَتْ
 مِنْ بَعْدِ مَا اَشْرَقَتْ مِنْ نُورِهِ الظُّلُمُ
 حَاشَى لَوَجْهِكَ اَنْ يَتْلَى وَ قَدْ هُدِيَتْ
 فِي الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ مِنْ اَنْوَارِهِ الْاُمَمُ
 وَ اِنْ تَمَسَّكَ اَيْدِي التُّرْبِ لَا مِسَةَ
 فِي الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ مِنْ اَنْوَارِهِ الْاُمَمُ
 لَقِيْتُ رَبِّكَ وَ الْاِسْلَامُ صَارِمُهُ
 مَاضٍ وَ قَدْ كَانَ بَحْرُ الْكُفْرِ يَلْتَطِمُ
 لَقُمْتُ فِيهِ مَقَامَ الْمُرْسَلِينَ اِلَى
 اَنْ عَزَّ فَهُوَ عَلَى الْاَذْيَانِ يَحْتَكِمُ

لَسِنْ رَأَيْتَاهُ قَبْرًا إِنَّ بَاطِنَهُ
لَرَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْخُلْدِ تَبَسُّمُ
طَافَتْ بِهِ مِنْ نَوَاحِيهِ مَلَائِكَتُهُ
تَغْشَاهُ فِي كُلِّ مَا يَوْمٌ وَ تَزْدَحِمُ
لَوْ كُنْتُ أَبْصَرْتُهُ حَيًّا لَقُلْتُ لَهُ
لَا تَمْشِ إِلَّا عَلَى خَدَيَّ لَكَ الْقَدَمُ
هَدَى بِهِ اللَّهُ قَوْلًا قَالَ قَاتِلُهُمْ
يَبْطِنُ يَشْرَبُ لَمَّا ضَمَّهُ الرَّجَمُ
إِنْ مَاتَ أَحْمَدُ فَالرَّحْمَنُ خَالِقُهُ
حَيٌّ وَ نَعْبُدُهُ مَا أَوْزَقَ السَّلَامُ

ترجمہ اشعار:

- ۱۔ میں کہہ رہا تھا اور آنسو میری آنکھوں سے بہہ رہے تھے جب میں نے دیکھا کہ قبر کی دیواروں کو بوسہ دیا جا رہا ہے۔
- ۲۔ لوگ قبر مبارک کو ڈھانپے ہوئے ہیں، رو رہے ہیں اور ہیبت کی وجہ سے جدا ہیں یا چٹ کر دعا کر رہے ہیں۔
- ۳۔ پس میرے قابو میں نہ رہا اور میں نے سینے لگی آگ کی وجہ سے صدا دی اور وہ آگ ایسی تھی کہ جس کی وجہ سے قریب تھا کہ آنتیں باطن شعلہ زن تھا۔
- ۴۔ اے وہ بہتر ذات جس کی ہڈیاں میدان میں دفن کر دی گئی ہیں اور ان کی پاکیزگی کی وجہ سے میدان اور ٹیلے پاکیزہ بن گئے ہیں۔
- ۵۔ میری جان اس قبر پر نثار جس میں آپ مقیم ہیں۔ اس میں پاکدامنی ہے،

اس میں سخاوت ہے، اس میں کرم ہے۔

۶۔ اور اس میں پاکیزگی اور دین کا سورج ہے جو غروب ہو گیا اپنے نور سے تاریکیوں کو روشن کرنے کے بعد۔

۷۔ آپ کا چہرہ اس سے منزہ ہے کہ وہ پرانا بنے جبکہ اُس کی روشنی سے امتوں کو مشرق و مغرب میں ہدایت دی گئی ہے۔

۸۔ اگرچہ چھوتے وقت ہاتھ مٹی کو چھوتے ہیں۔ آپ تو بلند آسمانوں میں قوم کے سردار ہیں۔

۹۔ آپ اپنے رب سے جا ملے اور اسلام کی تلواریں چل رہی ہیں جبکہ کفر کا سمندر موجزن تھا۔

۱۰۔ آپ اسلام کے بارے میں مرسلین کے مقام پر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ وہ غالب ہو گیا اب وہ تمام دینوں پر حکمراں ہے۔

۱۱۔ اگرچہ ہم اس کو قبر دیکھ رہے ہیں۔ بیشک اس کا باطن جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے جو مکمل رہا ہے۔

۱۲۔ اس کے اطراف کا فرشتے طواف کرتے ہیں جو اس پر آتے ہیں اور ازدحام کرتے ہیں۔

۱۳۔ اگر میں ان کو زندہ دیکھتا تو ان سے کہتا کہ آپ نہ چلیں گے مگر میرے رخساروں پر۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ قوم کو ہدایت دی ان کے لئے کہنے والے نے کہا۔ مدینہ کی سرزمین میں جبکہ قبر نے ان کو پہلو میں لے لیا۔

۱۵۔ اگر احمد رحمۃ اللہ علیہ وفات پا گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا خالق زندہ ہے ہم اس کی عبادت کریں گے جب تک سلم (درخت) پر پتے آتے رہیں گے۔ ۱۸۱

باب چہارم

علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں کہ رسول
اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت مستحب
ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے

قبر مبارک کی زیارت کے بارے میں علمائے کرام کے اقوال:

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قبر النبی ﷺ کی زیارت مسلمانوں میں مجمع علیہ سنت ہے اور اُس کی فضیلت پسندیدہ چیز ہے۔

قاضی ابو الطیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حج اور عمرہ کے بعد قبر النبی ﷺ کی زیارت کرنا مستحب ہے۔

شیخ محاملی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”تجرید“ میں فرمایا حاجی کے لئے مستحب ہے کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد وہ قبر النبی ﷺ کی زیارت کرے۔

ابو عبد اللہ الحسین اکلیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”المنہاج فی شعب الایمان فی تعظیم النبی ﷺ“ میں فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں تو اُن کی تعظیم کے طریقے وہ تھے جنہیں ان لوگوں نے اختیار کیا جنہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا، اب اُن کی تعظیم کا طریقہ یہی ہے کہ قبر کی زیارت کی جائے۔

امام الماوروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الحاوی“ میں فرمایا حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کا حکم ہے اور وہ مستحب ہے۔ اور الماوروی نے ”الاحکام السلطانیہ“ میں حاجیوں پر والی مقرر کرنے کے سلسلے میں فرمایا متولی کے لئے شرط ہے کہ وہ مطاع، ذی رائے، شجاع ہو اور دیگر شرائط کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: جب لوگ حج کر چکیں تو اُن کو کچھ مہلت دے اور جب واپس ہوں تو اُن کو مدینہ طیبہ والے راستہ سے واپس لے کر لوٹے تاکہ اُن کو حج کے ساتھ قبر النبی ﷺ کی بھی زیارت حاصل ہو جائے اور یہ اگرچہ حج کے ارکان میں سے نہیں ہے۔ لیکن شرعی مستحبات میں سے ہے اور حاجیوں کی اچھی عادتوں میں سے ہے۔

صاحب المہذب کے ہاں رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت مستحب ہے۔

القاضی حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب حج سے فارغ ہو تو سنت ہے کہ ملتزم

کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرے پھر زمزم پیے پھر مدینہ آئے اور حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت کرے۔

امام رویانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا جب حج سے فارغ ہو جائے تو مستحب ہے کہ قبر النبی ﷺ کی زیارت کرے۔

احناف کے نزدیک تو قبر النبی ﷺ کی زیارت مستحبات میں سب سے زیادہ افضل بلکہ درجہ وجوب سے قریب تر ہے۔ اور ان میں سے ابو منصور محمد ابن مکرم کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ”مناسک“ میں اور عبد اللہ ابن محمود نے ”شرح المختار“ میں اس کی تصریح کی ہے۔

فتاویٰ ابواللیث سمرقندی میں حسن ابن زیاد کی روایت سے منقول ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ حاجی کے لئے مناسب ہے کہ پہلے مکہ جائے جب وہاں کے ارکان ادا کر چکے تو مدینہ جائے اور اگر پہلے مدینہ ہو آئے یہ بھی جائز ہے۔ مدینہ پہنچ کر حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر جائے قبلہ اور قبر کے درمیان اس طرح کھڑا ہو کہ اس کا رخ قبر کی جانب ہو۔ حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر بھی سلام پڑھے اور ان کے لئے رحمت کی دعا کرے۔

ابو العباس السروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الغایۃ“ میں لکھا ہے جب حج یا عمرہ کرنے والے مکہ سے واپس ہوں تو مدینہ طیبہ پہنچ کر قبر النبی ﷺ کی زیارت کریں یہ اس کی ایک قابل تعریف کوشش ہوگی۔ اسی طرح حنابلہ نے بھی اس طرح کی تصریحات کی ہیں۔

ابو الخطاب محفوظ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”کتاب الہدایۃ“ میں فرمایا حاجی جب حج سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ اور صاحبین کی قبر کی زیارت مستحب ہے۔

ابو عبد اللہ محمد ابن عبد اللہ السامری الحنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب المستوعب میں باب زیارة قبر الرسول ﷺ قائم کیا ہے اور اس میں لکھا ہے۔ جب زائر، مدینہ

الرسول ﷺ پہنچے اس کے لئے مستحب ہے کہ داخلہ کے وقت غسل کرے پھر مسجد نبوی میں پہنچے اور داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کرے پھر قبر النبی ﷺ کی دیوار کے پاس پہنچ کر اس طرح کھڑا ہو کہ قبر النبی ﷺ سامنے ہو اور قبلہ پشت کی جانب ہو اور منبر النبی ﷺ بائیں جانب ہو اور پھر دعا و صلوة و سلام کی کیفیت بیان کرنے کے بعد فرمایا یہ بھی کہے اے اللہ تعالیٰ! تو نے فرمایا ہے۔ ”ولو أنهم اذ ظلموا أنفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً“ [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے)

اور یوں کہے: ”اے اللہ تعالیٰ! اب میں تیرے نبی کے پاس مغفرت چاہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں اور تجھ سے درخواست کرتا ہوں تو اپنی مغفرت میرے لئے ثابت کر دے جس طرح تو نے ان کے لئے مغفرت ثابت کی ہے جو ان کی زندگی میں مغفرت کے لئے آئے۔ اے اللہ تعالیٰ! میں تیری طرف تیرے نبی مکرم کے واسطے سے متوجہ ہوں۔“ اس کے بعد جب واپسی کا ارادہ کرے دوبارہ قبر النبی ﷺ پر حاضر ہو کر رخصت ہو۔

دیکھئے! یہ مصنف حنبلی ہیں اور منکر زیارت قبر النبی ﷺ بھی حنبلی ہیں۔ انہوں نے کس قدر صراحت کے ساتھ زیارت قبر النبی ﷺ کا ذکر کیا ہے اور نبی مکرم ﷺ کے واسطے سے توجہ الی اللہ کو بیان کیا ہے۔

اسی طرح ابو منصور کرمانی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہا اگر تجھ سے کسی نے حضور نبی اکرم ﷺ تک سلام پہنچانے کی درخواست کی ہے تو تجھے قبر النبی ﷺ پر پہنچ کر کہنا چاہیے۔ ”السلام عليك يا رسول من فلان ابن فلان“ اے رسول مکرم! آپ پر فلان ابن فلان کی جانب سے سلام ہو اور وہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں رحمت اور مغفرت کی سفارش چاہتا ہے آپ اس کی سفارش فرما دیں۔ اس مسئلہ کے لئے

ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ایک مفصل باب قائم کریں گے۔

نجم الدین ابن حمدان حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الترغایۃ الکبریٰ“ میں فرمایا۔ جو شخص حج سے فارغ ہو اس کے لئے نبی مکرم ﷺ اور صاحبین رضی اللہ عنہما کی قبور کی زیارت مسنون ہے اور اگر وہ چاہے تو حج سے پہلے زیارت کر لے۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”مشیر العزم الساکن الی اشرف الاماکن“ میں زیارت قبر النبی ﷺ پر باب باندھا ہے اور اس میں سیدنا ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی احادیث بیان کی ہیں۔

شیخ ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب المغنی میں فرمایا ہے اور یہ حنابلہ کی معتبر ترین کتاب ہے۔ اس میں فصل ”قبر النبی ﷺ کی زیارت مستحب ہے“ قائم کی ہے اور اس میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بطریق دارقطنی اور سعید ابن منصور عن حفص بیان کی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بطریق احمد بیان کی ہے ”ما من احد یسلم علی عند قبری“ جو کوئی مسلمان میری قبر کے پاس آ کر سلام کرے گا اس کے لئے مجھ پر شفاعت ضروری ہوگی۔

اسی طرح مالکیہ کی بھی تصریحات ہیں اور ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو اجماعی قرار دیا ہے۔

اور عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”تہذیب المطالب“ میں شیخ ابو عمران المالکی کی جانب سے نقل کیا ہے کہ زیارت قبر النبی ﷺ واجب ہے اور عبدالحق نے اسی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ شیخ ابو محمد بن ابی زید رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کسی نے کسی کے ذریعہ حج کرایا اور اس کو حج و زیارت کے لئے خرچہ دیا۔ اب وہ شخص حج کر کے لوٹ آیا اور کسی عذر کی وجہ سے مدینہ طیبہ نہ جاسکا تو کیا ہو۔ انہوں نے جواب میں فرمایا۔ زیارت پر جو خرچ ہوتا اس شخص کو وہ واپس کرنا ہوگا اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس پر ضروری ہوگا کہ وہ اس نائب کو لوٹائے تاکہ وہ زیارت کر کے واپس آئے۔ یہ وہی عبدالحق

ہیں جنہوں نے شیوخ قیروان اور شیوخ صقلیہ سے فقہ حاصل کیا ہے۔

شیخ ماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الحادی“ میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ کسی کو اجرت پر زیارت کیلئے بھیجنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ کام غیر معین اور غیر مقدر ہے اور اگر مزدوری محض قبر النبی ﷺ کے پاس کھڑے ہونے کی قرار دی جائے تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ مجرد کھڑے رہنے میں قائم مقامی درست نہ ہوگی۔ اور اگر اجرت اس بات کی قرار دی جائے کہ وہ قبر النبی ﷺ پر پہنچ کر دعا کرے گا تو یہ درست ہے اس لئے کہ دعا میں قائم مقامی درست ہے اور اس دعا کی مقدار کی جہالت اس اجارہ کو باطل نہ کرے گی۔

ہاں ایک تیسری صورت بھی ہے جس کو ماوردی نے بیان نہیں کیا اور وہ سلام پہنچانا ہے تو اس اجارہ اور مزدوری کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کیا کرتے تھے اور بظاہر مالکیہ کی یہی مراد ہے۔ ورنہ مزدور کے جا کر کھڑے ہو جانے سے بھیجنے والے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور ہم عنقریب ابن المواز کے حوالہ سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح کا ذکر کریں گے کہ اس اجیر کو چاہیے کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی قبر کے پاس کھڑا ہو اور دعا کرے جس طرح بیت اللہ کے پاس وداع کے وقت دعا کرتے ہیں۔

ابن ابی زید رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”کتاب النوادر“ میں ابن حبیب کے کلام سے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مجموعہ سے اور ابن القریظی کے کلام سے زیارة القبور کی بحث ذکر کرنے کے بعد کہا اور شہدائے اُحد کی قبور کے پاس جائے اور اُسی طرح سلام پڑھے جس طرح حضور اکرم ﷺ کی قبر انور اور ان کے دونوں ساتھیوں کی قبر پر سلام پڑھا تھا۔

ابو الولید ابن رشد المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”شرح العتبہ“ میں قبر نبی ﷺ کے پاس سے گزرنے والے کے بارے میں لکھا ہے۔ ایک سوال کیا گیا ہے کہ جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس سے گزرے، کیا ہر بار گزرتے ہوئے سلام کرے گا؟ جواب میں کہا: ہاں۔ اُس پر ضروری ہے کہ وہ سلام پڑھے جب وہاں سے گزرے اکثر

لوگوں کی یہی رائے ہے۔ لیکن جب نہ گذر رہا ہو تو پھر ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا ”اے اللہ تعالیٰ میری قبر کو بت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے“ اور فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں پر سخت غضب ہے جنہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کو مساجد بنا لیا ہے۔“ جب وہاں سے نہ گذر رہا ہو تو سلام نہ پڑھنے کی گنجائش ہے۔ اور جب ان سے یہ دریافت کیا گیا کہ اگر مسافر ہر روز قبر النبی ﷺ پر حاضری دے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ یہ مناسب نہیں ہے ہاں واپسی کے روز جا کر سلام پڑھ لے۔

امام محمد ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی بار گذرے گا اس کو سلام پڑھنا ہوگا۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ضرور گذرے ہاں جب مدینۃ المنورۃ سے لوٹے تو ضرور وہاں جائے۔ یہ مکروہ ہے کہ کثرت سے وہاں سے گذرے اور کثرت سے سلام پڑھے اور ہر روز اس پر آئے اور اس کے فعل سے یہ قبر کی طرح ہو جائے کہ وہاں نماز کے لیے ہر روز جاتا ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے: ”میری قبر کو بت نہ بناؤ جس کی عبادت کی جائے“ اور ”اللہ تعالیٰ کا ان پر سخت غضب ہے جو اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو مسجد بنا دیتے ہیں۔“ یہاں تک ابن رشد کا کلام تھا۔

دیکھئے پردیسی پر رخصتی کے وقت حاضری کا حکم دیتے ہیں تو سلام کی بھی لا محالہ اجازت ہوگی۔ کثرت سے آنے جانے کو مکروہ قرار دیا ہے اور زیارت کا اصلاً مستحب ہونا متفق علیہ ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الشفاء“ میں سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین ابو جعفر کی حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مسجد نبوی میں گفتگو ہوئی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ امیر المومنین اس مسجد میں زور سے نہ بولے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی“ [الحجرات: ۲] اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نبی اکرم ﷺ کی آواز سے۔ اور تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ”جو لوگ

دلی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے دل جانچے ہیں اللہ تعالیٰ نے ادب کے واسطے ”[الحجرات: ۳] اور زور سے پکارنے والوں کی مذمت میں فرمایا: ” جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے [الحجرات: ۴]

حضور نبی اکرم ﷺ کا احترام جس طرح زندگی میں ضروری تھا آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی اسی طرح ضروری ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ باتیں سن کر ابو جعفر شرمندہ ہو گیا اور کہا اے ابو عبد اللہ میں قبلہ کا استقبال کر کے حضور کی قبر کے پاس دعا کروں یا دعا میں حضور کی قبر کا استقبال کروں۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے روگردانی کیوں کرتے ہو؟ جبکہ حضور کی ذات گرامی تمہارا اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے لئے وسیلہ ہوگی۔ آپ ﷺ کی طرف منہ کرو اور آپ کے ذریعہ شفاعت چاہو اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً“ [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے)

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو دیکھو کس عمدہ طریقہ پر زیارت اور توسل اور حضور کے ساتھ حسن ادب کا بیان فرمایا ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن حبیب نے کہا ہے۔ اور جب مسجد النبی ﷺ میں داخل ہو تو کہے۔

”بسم الله و سلام على رسول الله السلام علينا من ربنا و صلى الله و ملائكتہ على محمد، اللهم اغفر لي ذنوبي و افتح لي أبواب رحمتك و جنتك و احفظني من الشيطان الرجيم“

بسم اللہ اور سلام ہو رسول اللہ ﷺ پر۔ سلام ہو ہم پر ہمارے رب کریم کی جانب سے اور صلوٰۃ ہو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور ملائکہ کی جانب سے سیدنا محمد ﷺ پر۔ اے اللہ تعالیٰ! میرے لیے میرے گناہوں کی مغفرت فرما دے اور میرے لئے اپنے رحمت اور جنت کے دروازے کھول دے اور شیطان مردود سے میری حفاظت فرما دے۔)

پھر ریاض الجنۃ میں جائے اور یہ مسجد کا وہ حصہ ہے جو منبر اور قبر النبی ﷺ کے درمیان واقع ہے۔ اس میں دو رکعت نماز پڑھے پھر قبر کے نزدیک متواضع ہو کر دل جمعی کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں درود پیش کرے اور جو تعریف بھی دل میں آئے وہ کرے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے اور ان کے لئے دعا کرے اور مسجد قباء اور شہدائے اُحد کی قبور پر جانے میں کوتاہی نہ کرے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”کتاب محمد“ میں فرمایا ہے کہ جب مدینہ میں داخل ہو اور جب مدینہ سے لوٹے اور قیام کے دوران حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر صلوٰۃ و سلام پڑھے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب واپس ہو تو آخری کام قبر پر حاضری ہو۔ اور ایسا ہی ہر مدنی کو سفر کے وقت کرنا چاہیے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے مبسوط میں فرمایا: مدینہ کا باشندہ جب مسجد میں داخل ہو یا نکلے اس کے لئے قبر پر کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ باہر سے آنے والوں کو کرنا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی مدنی سفر میں جائے یا سفر سے واپس آئے تو وہ قبر النبی ﷺ پر حاضری ہو کر درود پڑھے اور دعا کرے اور اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے کرے۔

جب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا گیا کہ بعض مدنی نہ سفر میں گئے نہ سفر سے آئے اور قبر پر حاضری دیتے ہیں یا ہر جمعہ کو حاضری دیتے ہیں۔ یا دن میں دو تین مرتبہ حاضر ہو کر تھوڑی دیر سلام و صلوٰۃ پڑھتے ہیں تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ہمارے شہر کے کسی فقیہ کا عمل نہیں ہے اور ایسا نہ کرنے کی گنجائش ہے۔ اور فرمایا: اس امت کے اخیر کی وہی چیزیں اصلاح کر سکتی ہیں جن چیزوں نے اول امت کی اصلاح کی

ہے۔ ہم نے اپنے بزرگوں کا اس طرح کا عمل نہ دیکھا نہ سنا۔ اور قبر مبارک پر حاضری صرف اس کے لئے جو سفر میں جائے یا سفر سے واپس آئے ورنہ مکروہ ہے۔

ابن القاسم علیہم السلام نے فرمایا: میں نے اہل مدینہ کو سفر میں جاتے وقت یا واپسی پر ایسا کرتے دیکھا ہے اور یہی میری رائے ہے۔ امام الباجی علیہم السلام نے فرمایا ان لوگوں نے صلوٰۃ و سلام کے بارے میں اہل مدینہ اور پردیسیوں میں فرق کیا ہے اس لئے کہ پردیسی تو اسی مقصد کے لئے مدینہ آتے ہیں اور مدنی اس غرض کے لئے وہاں مقیم نہیں ہوئے ہیں۔ یہاں تک قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول تھا۔

اب امام الباجی کے قول پر غور کیجئے۔ وہ کہتے ہیں کہ پردیسی اس قصد سے سفر کر کے آتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک صلوٰۃ و سلام کے قصد سے مدینہ کا سفر کرنا جائز ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کا خلاصہ:

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک زیارت قبر النبی ﷺ ایک ثواب کا کام ہے۔ لیکن وہ اپنی عادت کے مطابق کثرت سے حاضری و صلوٰۃ و سلام کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اس لئے یہ کثرت بسا اوقات فعل ممنوع تک پہنچ جاتی ہے۔ بقیہ تینوں امام زیارت کو مستحب قرار دیتے ہیں اور اس کی کثرت کو بھی مستحب قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی خیر کی کثرت خیر ہی ہوگی۔ غرضیکہ مجرد زیارت کو سب آئمہ مستحب قرار دیتے ہیں۔ ”کتاب النوادر“ میں مذکور ہے۔ زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ شہدائے اُحد کی قبور پر حاضری دے اور اسی طرح صلوٰۃ و سلام پڑھے جس طرح حضور اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قبور پر پڑھا تھا۔

ابو محمد عبدالکریم کی مالکی نے اپنی ”مناسک“ میں جس کے بارے میں انہوں نے کہا ہے کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشہور روایتیں لکھی ہیں، لکھا ہے۔ ”جب تمہارا حج و عمرہ شرعی اعتبار سے مکمل ہو جائے تو اس کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہتی سوائے

اس کے مسجد نبوی میں حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام کے لئے حاضر ہو اور وہاں دعا کرے اور صاحبین پر سلام بھیجے اور بقیع میں پہنچ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی قبروں کی زیارت کرے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھے۔ جو ان باتوں پر قادر ہو اس کو یہ باتیں نہیں چھوڑنی چاہئیں۔

امام عبدی علیہم السلام نے ”شرح الرسالة“ میں لکھا ہے کہ مسجد حرام یا مکہ جانے کی نذر ماننا اس کی شرع میں اصل ہے اور اس نذر سے مراد حج یا عمرہ ہو گا اور مدینہ منورہ میں زیارت قبر النبی ﷺ کے لئے نذر ماننا یہ کعبہ اور بیت المقدس کی نذر سے افضل ہے۔ جب کوئی شخص ان تینوں مسجدوں تک جانے کی نذر ماننا ہے تو کعبہ کی نذر پر اتفاق ہے کہ وہ لازم ہو جاتی ہے اور مسجد نبوی اور مسجد بیت المقدس کی نذر کے بارے میں آئمہ میں اختلاف ہے۔

میں کہتا ہوں جس اختلاف کی طرف عبدی نے اشارہ کیا ہے وہ مسجد بیت المقدس اور مسجد مدینہ کے بارے میں نہ کہ زیارت قبر النبی ﷺ کے بارے میں۔ یہ چاروں مذاہب کے اقوال اور تصریحات ہیں جو میں نے ذکر کیں۔ اسی طرح کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور بعد کے بزرگوں کے اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مختلف سندوں سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ قبر النبی ﷺ پر حاضر ہوتے اور صلوٰۃ و سلام پڑھتے تھے۔ کسی شخص نے حضرت نافع سے دریافت کیا تھا کیا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر النبی ﷺ پر سلام پڑھتے تھے؟ تو انہوں نے کہا: ہاں۔ اور میں نے سینکڑوں بار دیکھا ہے۔ وہ قبر پر پہنچتے تھے اور عرض کرتے تھے: ”السلام علی النبی السلام علی ابی بکر السلام علی ابی“ نبی اکرم پر سلام ہو، سیدنا ابوبکر پر سلام ہو، اباجان پر سلام ہو۔

مؤطا امام مالک میں یہ روایت مذکور ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر النبی ﷺ پر قیام کرتے تھے اور حضور نبی اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر درود پڑھتے تھے۔ اور ابن قاسم اور قعنبی کے مطابق سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما

ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے لیے دعا بھی فرماتے تھے۔ اور ابن وہب کی روایت میں ہے ایک مسلم کو حاضری کے وقت یہ کہنا چاہیے۔ ”السلام علیک ایہا النبی و رحمة اللہ و بركاتہ۔“ اور مبسوط میں ہے اور سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام کہے۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ”مصنف“ میں ”باب السلام علی قبر النبی ﷺ“ میں ذکر کیا ہے کہ اس سلسلہ میں بہت سے آثار ہیں ان میں سے اسناد صحیح کے ساتھ ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس آتے تھے تو قبر النبی ﷺ پر پہنچتے تھے اور کہتے تھے: ”السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابا بکر، السلام علیک یا ابی“۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت سعید ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو نبی اکرم ﷺ پر سلام پڑھتے ہوئے دیکھا تو کہا، کوئی نبی زمین میں چالیس روز سے زیادہ نہیں رہتا۔ (یعنی حضور بھی چالیس دن سے زیادہ قبر میں نہیں رہے لہذا اب قبر پر سلام پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں) پھر امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان نقل کیا کہ ”جس رات معراج ہوئی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔“ ان کا اس قول کو نقل کرنے سے مقصد حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تردید ہے جو بہترین رد ہے۔ اس میں اور بھی حدیث ہے جس کو ہم حیات شہداء کے باب میں ذکر کریں گے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جبکہ گھر میں محصور تھے اور کچھ لوگوں نے ان کو شام کی طرف چلے جانے کا مشورہ دیا تھا، فرمایا تھا کہ میں دار الجبرہ اور حضور اکرم ﷺ کے پڑوس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات کی تردید ہوتی ہے۔ اور اگر حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو صحیح بھی قرار دیا جائے تو بھی یہ زیارت قبر کے استحباب کے مخالف نہیں ہے۔ چونکہ بہر حال حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے اس جگہ کو شرف حاصل ہے۔

ایک شاعر نے کہا ہے۔

أَمْرٌ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلَى
أَقْبَلُ ذَا الْجِدَارِ وَ ذَا الْجِدَارَا
وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَفَقَنْ قَلْبِي
وَلَكِنْ حُبٌّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

۱۔ میں لیلیٰ کے مکانات پر سے گزرتا ہوں تو اس دیوار اور اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں۔

۲۔ مکانات کی محبت نے میرے دل کو نہیں گھیرا، لیکن اس کی محبت نے جو ان مکانات میں رہا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الشفاء بتعريف حقوق المصطفى“ میں فرمایا۔ بعض راویوں نے بیان کیا کہ ہم نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے تو اپنے ہاتھ اٹھائے جس سے ہمیں شبہ ہوا کہ وہ نماز کی نیت باندھ رہے ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا اور واپس ہو گئے۔

”مسند امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ“ میں سند متصل سے منقول ہے کہ ایوب سختیانی رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے۔ قبر کی طرف رخ کیا اور قبلہ سمت پشت کی اور پھوٹ پھوٹ کر خوب روئے۔

ابراہیم الحربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ”مناسک“ میں فرمایا۔ قبلہ کی جانب پشت کرو اور وسط قبر کی جانب رخ کرو پھر کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہ۔ ابن بطال نے شرح بخاری میں کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول ”میرے گھر اور ممبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ذکر اور علم کے حلقے کرو اور ان سے روحانی غذا حاصل کرو اور اس میں قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی ترغیب ہے۔ اس مسئلہ میں اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام آثار اور علمائے کرام کے اقوال کو ذکر کریں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”زُرْنَا قَبْرَ النَّبِيِّ“ کے قول کو مکروہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ ایک حدیث میں یوں وارد ہوا ہے۔ ”لَعَنَ اللَّهُ زَوَارَاتِ الْقُبُورِ“ (قبر کی زیارت کرنے والیوں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے۔) یعنی اس حدیث میں لفظ زیارت مذمت کے طور پر آیا ہے۔ مگر قبر پر حاضری اور سلام کو مکروہ قرار نہیں دیا گیا ہے۔

یہ توجیہ مناسب نہیں اس لئے کہ دوسری حدیث میں یہ بھی مذکور ہے۔ ”کُنْتَ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَزُورُوهَا“ (میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا تھا آگاہ اب زیارت کیا کرو) اور حضور کا ارشاد ہے ”مَنْ زَادَ قَبْرِي“ یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ پس لفظ زیارت ہمیشہ مذمت کے لیے نہیں آیا لہذا بعض لوگوں نے کہا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کو اس بنا پر مکروہ سمجھا ہے کہ زائر مزور سے افضل ہوتا ہے لیکن یہ توجیہ بھی مناسب نہیں ہے اس لئے کہ احادیث میں مذکور ہے۔ اہل جنت اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے تو اہل جنت زائر اور اللہ تعالیٰ مزور (جس کی زیارت کی جائے) ہوا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں زیارت کی اضافت قبر کی جانب ہے اور اگر زُرْنَا النَّبِيِّ کہا جاتا تو وہ مکروہ نہ سمجھتے۔ چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ یہ فرمایا ہے کہ ”اے اللہ تعالیٰ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی عبادت کی جائے اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو ان لوگوں پر جنہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا۔“

یہ قاضی کا کلام ہے۔ لیکن یہ توجیہ بھی غیر معقول ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے ”جس نے میری قبر کی زیارت کی“ یعنی زیارت کی نسبت قبر کی طرف کی ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ حدیث نہ پہنچی ہوگی تو یہ توجیہ چل سکتی ہے۔

عبدالحق صقلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابو عمران مالکی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے قول زُرْنَا قَبْرَ النَّبِيِّ کو اس لئے مکروہ سمجھا ہے کہ زیارت تو ایسا فعل ہے

چاہے کوئی کرے چاہے نہ کرے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری واجب ہے یعنی سنن واجبہ میں سے ہے لہذا یہ مناسب نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری کو زیارت سے تعبیر کیا جائے جو زندوں کے لئے اس معنی میں بولا جاتا ہے کہ چاہے وہاں جائے چاہے نہ جائے لہذا نبی اکرم ﷺ کی ذات اس سے اشرف اور اعلیٰ ہے کہ اس کے لئے زیارت کا لفظ بولا جائے۔ اس جواب میں اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب میں دو طرح سے فرق ہے۔ پہلا یہ ہے کہ ابو عمران قبر مبارک کی زیارت کو لازم قرار دیتے ہیں۔ اگرچہ لفظ زیارت نہیں بولا جائے گا۔ اور اور قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبر کی طرف لفظ زیارت کی نسبت نہیں کی جائے گی۔ ابو عمران مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی توجیہات میں کافی فرق ہے۔ ابو عمران کا قول چاہتا ہے کہ زُرْتُ النَّبِيَّ اور زُرْتُ قَبْرِ النَّبِيِّ دونوں کراہت میں یکساں ہیں جبکہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ کہنا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی یہ درست ہے مگر یہ کہنا کہ میں نے قبر نبی ﷺ کی زیارت کی یہ کہنا درست نہیں مگر یہ اختلاف صرف الفاظ کے استعمال میں ہے باقی رہا قبر مبارک کی زیارت کا مسئلہ تو اس کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

امام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ نے البیان والتحلیل میں فرمایا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ میں زیارت بیت الحرام کو زیارت کہنا مکروہ سمجھتا ہوں۔ اسی طرح لوگوں کے اس مقولے زُرْتُ النَّبِيَّ کو بھی مکروہ سمجھتا ہوں۔ امام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ لفظ زیارت مُردوں کے لئے مستعمل ہے تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اس لفظ کے استعمال کو اسی طرح مکروہ سمجھا جیسا کہ وہ ایام التشریق بولنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس کے بجائے ایاماً معدودات کہنا پسند کرتے تھے یا عشاء کی بجائے لفظ عتمہ کو مکروہ سمجھتے یا طواف افاضہ کی بجائے طواف الزیارہ کہنا ان کو پسند نہ تھا گویا کہ ان کے نزدیک وہ لفظ مستحب ہے جو قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے " فاذا أفضتم من عرفات. " اسی طرح وہ بیت اللہ شریف کے طواف کو زیارت نہیں بولتے۔

اسی طرح وہ لفظ لمحی کی نسبت قبر النبی ﷺ کی طرف کرنے کو پسند نہیں کرتے کیونکہ لمحی کا معنی صرف جانا ہوگا خواہ وہاں نہ پہنچے اور نفع حاصل نہ کرے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ زیارت کرنے کا مقصد تو یہ ہے کہ وہ وہاں جا کر ثواب حاصل کرے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی تاویل میں قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ابن رشد کا کلام زیادہ پسندیدہ ہے اس لئے کہ ابن المواز نے کتاب الحج کے باب ماجاء فی الوداع کے تحت بیان کیا ہے کہ اشہب نے کہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے عمرہ کرنے والے کے لئے دریافت کیا گیا کہ جب وہ واپسی کا ارادہ کرے تو کیا اس پر وداع ضروری ہے؟ انہوں نے کہا اس کو اختیار ہے پھر فرمایا۔ مجھے وداع کا لفظ پسند نہیں ہے۔ طواف کہو قرآن نے وَلَيَطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ کہا ہے۔ اسی طرح مجھے لفظ زیارت پسند نہیں۔ اسی طرح میں قول زُذْتُ النَّبِيَّ کو پسند نہیں کرتا۔ حضور کی ذات اس سے اعلیٰ و ارفع ہے کہ اس کی زیارت کی جائے۔ وداع کا لفظ بھی نہ لغت میں ہے نہ قرآن میں بلکہ طواف کا لفظ آیا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا کہ آخری عبادت طواف کعبہ ہے۔

پھر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا گیا کہ آخری طواف میں کعبہ کے پردوں سے چمٹنا چاہیے؟ انہوں نے فرمایا بس وقوف و دعا کرنی چاہیے۔ پھر ان سے عرض کیا گیا کہ قبر النبی ﷺ کے پاس بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ انہوں نے کہا بیشک وقوف اور دعا ہونی چاہیے۔ ”الموازية“ مالکیوں کی معتبر ترین کتاب ہے جس سے میں نے یہ باتیں نقل کی ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال کو ملا کر یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ جس طرح آخری طواف کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ اس کے لئے لفظ وداع کے استعمال کو مکروہ کہا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی عقلمند شخص یہ تصور نہیں کر سکتا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ طواف وداع کو ناپسند کرتے تھے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی قبر کے معاملہ میں زیارت کے لفظ کو پسند نہیں کیا ورنہ وہ اس کے قائل ہیں کہ وہاں قیام کیا جائے اور صلوة و سلام پڑھا جائے۔ اب اگر کوئی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف یہ مسوب کرتا ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر پر حاضری اور صلوة و سلام کو ممنوع قرار دیتے تھے تو یہ امام

مالک رحمہ اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے اور خود اس قائل کی عقل کا قصور ہے۔

ازالہ اشکال:

اگر کوئی یہ کہے کہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ”مصنف“ میں سند کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ حسن ابن حسن ابن علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو قبر النبی ﷺ کے پاس دیکھا تو ان کو روکا اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”میری قبر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر وہیں سے درود و سلام بھیج دیا کرو وہ مجھ تک پہنچ جائے گا“ میں کہتا ہوں کہ قاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ“ میں سند متصل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا ایک شخص روزانہ آ کر قبر النبی ﷺ کی زیارت کرتا ہے اور درود و سلام پڑھتا ہے۔ اس پر امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پوچھا کہ تم یہ کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام پیش کروں۔ اس پر امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرمایا: کیا میں تمہیں حدیث نہ سناؤں جو میں نے اپنے والد گرامی سے سنی ہے اس نے کہا اچھا سنائیں۔ پس امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرمایا: میرے والد گرامی نے مجھے اپنے والد گرامی کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”میری قبر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر وہیں سے درود و سلام بھیج دیا کرو وہ مجھ تک پہنچ جائے گا“

اس قصہ سے معلوم ہوا کہ امام زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لئے جہز کا تھا کہ وہ اس معاملہ میں حد سے تجاوز کر رہا تھا اور مسنون طریقہ کو چھوڑ رہا تھا۔ اور یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ سلام دور سے بھی پہنچ جاتا ہے تاکہ ہر وقت حاضر ہو کر سلام پیش کرنے میں مشقت ہوتی ہے۔ تو امام زین العابدین کا قول بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول تھا۔ ورنہ سلف میں کسی سے کیسے ممکن ہے کہ مطلق زیارت قبر پر اعتراض کرے اور خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کو مکروہ قرار دے

جس پر اجماع ہو چکا ہے اور ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ جو احادیث اور آثار اس زیارت کی ذیل میں وارد ہوئے ہیں۔ پس نبی اکرم ﷺ اور دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں پس ان کے بارے میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے؟

اب حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ” لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيْدًا “ (میری قبر کو عید نہ بناؤ) امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کی سند میں نافع الصائغ ہیں ان سے سنن کے چاروں آئمہ اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ ” تعرف حفظه و تنكر “ اور امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے وہ حافظ نہیں اور یہ لین ہے اس کا حفظ معروف ہے مگر منکر ہے اور یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اور ابو زرہ نے کہا ہے لا باس بہ۔

اور ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ انہوں نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے غرائب روایت کی ہیں اور یہ اپنی روایات میں مستقیم الحدیث ہے۔ اگر یہ حدیث ثابت نہ ہو تو کوئی کلام نہیں اور اگر یہ ثابت ہو جائے یہ زیادہ اقرب ہے۔ شیخ زکی الدین المندری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس کے معنی میں یہ بھی احتمال ہے کہ قبر نبی پر بکثرت حاضر ہونے کی ترغیب کے لیے یہ حدیث وارد ہوئی ہو یعنی جس طرح عید سال میں صرف دو مرتبہ آتی ہے تم میری قبر پر حاضری کی یہ صورت نہ کرنا بلکہ بکثرت حاضری دینا اور اس معنی کی تائید اسی حدیث کا دوسرا حصہ کرتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔ ” اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ “ یعنی وہاں نماز پڑھنا نہ چھوڑو کہ وہ قبرستان کی طرح ہو جائیں جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے اس کی مراد یہ ہو کہ میری قبر پر حاضری کا کوئی وقت مخصوص نہ کرو جیسا کہ بعض چیزوں کی زیارت کے لیے دن مخصوص کر دیا جاتا ہے بلکہ جس دن چاہو حاضری دیا کرو اور یہ بھی معنی ہیں کہ میری قبر پر حاضری کے لیے ایسی زیب و زینت نہ کیا کرو جیسا کہ عید کے لیے کرتے ہو محض حاضری سلام و صلوٰۃ و زیارت کے لیے ہونی چاہیے کہ حاضری دینے کے بعد پھر زائر واپس لوٹ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے نبی ﷺ کی مراد کو بہتر جانتا ہے۔

زیارتِ قبر النبی ثواب کا کام ہے

یہ بات کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے کہ زیارت قبر النبی ثواب کا کام ہے۔

کتاب اللہ سے ثبوت:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

”ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما“ [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔)

یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے پر راہنمائی کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ گناہگار رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور وہاں مغفرت چاہیں اور رسول اللہ ﷺ ان کی مغفرت کی سفارش کریں۔ یہ آیت اگرچہ حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں آئی ہے لیکن یہ حضور ﷺ کا وہ رتبہ ہے جو وفات سے بھی کم نہ ہوگا۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونا تو حضور نبی اکرم ﷺ سے مغفرت کی دعا کرانے کے لیے تھا اور یہ بات آپ کے وصال مبارک کے بعد متصور نہیں۔ اس بارے میں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ثواب و رحیم ہونا تین امور پر منحصر ہے۔

۱۔ گناہگار کا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی چاہنا۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمانا۔

جہاں تک حضور نبی اکرم ﷺ کے دعا فرمانے کا تعلق ہے تو وہ آپ ﷺ نے تمام مومنین کے لیے فرمادی ہوئی ہے۔ آیت مبارکہ میں مذکور ہے۔

”وَاسْتَغْفِرْ لَذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ“ [سورہ محمد: ۱۹]

اور استغفار کریں اپنے بعد آنے والوں کے لیے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے

اسی لیے عاصم بن سلیمان تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مرز جس رضی اللہ عنہ صحابی سے کہا تھا۔ آپ کے لیے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے مغفرت کی دعا فرمادی تھی تو انہوں نے کہا: ہاں اور تمہارے لیے بھی۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ اس روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے۔

پس مذکورہ تین امور میں سے استغفار رسول ﷺ سب مسلمانوں کے لیے ثابت ہے۔ پس اب اگر وہ حاضر ہو گئے اور انہوں نے استغفار مکرری تو وہ تینوں چیزیں تحقق ہو گئیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ قبول کرنے اور رحم فرمانے کی شرط تھیں۔ اور رسول اکرم ﷺ کا گناہ گاروں کے لیے استغفار کرنا، اس کے لیے یہ شرط نہیں تھی کہ وہ گنہگاروں کے استغفار کے بعد ہو۔ بلکہ مطلقاً رسول اکرم ﷺ کے استغفار کا ذکر کیا گیا ہے خواہ وہ استغفار پہلے ہو یا بعد میں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ ان (گنہگاروں) کے استغفار میں آپ ﷺ کا استغفار شامل ہو۔ اس لیے اگر ”وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُولُ“ کا عطف ”فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ“ پر کیا جائے تو گنہگاروں کا استغفار کرنا رسول اکرم ﷺ کے استغفار کے بعد ہونا ثابت ہوگا۔ لیکن اگر ہم ”وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُولُ“ کا عطف ”جاء وک“ پر کریں تو پھر رسول اکرم ﷺ کے استغفار کا ان کے استغفار کے بعد ہونا ضروری نہ ہوگا۔

یہ اس صورت میں ہے کہ جب ہم یہ سمجھ لیں کہ بعد از وصال رسول اللہ ﷺ استغفار نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ہم ایسا ہرگز خیال نہیں کرتے اور ہم آئندہ یہ واضح کریں گے کہ آپ بعد از وصال بھی امت کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اور اگر آپ کے بارے

میں اگر یہ عقیدہ بھی رکھا جائے کہ آپ اب امت کے لیے استغفار نہیں کرتے تو پھر بھی جب یہ معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت امت پر کمال درجے کی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اب بھی آنے والے کے لیے استغفار کر سکتے ہیں۔ بہر صورت یہ بات ثابت ہوگئی کہ آنے والے کے لیے تینوں امور حاصل ہو جاتے ہیں خواہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہری میں آیا ہو یا آپ کے وصال مبارک کے بعد۔

اس آیت مبارکہ کا نزول اگرچہ خاص ایک قوم کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہوا تھا لیکن علت کے عام ہونے کی وجہ سے یہ حکم ہر آنے والے کے لیے ہو گا خواہ وہ آپ کی زندگی میں آپ کی خدمت میں پہنچا ہو یا وصال کے بعد، اسی لیے علمائے کرام نے آیت سے دونوں حالتوں میں اس حکم کا عموم سمجھا ہے اور جو شخص بھی آپ کی قبر انور پر پہنچے اس کے لیے اس آیت کی تلاوت اور استغفار کو مستحب قرار دیا ہے اور اس بارے میں شیخ عقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قصہ مشہور ہے جو ہم تیسرے باب کے آخر میں ذکر کر چکے ہیں اور جس کو ہر مذہب کے علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ اور مستحب خیال کرتے ہیں اور اس کو آداب زائر میں سے قرار دیتے ہیں۔

سنت مبارکہ سے دلائل:

جہاں تک سنت کا تعلق ہے تو ہم باب اول اور باب ثانی میں ان احادیث کا ذکر کر چکے ہیں جو خاص طور پر آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں منقول ہیں اور وہ احادیث بھی ذکر کر چکے ہیں جن میں عام قبور کی زیارت کا حکم ہے اور ان میں آپ ﷺ کی قبر مبارک بھی داخل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو“ اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قبور کی زیارت کیا کرو کیونکہ وہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔“ حافظ ابو موسیٰ اصہبانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”آداب زیارت القبور“ میں ذکر کیا ہے کہ زیارت قبور کا حکم حدیث حضرت بریدہ اور حضرت انس اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ اور حضرت ابی ابن کعب اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہم

میں وارد ہوا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک سید القبور ہے وہ بھی لامحالہ قبروں کے عموم میں داخل ہے اور اس کی زیارت بھی عام حکم میں شامل ہے۔

اجماع امت سے دلائل:

اجماع کی بات تو ہم قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے چوتھے باب میں نقل کر چکے ہیں۔ یہ یاد رکھیں علمائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ مردوں کے لیے قبور کی زیارت کرنا مستحب ہے بلکہ بعض ظاہر یہ اسی حدیث کی وجہ سے قبروں کی زیارت کے وجوب کے قائل ہیں۔ حضور ابو زکریا نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو زیارت قبور کے استحباب پر اجماع نقل کیا ہے۔

زیارت قبور کے منکرین کے اقوال:

”مصنف ابن ابی شیبہ“ میں امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے انہوں نے کہا ہے کہ اگر زیارت قبور کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ممانعت نہ ہوتی تو میں اپنی بیٹی کی قبر کی زیارت کو جاتا۔ اگر یہ نسبت ان کی طرف صحیح ہے تو یہی کہا جائے گا کہ اس بارے میں ناسخ قول ان تک نہیں پہنچا تھا۔ اور انہوں نے اپنے اس موقف کی کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی اس لیے یہ قابل اعتبار نہیں ہوگا۔

اسی طرح حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے ”وہ زیارت قبور کو مکروہ سمجھتے تھے“ لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہیں جو مکروہ سمجھتے تھے؟ لہذا ان کا یہ قول حجت نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کراہت کی وجہ بیان نہیں کی لہذا اس سے مراد زیارت قبور کی کوئی کراہت والی صورت ہی مراد ہوگی۔

پس یہی دو قول ہیں جن سے زیارت قبور کو روکنے والا شخص استدلال کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ دو قول اس درجہ کے نہیں ہیں کہ صحیح احادیث اور مشہور سنت کے معارض ہو سکیں بلکہ اگر ان قولوں کو صحیح بھی مان لیا جائے تو یہ قول اس قدر شاذ ہوں گے جن کا اتباع اور ان پر اعتماد درست نہ ہوگا اس لیے کہ ہمیں قطعی طور پر مردوں کے لیے

زیارت قبول کا شریعت سے ثبوت ملتا ہے۔ اور آپ ﷺ کی قبر مبارک بھی اس عموم کے ماتحت آ جاتی ہے لیکن ہمارا مقصود آپ ﷺ کی قبر انور کی زیارت کا مستحب ہونا خاص دلائل سے ثابت کرنا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کا مستحب ہونا:

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کا حکم خاص و عام دلائل سے ثابت ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر مردوں کے لیے غیر نبی کی قبر کی زیارت میں اختلاف بھی ہو تو بھی اس سے حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کا مختلف فیہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا اس لیے کہ زیارت قبر میں صاحب قبر کی تعظیم ہے۔ اور تعظیم نبی واجب ہے اور غیر نبی کی تعظیم واجب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے معاملہ میں مرد و عورت کا بھی فرق نہیں ہے اور قبر نبی کی زیارت کے لیے عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے دیگر قبور کی زیارت کے استحباب میں اجماع صرف مردوں کے لیے ہے۔

عورتوں کے لیے زیارت قبور کا حکم:

عورتوں کے لیے زیارت قبور کے مسئلہ میں ہمارے مذہب میں چار اقوال ہیں۔

۱۔ مشہور قول یہ ہے کہ ان کے لیے قبرستان جانا مکروہ ہے۔ شیخ ابو حامد، محاطی، ابن الصباغ، جرجانی، نصر مقدسی، ابن ابی عمرو رحمہم اللہ تعالیٰ اسی کے قائل ہیں اور اس کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہی نہیں ہے۔ صاحب المہذب اور صاحب البیان اسی کے قائل ہیں۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ فعل ان کے لیے مکروہ ہے نہ مستحب بلکہ مباح ہے۔ اور اس قول کے قائل امام رویانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

۴۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اگر ان کا زیارت کرنا غم تازہ کرنے اور نوحہ کرنے کے لیے ہے

تو حرام ہے۔ اور اگر محض عبرت کے لیے ہے تو مکروہ ہے مگر بوڑھی عورتوں کے لیے مباح ہے۔ جیسا کہ ان کے لیے مسجد میں جماعت کے لیے حاضر ہونا مباح ہے۔ اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف ہے۔ مرد اور عورت میں یہ فرق اس لیے ہے کہ مرد کے پاس ضبط اور قوت ہوتی ہے اس لیے وہ زیادہ آہ و بکاء نہیں کرتا جبکہ عورت اس کے برعکس ہے۔

جو حضرات عدم جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ”اللہ تعالیٰ نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔“ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے اور اس کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کو امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

زیارتِ قبور کے جواز کے دلائل:

جو حضرات عورتوں کے زیارتِ قبور کے لیے نکلنے کے جواز کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ”میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا پس زیارت کیا کرو۔“ اس اجازت میں مرد و عورت سب داخل ہیں۔ مگر اس کے برعکس جو لوگ عدم جواز کے قائلین ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ صرف مردوں کو خطاب ہے اور صرف انہی کو اجازت ملی تھی۔

جواز کے قائلین یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک عورت کو قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ سے ڈر اور صبر کر۔“ اور اس کو قبر کی زیارت سے منع نہیں کیا۔ اور یہ صحیح استدلال ہے۔

جواز کی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے دریافت کیا کہ قبرستان جا کر میں کیا دعا پڑھوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یوں کہنا: ”السلام علی اہل الدیار من المؤمنین“ (اہل دیار کے رہنے والوں پر سلام ہو مومنوں کی طرف سے۔) یہ بھی صحیح استدلال ہے۔ نیز ہم عنقریب آپ ﷺ کے بقیع

تشریف لے جانے کا واقعہ ذکر کریں گے وہ بھی صحیح استدلال ہے۔

قبر انور کی حاضری کے مستحب ہونے کا قیاس سے جواز:

حضور نبی مکرم ﷺ کی قبر کی زیارت عبادت اور کارِ ثواب ہے۔ اس موضوع کو قیاس سے بھی ثابت کیا جاسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ حضور نبی اکرم ﷺ جنت البقیع اور شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے اور یہ جانا آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ دوسروں کے لیے بھی مستحب ہے۔ تو جب آپ ﷺ کی قبر انور کے علاوہ دوسری قبروں پر جانا مستحب ہوا تو پھر آپ کی قبر کی زیارت کیوں مستحب نہ ہوگی؟ جبکہ ہر مسلمان پر آپ ﷺ کے حقوق ہیں۔ اور ہر مسلمان پر آپ ﷺ کی تعظیم واجب ہے۔

اشکال:

اب اگر کوئی یہ کہے کہ عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت تو اس لیے کی جاتی ہے کہ وہاں پہنچ کر ان کی مغفرت کی دعا کی جائے۔ جس طرح کہ حضور ﷺ نے اہل بقیع کی زیارت فرمائی۔ تو حضور نبی مکرم ﷺ کا مقصد ان اصحاب القبور کی مغفرت کی دعا کرنا تھا نہ کہ اپنی مغفرت کرانا۔ لہذا حضور ﷺ اس سے مستغنی ہیں کہ آپ کی مغفرت کی دعا کی جائے اس لیے آپ کی قبر مبارک کی حاضری کیونکر کی جاتی ہے؟

جواب:

حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت اس لیے نہیں ہے کہ حضور کی مغفرت کی دعا کی جائے بلکہ آپ کی تعظیم کے لیے اور تبرک حاصل کرنے کے لیے ہے۔ اور اس لیے ہے کہ ہمارے صلوٰۃ و سلام سے ہم پر رحمت نازل ہو اور ہمیں ثواب حاصل ہو جیسا کہ عام حالات میں ہمیں درود شریف پڑھنے کا حکم ہے یا حضور ﷺ کے لیے وسیلہ کی دعا کرنے کا حکم ہے۔ یہ چیزیں تو خود حضور ﷺ کو ہماری دعا و درود سے پہلے حاصل ہیں ہمیں تو اس لیے حکم دیا گیا ہے تاکہ اس فعل سے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمیں حاصل ہو جائے۔

اعتراض:

اگر یہ کہا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت تعظیم کے لیے اور عبادت سمجھ کر کی جاتی ہے اور اس میں اندیشہ ہے کہ مبالغہ شروع ہو جائے اور اس کو پوجنا شروع کر دیا جائے جبکہ یہ احتمال عام قبروں کی زیارت میں نہیں ہے۔

جواب:

یہ بات تو اس قدر لچر اور مبنی بر جہالت ہے کہ اس کے جواب کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ان اوہام کی بنیاد پر زیارت کے تمام احکام سے قطع نظر کی جائے گی تو پھر کوئی فرض قابل عمل نہ رہے گا۔ ہر واجب اور فرض پر اس طرح کے باطل اوہام پیدا کیے جاسکتے ہیں۔ متقدمین نے ان باطل اوہام کی بنیاد پر کبھی بھی زیارت قبر نبی سے قطع نظر نہیں کیا۔

اس کے علاوہ علمائے کرام نے وہ تمام حدود متعین کر دی ہیں جو تعظیم کے لیے ہیں اور عوام کو اس میں مبالغہ سے روک دیا ہے۔ اور ان تمام آداب کو واضح کر دیا ہے جو زیارت قبر نبی کے لیے ضروری ہیں۔ تو اب محض اس باطل وہم سے قبر نبی کی زیارت سے قطع نظر نہیں کیا جاسکتا۔ علمائے کرام کی جانب سے زیارت قبر النبی ﷺ کے آداب بیان کرنے کے بعد اس بات کا خطرہ نہیں کہ وہاں غیر اللہ کی عبادت ہوگی۔ اب اگر کوئی منصب نبوت کی تعظیم کو ترک کرے گا اور اس تعظیم کو خدا کی عبادت سمجھے گا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا اور جو تعظیم نبی اس پر فرض تھی اس کی ادائیگی میں اس نے کوتاہی کی۔

زیارت قبور کی اقسام:

زیارت قبور کی چار اقسام ہیں۔

پہلی قسم:

ایک قسم تو یہ ہے کہ زیارت سے مقصود محض موت کو یاد کرنا اور آخرت کو یاد کرنا ہوتا ہے۔ اس میں تو مطلقاً قبروں کی زیارت کافی ہے۔ خواہ زائر ان اہل قبور سے واقف

ہو یا نہ ہو۔ یہاں نہ استغفار کا قصد ہوتا ہے نہ برکت حاصل کرنے کا نہ ان کے حقوق ادا کرنے کا اور زیارت کی یہ صورت مستحب ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ”قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔“ وہ اس طرح کہ انسان جب قبر دیکھتا ہے تو اس کو موت اور اس کے بعد کی کیفیات یاد آتی ہیں اور اس کو نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ اس قسم میں تمام قبور کی زیارت شامل ہے اور تمام قبور کی زیارت کا یکساں حکم ہے جیسا کہ نماز کے ثواب کے بارے میں تین مسجدوں کے علاوہ تمام مساجد کا یکساں حکم ہے۔

دوسری قسم:

دوسری قسم یہ ہے کہ زیارت قبور کا مقصد اہل قبور کے لیے دعا کرنا ہو جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اہل بقیع کی زیارت کی۔ اور اس طرح کی زیارت ہر مسلمان کی قبر کے لیے مستحب ہے۔

تیسری قسم:

تیسری قسم یہ ہے کہ نیک لوگوں کی قبر کی زیارت کی جائے تاکہ برکت حاصل ہو۔ اس کے بارے میں ابو محمد شار مساجی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ نفع اور برکت حاصل کرنے کے لیے کسی قبر کی زیارت بدعت ہے سوائے قبر رسول اکرم ﷺ اور دیگر رسل عظام سلام اللہ علیہم کی قبروں کے۔ کسی اور قبر کی اس لحاظ سے زیارت کیا یہ واقعی بدعت ہے؟ اس بارے زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اس موقع پر صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت اور دیگر انبیائے کرام سلام اللہ علیہم کی قبور کی زیارت تبرک حاصل کرنے کے لیے جائز ہے۔

چوتھی قسم:

چوتھی قسم یہ ہے کہ قبور کی زیارت اہل قبور کے حقائق ادا کرنے کے لیے کی

جائے۔ اگر کسی کا کسی پر حق ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اس کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرے اور قبر کی زیارت کرنا بھی صاحب قبر کے ساتھ نیکی کا برتاؤ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اپنی والدہ کی قبر کی زیارت اسی قسم کی تھی۔

منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور صحابہ کرام علیہ السلام پر بھی گریہ طاری ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا ”میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ ان کی مغفرت کی دعا کروں تو اس کی اجازت نہ ملی۔ ہاں قبر پر حاضری کی اجازت مل گئی۔ لہذا تم بھی قبور کی زیارت کر لیا کرو کہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔“ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ یہ زیارت میت کے لیے رحمت ہوتی ہے اور وہ اس زیارت سے مانوس ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قبر میں میت اس زیارت کرنے والے سے زیادہ مانوس ہوتی ہے جو اسے دنیا میں محبت کرتا تھا۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب کوئی مومن اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے جس سے اس کی دنیا میں جان پہچان تھی پھر وہ اس کو سلام کرتا ہے تو وہ (مردہ) اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔“ اس حدیث کو بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تذکرہ میں کہا ہے کہ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اور ایسے بہت سے آثار ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ زندہ لوگ جب مردوں کی قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور ان کے لیے درود و سلام کا تحفہ بھیجتے ہیں تو مردے کو نفع پہنچتا ہے۔ جب یہ واضح ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ زیارت قبر نبوی ﷺ میں چار مقاصد جو ہم نے بیان کیے، وہ سب ثابت ہیں۔ پہلا تو وہ ظاہر ہے۔ اور دوسرا تو ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے لیے دعا کریں اگرچہ وہ بفضلہ تعالیٰ ہماری دعا سے بے نیاز ہیں۔

تیسری اور چوتھی وجہ اس طور پر پوری ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آپ سے زیادہ برکتوں والا کوئی اور نہیں ہے اور نہ آپ سے زیادہ مسلمانوں پر کسی کا حق ہے تو

وہ فوائد جو آپ کی قبر کی زیارت میں پائے جاتے ہیں کسی غیر کی قبر میں متصور نہیں ہیں جیسا کہ مسجد حرام کی فضیلت دوسری مسجد میں متصور نہیں ہے۔ اسی طور پر قبر نبی کا قصد کرنا خصوصی طور پر ثابت ہوا اور یہ تو اس وقت ہے کہ جب قبر نبی کی زیارت کے سفر پر کوئی خاص دلیل نہ ہو اب جبکہ خاص دلائل بھی موجود ہیں تو حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت بعینہ مستحب ہے اور غیر نبی کی قبر کی زیارت علی الاطلاق مستحب ہے اور اس پر اجماع بھی منقول ہے بلکہ بعض علمائے کرام تو اس کے وجوب کے قائل ہیں۔

ابن ابی زید رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”النواذر“ میں مذکور ہے۔ ”زیارت قبور میں، وہاں بیٹھنے میں اور وہاں سے گذرتے وقت سلام بھیجنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ فعل حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر سے واپس آئے۔ اس عرصے میں آپ کے بھائی عاصم کی وفات ہو گئی تھی تو آپ ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعا کی اور استغفار کیا۔ اور بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ دردناک اشعار بھی پڑھے۔

فان تک احزان و فانیض دَمْعَة

جَرَيْنَ دَمًا مِنْ دَاخِلِ الْجَوْفِ مُنْقَعَا

تَجَرَّعْتُهَا مِنْ عَاصِمٍ وَ اخْتَسَيْتُهَا

فَاَعْظَمُ مِنْهَا مَا اخْتَسَيْتُ وَ تَجَرَّعَا

فَلَيْتَ الْمَنَايَا كُنَّ خَلْفَنَ عَاصِمًا

فَعِشْنَا جَمِيعًا اَوْ ذَهَبَنَ بِنَا مَعًا

دَفَعْنَا بِكَ الْاَيَّامَ حَتَّى اِذَا اَتَتْ

تَرِيدُكَ لَمْ نَسْتَطِعْ لَهَا عَنْكَ مَدْفَعًا

۱۔ اگرچہ یہ غم اور بہنے والے آنسو ہیں مگر انہوں نے باطن سے مجتمع خون بہا دیا ہے۔

۲۔ میں نے عاصم کی وجہ سے ان کو گھونٹ گھونٹ پیا اور نگل لیا اس سے بڑھ کر وہ ہے جو اس نے پیا اور نگلا۔

۳۔ پس کاش موتیں عاصم کو باقی رکھتیں تو ہم ساتھ جیتے یا ہمیں ساتھ لے جاتیں۔

۴۔ تیرے ذریعے ہم نے مصائب کی مدافعت کی حتیٰ کہ وہ جب آئے تیرے ارادے سے ہم ان کو تجھ سے دور نہ کر سکے۔

ابن حبیب کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ایسا کیا جب آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے بھائی عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی اور آپ آئیں تو ان کی قبر پر گئیں۔ اور اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہل بقیع کے استغفار کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں یوں دعا فرماتے تھے ”اے مومنوں اور مسلمانوں کی بستی والو! تم پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ! رحم فرمائے ہمارے انگلوں پر اور پچھلوں پر اور ان شاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں ان کا بدلہ عطا فرما اور ان کے بعد ہمیں کسی فتنہ میں مبتلا نہ فرما۔“

اہل قبور کو سلام کرنے پر یہ دلیل بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو سلام کرنا مسنون عمل ہے۔ اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کی قبروں پر بھی تشریف لے گئے ان کو سلام کیا اور ان کے لیے دعا کی۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف:

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے زیارت قبور کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ”ابتداء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا پھر اجازت دیدی تھی تو اگر انسان کوئی کلمہ خیر کہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔“

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کا موقف:

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ یہ اجازت اس لیے دی گئی تاکہ زائر کو عبرت ہو۔ ہاں جو سفر سے واپس لوٹے اور اس کا کوئی عزیز مر گیا ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ دعا اور رحمت کی درخواست کرے۔ اور شہدائے احد کی قبروں پر بھی حاضری دینی چاہیے اور ان پر اسی طرح سلام پڑھنا چاہیے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر پڑھا جاتا ہے۔

بعض علمائے کرام نے زیارت قبور کے بارے میں ”لا باس“ کہا ہے۔ یعنی اگر کر لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لفظ سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو صرف مباح کہہ رہے ہیں لیکن مباح اور سنت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور شاید ان کے نزدیک زیارت قبور عیادت مریض کی طرح ہے۔ یعنی ان چیزوں کی طرح ہے جن کی اصل وضع، عبادت کے لیے نہیں ہے۔ اور اس پر آئندہ گفتگو ہوگی جب ہم اس موضوع پر بیان کریں گے کہ اگر کسی نے زیارت کی نیت کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ پس یہ اس طرح ہے جس طرح کہا جائے کہ مردوں کی زیارت زندوں کی زیارت کی طرح ہے مگر زندوں کی زیارت کو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ عبادت کے لیے ہے بلکہ اس کو کبھی تقرب الی اللہ کی نیت سے کر لیا جاتا ہے تو اس پر ثواب مل جاتا ہے اور کبھی تقرب کا قصد نہیں ہوتا تو اس پر ثواب مترتب نہیں ہوتا۔ اسی طرح زیارت قبور ہے اور اس میں قربت کی مختلف صورتیں ہیں ایک وجہ قربت کی یہ ہے کہ زیارت کرنے والا ہجرت اور آخرت کو یاد کرنے کے لیے زیارت کرے تو یہ زیارت ہر ایک کے لیے مستحب ہے۔

دوسری وجہ قربت کی یہ ہے کہ ترحم اور دعا کے لیے زیارت کرے اور یہ ان قبروں کے لیے ہے جو کسی رشتہ دار کی ہوں اور وہ رشتہ دار زیارت کرنے والے کی عدم موجودگی میں فوت ہو گیا ہو جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کیا جب وہ اپنے بھائی عاصم کی موت کے بعد وطن واپس ہوئے تھے۔ اسی طرح آپ کے صاحبزادے کا وصال آپ کی عدم موجودگی میں ہوا تو واپس آ کر آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر بتاؤ۔ آپ کو قبر بتائی

گئی تو وہاں پہنچ کر اس کی مغفرت کی دعائیں فرمائیں۔ اس کو ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کیا جب آپ کے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی وفات جہشی گاؤں میں ہوئی یہ گاؤں مکہ سے بارہ میل ہے۔ ان کا جنازہ مکہ لایا گیا اور ان کو وہاں دفن کیا گیا جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکہ پہنچیں تو ان کی قبر پر گئیں اور وہاں یہ اشعار پڑھے :

وَ كُنَّا كَنُذْمَانِي جَذِيمَةً حِقْبَةً
مِنَ الدَّهْرِ حَتَّى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا
فَلَمَّا تَقَرَّفْنَا كَانُنِي وَ مَالِكَا
لِطَوَّلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبْتَ لَيْلَةً مَعَا

اور ہم ایک عرصہ دراز تک جذیمہ کے دو ہم مجلسوں کی طرح تھے یہاں تک کہ یہ کہا گیا کہ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے۔

پھر جب ہم جدا ہو گئے تو گویا کہ میں اور مالک نے باوجود اجتماع کے طول کے ایک شب بھی ساتھ نہ گذاری تھی۔

اور پھر فرمایا: اگر میں وصال کے وقت موجود ہوتی تو اب قبر کی زیارت کو نہ آتی اور اگر میں اس وقت ہوتی تو اس جگہ دفن کراتی جہاں وصال ہوا تھا۔ ابن سعد نے طبقات میں ابن ابی ملیکہ سے نقل کیا ہے کہ میں اپنے گھر سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملنے چلا تو وہ ایک جگہ سے آتی ہوئی ملیں ان کے ساتھیوں نے بتایا کہ وہ اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر کی زیارت سے آرہی ہیں۔

امام محمد بن حسن سے السیر الکبیر میں بھی مذکور ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج کرنے یا عمرہ کرنے مکہ تشریف لائیں تو اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر گئیں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا اگر میں موت کے وقت ہوتی تو اب قبر کی زیارت کو نہ آتی یہ اظہار تاسف کے طور پر فرمایا کہ وہ پردیس میں فوت ہو گئے اور پھر قبر پر حاضری کے عذر کے طور پر فرمایا اس لیے کہ ایک حدیث سے بظاہر عورتوں کے قبرستان جانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”قبروں پر جانے والی عورتوں پر خدا کی لعنت ہے۔“ البتہ اس حدیث کی تاویل کی گئی ہے اور انہوں نے حدیث میں ظاہری ممانعت کی وجہ سے کہا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی قبر کے علاوہ دیگر قبور کی زیارت بھی باعث ثواب ہے اور بسا اوقات اس زیارت کی تاکید ہو جاتی ہے جیسا کہ کسی رشتہ دار کی قبر کی زیارت رشتہ داری کی وجہ سے اس پر حاضری کی تاکید ہے۔ اور جس سے کوئی رشتہ نہ ہو اس کی قبر پر حاضری بھی عبرت حاصل کرنے کے لیے اور رحم کی درخواست کرنے کے لیے مستحب ہے عام مسلمانوں کی قبروں کا یہی حکم ہے۔ زیارت قبر نبی ﷺ کے حوالے سے مالکیہ کی نصوص ساتویں باب میں آئیں گی۔ جب کوئی کسی ایک قبر کی زیارت کر لیتا ہے تو سنت ادا ہو جاتی ہے جو کہ حدیث سے ثابت ہے۔ اور ہم یہ نہیں کہتے کہ اس مغین قبر کی زیارت ہی سنت ہے تاکہ اس سے اس قبر کی فضیلت واضح ہو۔ بیشک تمام صلحاء کی قبور کی زیارت قربت ہے۔ اس کی مثال نماز مسجد میں پڑھنے کی مثل ہے کیونکہ اصل مقصود یہ ہے کہ نماز مسجد میں پڑھی جائے۔ اس لیے کسی بھی مسجد میں بھی نماز پڑھ لے گا تو یہ مقصد پورا ہو جائے گا کوئی خاص مسجد مطلوب نہیں سوائے ان تین مساجد کے کہ جن کو متعین کر دیا گیا ہے۔ اور ان مساجد میں نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہوگا۔

جب آپ یہ سمجھ گئے کہ زیارت قبور کا معاملہ مسجد کی نماز کی طرح کا ہے تو زیارت کے لیے کسی خاص قبر کا قصد مناسب نہیں ہے۔ جن علمائے کرام نے زیارت قبر کے لیے سفر کو ممنوع قرار دیا ہے اس سے مراد اس قسم کی زیارت ہے جہاں قبر سے عبرت حاصل کرنا مقصود ہو وہاں کسی خاص قبر کی نیت کرنا درست نہیں ہوگا۔ اب اگر بعض علماء نے باقاعدہ نیت کے ساتھ سواری پر زیارت قبور کے لیے جانے سے روکا ہے تو اس سے

ان کی مراد یہی ہوگی۔ مگر انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور سے یا ان لوگوں کی قبروں سے جن کے جنتی ہونے کی شرع نے گواہی دی ہے تبرک کی نیت سے سفر کیا جائے تو ان کے لیے سفر مستحب ہوگا۔ جیسا کہ مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس ان سب مساجد کے لیے سفر کرنا مستحب ہے۔

اگر کسی قبر کی زیارت کرنا مستحب ہے تو اس سے زیادہ تبرک حاصل کرنے کی نیت سے سفر کرنا بہتر ہے۔ ہاں اگر اس نے کسی خاص میت کے لیے دعا کی نذر کر لی ہو یا کسی ایسی ہستی کی کہ جس کے جنتی ہونے کی گواہی شریعت نے دے دی ہو جیسے سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما تو اس کا قصد کرنا مستحب ہوگا اور پھر نبی اکرم ﷺ کا درجہ تو ان سب سے بلند و بالا ہے جس طرح وہ مساجد جن کی عظمت کی شریعت نے گواہی دی ہے ان میں سے اعلیٰ درجہ مسجد حرام کا ہے۔ اور اس معنی میں سفر کی نیت نہیں کی جائیگی مگر صرف انبیائے کرام علیہم السلام کے مزارات کی۔

جب صرف قبرستان میں جا کر دعا کرنا مقصود ہو تو اور صاحب قبر کا کوئی خاص حق اس کے ذمہ نہ ہو تو اس وقت کسی خاص قبر کی نیت نہیں کی جائے گی۔ مگر کسی خاص میت کے لیے دعا کی نیت کی تھی تو پھر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا اس لیے کہ اس کا حق متعین ہو گیا۔ اب کوئی دوسری قبر اس کے قائم مقام نہیں بن سکتی۔ جیسا کہ کسی متعین فقیر پر صدقہ کرنے کی نذر کی ہو تو اسی فقیر کو صدقہ دینا ضروری ہوگا۔ اگر کسی مخصوص قبر پر پہنچ کر دعا کرنے کی نذر کی ہو تو قرین قیاس یہ ہے کہ اس کی وفا ضروری ہوگی اس لیے کہ دعا عند القبور مقصود ہے جیسا کہ اہل بقیع کے لیے دعا۔ اس صورت میں بھی اس واجب کی ادائیگی کے لیے سفر کرنا درست ہوگا جبکہ نذر سے وجوب ہو چکا ہے مگر بغیر نذر کے سفر کرنا درست نہ ہوگا۔ اس لیے کسی مخصوص قبر کے پاس پہنچ کر دعا کرنا شرع میں ثواب نہیں ہے کیونکہ میت کے حق کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن ادائے حق کے لیے جیسا کہ والدین کی قبر کی زیارت اس کا بعینہ قصد کرنا مشروع ہے اور اس کے لیے سفر کرنا جائز بلکہ مستحب ہوگا اور سب سے بڑا حق نبی مکرم ﷺ کا ہے تو اس وجہ سے وہاں پہنچنے کے لیے بھی سفر

مستحب ہوگا۔

یہ تمام بحث اس صورت تھی جب کوئی خاص دلیل قبر النبی ﷺ کی زیارت کی نہ ہوتی جب کہ یہاں تو زیارت کے لیے سفر کرنے پر خلف و سلف کا اجماع ہے۔ جب کوئی شخص زیارت قبر نبی ﷺ کی نذر کرے تو کیا اس پر نذر لازم ہوگی؟ قاضی ابن کج نے تصریح کی ہے کہ اس نذر کا پورا کرنا واجب ہوگا اور زیارت کرنا لازم ہوگا۔ اور العبدی المالکی نے اس نذر کے لزوم کی تصریح کی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر مستحب یا مقرب فعل نذر سے واجب نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ قربت کی دو قسمیں ہیں ایک قربت تو وہ ہے جو اصل وضع میں عبادت نہیں ہے بلکہ وہ اچھا عمل یا اخلاق حسنہ میں سے ہے جس کی ترغیب شارع نے عمومی فائدہ کی وجہ سے دی ہے۔ اس میں کبھی اللہ تعالیٰ کی رضا مندی بھی مقصود ہوتی ہے تو ثواب مل جاتا ہے۔ جیسا کہ مریض کی مزاج پرسی، دور سے آنے والوں کی ملاقات اور سلام کو رواج دینا۔

اس قسم کی قربت کے لازم ہونے میں دو قول ہیں۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ نذر کرنے سے اس قربت کا لزوم ہو جائے گا اس لیے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”جس شخص نے نذر مانی ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے گا تو ضرور فرمانبرداری کرے۔“ اس قسم میں جنازے کی شرکت اور چھینکنے والے کو دعا دینا شامل ہے۔

دوسری قسم عبادات مقصودہ میں نذر ماننے کے حوالے سے ہے۔ عبادات مقصودہ وہ ہیں جن کی اصل وضع تقرب الی اللہ کے لیے ہے اور ان کا مخلوق کو مکلف بنایا گیا ہے۔ جیسے کہ عبادت نماز، روزہ، صدقہ اور حج۔ یہ قسم نذر سے بالاجماع لازم ہو جاتی ہے سوائے بعض مستثنیٰ صورتوں کے۔

بعض علمائے کرام نے اس طور پر وضاحت کی ہے کہ قسم اول وہ ہے جس کو ابتداء شرع نے واجب قرار نہیں دیا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کو ابتداء سے ہی واجب قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے اعتکاف کو دوسری قسم میں داخل کیا ہے اگرچہ وہ ابتداء واجب نہیں ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ اعتکاف کے معنی ایک جگہ ٹھہرنے کے ہیں اور اس کی جنس

جو شرعا واجب ہے وہ عرفات میں ٹھہرنا ہے۔ قسم اول میں تجدید وضو کو داخل کیا ہے اس لیے کہ شریعت میں بغیر حدث کے وضو واجب نہیں ہے۔ اور وضو مقصود بالذات بھی نہیں ہے بلکہ وہ نماز کی شرائط میں سے ہے۔ صحیح یہی ہے کہ تجدید وضو نذر سے واجب ہو جائے گا۔

جو صورتیں مستثنیٰ ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ کسی واجب کی ایک صفت کو تنہا اپنے اوپر لازم کرنا جیسا کہ طویل قراءت یا فرض نماز کو جماعت سے ادا کرنے کی نذر ماننا۔ اس میں دو قول ہیں۔ رائج قول یہی ہے کہ نذر ماننے سے لزوم ہو جائے گا۔ ایسی صورت کہ جس میں کسی شرعی رخصت کا ابطال ہو رہا ہو جیسے کہ سفر میں رمضان کے روزے کی نذر ماننا، اس میں بھی دو قول ہیں۔ رائج قول یہی ہے کہ لزوم نہ ہوگا۔ اسی طرح مریض کا نذر ماننا کہ وہ تکلیف کے ساتھ کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کرے گا یا روزے کی نذر کرنا کہ وہ مرض میں بھی افطار نہ کرے گا۔ اس میں صحیح قول یہ ہے کہ لزوم نہ ہوگا۔

اگر کسی نے نفلوں میں قیام کی نذر مانی یا پورے سر کے مسح کرنے کی یا سر کے مسح کو تین بار کرنے کی نذر مانی یا سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر کی نذر مانی تو رافعی نے ان صورتوں میں لزوم و عدم لزوم دونوں کو جائز قرار دیا ہے مگر تیمم کی نذر منعقد نہ ہوگی اس لیے کی اس کا جواز ضرورت کے وقت ہے۔

اگر اس نے کسی خاص جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر نماز لازم ہو جائے گی۔ اور کیا یہ جگہ بھی متعین ہو جائے گی؟ اس بارے میں یہی موقف ہے کہ اگر اس نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی تو یہ جگہ لازم ہو جائے گی اور اگر اس نے مسجد نبوی کی نیت کی تھی تو مسجد نبوی یا مسجد حرام متعین ہوں گی اور اگر مسجد اقصیٰ کی نیت کی تھی تو وہ یا پہلی دونوں مسجدیں متعین ہو جائیں گی۔ (یعنی مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو مسجد حرام یا مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے سے نذر پوری ہو جائے گی کیونکہ یہ دونوں مسجدیں اس سے درجہ میں اعلیٰ ہیں) اور اگر اس نے ان کے علاوہ کسی اور مسجد کی نیت کی تھی تو وہ جگہ متعین نہ ہوگی اور اگر اس نے مسجد حرام میں جانے کی نذر مانی تو نذر لازم ہو جائے گی۔ اور اگر مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ پہنچنے کی نذر کی تھی تو اس میں امام شافعی رحمہ اللہ

تعالیٰ کے دو قول ہیں۔ اظہر قول یہ ہے کہ نذر لازم نہ ہوگی۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”کتاب الام“ میں فرمایا ہے کہ بیت اللہ شریف پہنچنے کی نیکی فرض ہے اور باقی دونوں جگہ پہنچنا نفل ہے۔ اس قول کی دلیل میں حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے جس کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے۔ فتح مکہ کے دن ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اس نے نذر مانی تھی کہ اگر آپ نے بیت اللہ فتح کر لیا تو وہ بیت المقدس میں جا کر دو نوافل پڑھے گا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”یہاں نماز پڑھ لے“۔ اس کے دوبارہ سوال پر بھی نبی اکرم ﷺ نے یہی فرمایا ”یہاں نماز پڑھ لے“ تیسری بار سوال پر فرمایا: ”پھر تیرا جو جی چاہے وہ کر۔“

حضرت عمر بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ پس نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اگر تم نے یہاں نماز پڑھ لی تو بیت المقدس میں پڑھنے والی نماز ادا ہو گئی۔“

یاد رکھیں کہ اگر بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو مسجد حرام میں نماز پڑھ لینے سے نذر پوری ہو جاتی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ استدلال غلط ہوگا کہ بیت المقدس میں نذر ماننے سے نذر لازم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ بیت المقدس میں نماز کی نذر مسجد حرام میں نماز ادا کرنے سے بدرجہ اولیٰ ادا ہو جائے گی اور اس لیے کہ دونوں مسجدیں انبیائے کرام علیہم السلام کی مساجد ہیں اور مکہ کی نماز بیت المقدس کی نماز سے افضل ہے تو لامحالہ بیت المقدس میں نماز کی نذر مکہ میں نماز پڑھنے سے ادا ہو جائے گی۔

اگر کسی نے بیت المقدس تک چلنے کی نذر نہ مانی ہو تو صرف نماز کا لزوم رہ جائے گا تو اس کی نذر بیت الحرام میں نماز سے پوری ہو جائے گی اور اگر چل کر جانے کا بھی اس کے ذمہ لزوم مانا جائے تو بیت الحرام کی نماز سے نذر پوری نہ ہوگی۔ ہاں اگر وہ اس مسافت کی مقدار مکہ مکرمہ کی طرف بھی مسافت طے کر لے جو اس کے اور بیت المقدس

کے درمیان تھی تو بے شک نذر پوری ہو جائے گی۔ حدیث میں اس بات کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ اس شخص نے بیت المقدس تک جانے کی بھی نذر مانی تھی یا صرف نماز کی ہی نذر مانی تھی اگر صرف نماز کی نذر مانی جائے تو مکہ کی نماز سے اس کی ادائیگی ہو جانی ظاہر ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ بیت المقدس میں نماز کی نذر میں لامحالہ بیت المقدس تک جانے کی بھی نذر ہے تو اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بیت المقدس جانے کی منت کا لزوم نہیں ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ہم نے اس بحث کو بہت طویل کر دیا لیکن یہ بات ظاہر ہو گئی کہ بعض التزامات تو وہ ہیں جن کے نذر سے لازم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو قول صحیح کے مطابق لازم ہو جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو قول صحیح کے مطابق لازم نہیں ہوتے۔ اور آپ کو ان میں سے ہر قسم کا ماخذ معلوم ہو گیا۔ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ کسی نذر کے لازم ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو اور یہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ ہمارے اصحاب کا دوسرا قول یہ ہے کہ نذر کے لزوم کی شرط یہ ہے کہ اس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو اور یہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔

قبر نبی ﷺ کی زیارت کی نذر ماننے کا حکم:

جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھ لیں کہ قبر نبی ﷺ کی زیارت ایک قربت اور باعث ثواب عمل ہے کیونکہ شریعت نے اس کی ترغیب دی ہے اور اس پر آمادہ کیا ہے۔ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ اس کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت عموم کی ہے اور ایک جہت خصوص کی۔ خصوص کی جہت تو یہ ہے کہ خاص دلائل سے اس کا باعث قربت ہونا ثابت ہے تو اب نذر ماننے سے اس کا لزوم یقینی طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ اور اس کو ان عبادات مقصودہ کے ساتھ لاحق مانا جائے گا جو صرف عبادت کے طور پر کی جاتی ہیں۔ جیسا کہ نماز، صدقہ، روزہ، اعتکاف۔ اسی وجہ سے قاضی ابن کج رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی نے نذر مانی کہ وہ قبر نبی کی زیارت کرے گا تو اس کے لیے بالاتفاق اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

غیر نبی کی زیارت قبر کی نذر ماننے کا حکم:

اگر کسی شخص نے کسی غیر نبی کی قبر کی زیارت نذر مانی تو اس میں دونوں صورتیں ہیں۔ میں کہتا ہوں اور جن کا موقف ہے کہ یہ نذر لازم ہوگی یہی حق ہے۔ یہ ان دلائل کی بنیاد پر ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ البتہ غیر نبی کی قبر کی نذر میں لزوم و عدم لزوم ممکن ہے اس وقت ہو جب کہ مطلقاً قبر کی نذر مانی ہو اور لازم اس لیے قرار دیا ہو کہ جس طرح سفر سے آنے والوں کی زیارت کی منت اور سلام کو رائج کرنے کی منت لازم ہوتی ہے۔ یعنی ان چیزوں کی طرح جو اصل وضع میں قربت مقصودہ نہیں ہیں اگرچہ محض قربت ہیں۔ اور اس صورت میں اصح یہ ہے کہ لزوم ہو جائے گا۔ انبیائے کرام سلام اللہ علیہم کے علاوہ کسی معین قبر کی زیارت کوئی قربت نہیں ہے۔ اور قبر النبی ﷺ کی زیارت کی نذر ماننے سے اس کا لزوم ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس میں وہ تمام باتیں موجود ہیں جن کی وجہ سے زیارت مقصود ہوتی ہے۔

نذر کے وجوب کی شرط:

بعض لوگ نذر کے وجوب کی یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کی جنس کا کوئی فرد واجب ہو جیسے کہ اعتکاف۔ اور اعتکاف کا وجوب نذر سے اس لیے ہو جاتا ہے کہ اس کی جنس کا ایک فرد وقوف عرفہ واجب ہے۔ اس کے لیے کہا جائے گا کہ زیارت نبی کی جنس کا بھی وجوب ثابت ہے اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات ظاہری میں آپ ﷺ کی طرف ہجرت تھی۔ تو اب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ جو چیز نذر سے لازم ہوگی وہ تقرب ہوگی اور ہر تقرب کا لزوم نہیں ہوتا اور زیارت قبر نبی ﷺ ایسی قربت ہے جو نذر سے واجب ہو جاتی ہے۔ اگر یہ ثابت ہو بھی جائے کہ بعض علمائے کرام زیارت قبر نبی ﷺ کی نذر کا وجوب نہیں مانتے تو اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کو قربت نہیں مانتے۔

مجھے بعض باطل کی حمایت کرنے والوں کی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ القاضی اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے مبسوط میں لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ اگر کوئی زیارت قبر نبی کی نذر مانے تو اس پر وجوب ہو جائے گا یا نہیں؟

تو انہوں نے فرمایا اگر اس کا مقصود مسجد نبوی تھی تو وہاں جائے اور اس میں نماز پڑھے اور اگر اس نے قبر نبی ﷺ کا ارادہ کیا تھا تو عمل نہ کرے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے ”لا یعمل المظی الا الی ثلاثة مساجد“ سواری کام میں نہ لائی جائے سوائے تین مسجدوں کے۔

اب اگر اس روایت کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے درست مانا جائے تو اس کی اس طرح تاویل ضروری ہے کہ اس سے زیارت قبر نبی کی قربت ہونے کی نفی ثابت نہ ہو۔ اس لیے کہ خود امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، دیگر علمائے کرام اور جمیع امت مسلمہ سے اس عمل کا قربت ہونا منقول ہے۔

ایک تاویل تو یہ ہے کہ اس کو ایسی قربت مانا جائے کہ جس کا لزوم نذر سے نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اہل مدینہ اور آس پاس کے لوگوں کے لیے مسجد قباء جانا قربت ہے لیکن نذر سے اس کا وجوب نہیں ہوتا۔ مگر محمد بن مسلمہ مالکی کے نزدیک نذر سے اس کا لزوم ہو جاتا ہے۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ اس حدیث کو اس شخص کے لیے مانا جائے جو دور سے آنے کی نذر مانتا ہے۔ جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سواری کا استعمال صرف تین مسجدوں کے لیے کیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اگر سفر کی نذر مانی ہے تو یہ نذر لازم نہیں ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مطلق سفر قربت نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے مسجد قبا کے قریب رہنے والوں کے لیے اس کی زیارت قربت ہے لیکن نذر سے اس کا لزوم نہیں ہوتا۔ یہ تو جیہہ تمام توجیہات میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قواعد سے قریب تر ہے۔

”التہذیب للمسائل المدونہ“ میں مذکور ہے کہ جس نے یہ نذر مانی کہ ”میں مدینہ یا بیت المقدس پہنچوں گا“ یا یہ کہا میں مدینہ یا بیت المقدس تک پیدل جاؤں گا۔ تو وہ یہ کہنا پورا نہ کرے جب تک اس نے ان دونوں جگہوں کی مسجدوں میں نماز کی نیت نہ کی ہو یا ان مسجدوں کا نام نہ لیا ہو اور یوں نہ کہا ہو کہ میں مسجد رسول یا مسجد بیت المقدس تک پیدل جاؤں گا۔ اگر اس نے ان مساجد میں نماز کی نیت نہ کی ہو تو اس صورت میں وہ سوار ہو کر جائے تو اس پر کوئی ہدی لازم نہ ہوگی۔ اس لیے کہ ان مسجدوں کا نام لینا

گویا کہ یہ کہنا ہے کہ میں ان مساجد میں نماز پڑھوں گا۔ ہاں اگر کسی اور شہر کی مسجد میں نماز کی نذر مانی تو وہاں جانا ضروری نہیں صرف اپنے شہر کی مسجد میں نماز ادا کر لینے سے نذر پوری ہو جائیگی۔ اور اگر کسی نے یہ نذر مانی کہ وہ سرحد کی نگرانی کرے گا یا روزہ رکھے گا تو اگر وہ مقام ایسا ہے کہ وہاں جانا قربت ہے تو اس پر یہ نذر لازم ہوگی جیسے عسقلان یا اسکندریہ ہے اگرچہ وہ نذر ماننے والا مدنی یا مکی ہو۔ اور اگر کسی نے پیدل چلنے کی نذر مانی تو اس نذر کا پورا کرنا لازم نہیں ہوگا سوائے یہ کہ مکہ یا بیت اللہ یا مسجد حرام یا کعبہ یا حجر اسود یا رکن تک پیدل جانے کی نذر مانی ہو کیونکہ اس صورت میں تو یہ نذر لازم ہوگی۔ تہذیب کی اس عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مدینہ تک جانے کی نذر پورا کرنا لازم ہوگا۔ اگر مسجد کی تصریح کی گئی ہو یا وہاں جا کر نماز پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ وہاں کسی اور حوالے سے جانے کی نذر کا کوئی لزوم نہیں ہے اگرچہ یہ قربت ہیں۔

تیسری تاویل یہ ہے کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ زیارت قبر النبی ﷺ بالخصوص مطلوب ہے۔ ان احادیث مبارکہ کی بنیاد پر جو ہم نے شروع کتاب میں ذکر کر دی ہیں۔ اور سلف و خلف کے عمل کی بنیاد پر اور اسی طرح دیگر عام دلائل کی بنیاد پر بھی وہ مطلوب ہے کیونکہ زیارت قبور کے بارے میں جو عام احادیث صحیحہ مشہور ہیں ان میں حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک بھی داخل ہے۔

نذر کے ذریعہ اس کا لزوم پہلی جہت یعنی بالخصوص مطلوب ہونے کی بناء پر ہے۔ ہاں دوسری جہت یعنی عام دلائل کی بناء پر مطلوب ہونے کے اعتبار سے ہم نے واضح کیا تھا کہ زیارت کے متعدد مقاصد ہوتے ہیں۔ اور زیارت قبور اس طرح ہے جس طرح کہ دور سے آنے والوں کی زیارت کو نا۔ اور ہم نے پہلے یہ بیان کیا ہے کہ نذر ماننے سے آنے والوں کی زیارت لازم ہو جائے گی باوجودیکہ اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا یہ فعل تقرب ہے یا نہیں؟ کسی معین قبر کی زیارت کی نذر اگر اس کے لیے دعا مقصود ہے تو میت کے حق کی وجہ سے اس کا بھی لزوم ہو جائے گا۔ اور اگر زیارت سے مقصد برکت حاصل کرنا ہے تو بھی حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی نذر کا لزوم ہو جائے گا اور اگر عبرت

حاصل کرنا مقصود ہے تو اس کیلوم میں اختلاف ہے۔ اور اگر کوئی بھی مقصد معین نہیں کیا تو پھر لزوم نہ ہو گا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے والے نے شاید صرف بغیر مقصد آنے کے حوالے سے سوال کیا ہو اور امام صاحب نے اسی حیثیت سے سائل کا جواب دیا ہے اور نذر کو لازم قرار نہیں دیا۔ اور شاید امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں جو خاص روایات ہیں وہ نہ پہنچی ہوں اور وہ عام قبور والی احادیث کی بنیاد پر عدم لزوم کے قائل ہو گئے ہوں۔ حالانکہ یہ قبر مبارک سب سے زیادہ شرف والی ہے اور سب سے زیادہ زیارت کے لائق ہے مگر اس کے باوجود اگر بغیر مقصد آنے کی نذر مانی جائے تو ایسی نذر لازم نہیں ہوگی خواہ یہ قبر نبی ہو یا غیر کی قبر ہو۔

چوتھی تاویل یہ ہے کہ قبر پر جانے سے صاحب قبر کی زیارت مقصود ہوتی ہے۔ اور یہی زیارت ہے جس کو قربت کہا جاتا ہے۔ اور عام طور پر قبر کی زیارت کا مقصد صاحب قبر کی زیارت ہوتی ہے۔ کبھی قبر کی زیارت کا مقصد اس مقام کی زیارت ہوتا ہے، اس مقام کے کسی شرف کی وجہ سے ہے۔ اور یہ زیارت اگر اس جگہ کی زیارت ہے جس کی شرافت پر شرع شاہد ہے تو یہ قربت ہوگی ورنہ نہیں اور شاید امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب اسی بنیاد پر ہے۔ جس طرح کہ ان کا استدلال دلالت بھی کرتا ہے کہ ان کے مد نظر مکان کی زیارت ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبر کی زیارت اس اعتبار سے کہ وہ سر زمین کی زیارت ہے قربت نہیں ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول "ذرت قبر النبی" کی ممانعت کو اسی معنی پر محمول کیا ہے۔ اور اس صورت میں یا تو ہم امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی موافقت کریں گے حضور اکرم ﷺ کے فرمان "لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد" پر عمل کرتے ہوئے۔ اور حضور اکرم ﷺ کے فرمان "من زار قبری" کو اس معنی پر محمول کریں گے کہ "جس نے میری زیارت کی جب کہ میں قبر میں مدفون ہوں" جس طرح کے ذہن فوری طور پر ادھر ہی جاتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ حضور کی قبر مبارک کی زیارت بھی قربت ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان "من زار

قبری ” یہ خاص ہے بہ نسبت ” لا تشد الرحال ” والی روایت کے۔ تو اس خاص کے ذریعہ اس عام کی تخصیص کر لی جائے گی اور مطلب یہ ہو گا کہ ” لا تشد الرحال ” کی ممانعت سے زیارت قبر نبی مستثنیٰ ہوگی، اس فرمان ” من زار قبری ” کی وجہ سے۔

بہتر یہی ہے کہ حضور کے فرمان ” من زار قبری ” کے معنی ” من زار نبی فی قبری ” (جس نے میری زیارت کی جب کہ میں قبر میں ہوں) لیے جائیں اور محض سر زمین کی زیارت کو قربت نہ مانا جائے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا تقاضا ہے۔ پس اس سے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی بھی وضاحت ہو جائے گی اور یہ بات بھی ظاہر ہو جائے گی کہ امام صاحب کے قول کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ زیارت قربت نہیں ہے۔ اور نہ یہ معنی ہے کہ زیارت کا سفر قربت نہیں ہے بلکہ یہ تو سب علمائے کرام کے نزدیک قربت ہے۔ لہذا اگر اس مسجد نبوی ﷺ میں آنے کی نذر مانی تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اس کے ذمہ لازم ہو جائے گی۔ اور شیخ ابو علی نجی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ وہ صرف زیارت پر اکتفاء کرے گا۔ اور امام رافعی کہتے ہیں کہ یہ ظاہر ہے۔ اور امام صاحب نے اس حوالے سے توقف کیا ہے کہ زیارت مسجد سے اور اس کی تعظیم سے تعلق نہیں رکھتی اور انہوں نے اس حوالے سے توقف نہیں کیا کہ زیارت قربت نہیں بلکہ ایسا قول کسی نے بھی نہیں کیا۔ ہم چوتھے باب میں شیخ عبدی مالکی کا یہ قول تک نقل کر چکے ہیں کہ مدینہ منورہ تک زیارت کے لیے پیدل جانا، کعبہ اور بیت المقدس تک جانے سے زیادہ افضل ہے۔



چھٹا باب

زیارتِ بارگاہِ نبوی ﷺ کے لیے
سفرِ قربت ہے

بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری کا کتاب اللہ سے ثبوت:

بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری اور زیارت کے لیے سفر کرنا باعث تقرب ہے اور اس کی درج ذیل وجوہات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

”ولو أنهم اذ ظلموا أنفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول فوجدوا الله تواباً رحيماً“ [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے)

پانچویں باب میں ہم اس کے بارے میں پوری بحث کر چکے ہیں اور بارگاہ نبوی میں حاضری کے لیے آنا بہر صورت ثابت ہو جاتا ہے خواہ وہ قریب سے آنا ہو یا دور سے۔ خواہ سفر کر کے آنا ہو یا بغیر سفر کے۔ لہذا یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ یہاں مطلق آنے کا ذکر ہے تو اس کی دلالت ہر آنے والے یعنی ہر فرد پر نہیں ہے اس لئے کہ یہاں آنے کا ذکر شرط کی ضمن میں ہے لہذا وہ آنے والے تمام افراد پر صادق ہو گا جس سے بھی آنا ثابت ہو گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ تو تواب و رحیم ثابت ہو گا۔

دوسری دلیل..... زیارت کے تقرب ہونے کا سنت سے ثبوت:

زیارت کا قربت ہونا سنت سے بھی ثابت ہے کیونکہ حدیث مبارکہ ”من زار قبری وجبت له شفاعتی“ یہ عام ہے خواہ زیارت کرنے والا قریب مقام سے آیا ہو یا دور سے، خواہ سفر کر کے آیا ہو یا بغیر سفر کے، سب عموم میں داخل ہیں۔ خاص طور پر اس حدیث کے پیش نظر جس کی ابن السکن نے تصحیح بھی کی ہے ”من جاءني زائراً لا بعمله حاجة الا زیارتی“ اس سے تو بظاہر سفر کر کے آنے والا مراد ہے اور یہ ہم پہلے بتا چکے

اس دلیل سے ثابت ہوا کہ جب غیر النبی کی قبر کی زیارت کے لئے ٹکنا جائز ہو گیا تو حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنا اور ٹکنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

چوتھی دلیل.... اجماع امت سے ثبوت:

چوتھی دلیل سلف و خلف کا اجماع اور اتفاق ہے۔ لوگ حج سے فارغ ہو کر ہمیشہ سے ہر سال حضور اکرم ﷺ کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ جاتے ہیں اور بہت سے لوگ حج سے پہلے زیارت کر لیتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے اور ہمارے بڑوں نے دیکھا ہے اور علماء پرانے زمانے سے یہ بات نقل کرتے چلے آئے ہیں جیسا کہ ہم نے تیسرے باب میں بتایا ہے اور یہ ایسا یقینی معاملہ ہے کہ اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔ سب لوگ مدینہ پہنچنے کا قصد کرتے ہیں خواہ ان کا حج کا راستہ ادھر سے گزرتا ہو یا نہ گزرتا ہو اس مقصد کے لئے بڑی مسافت طے کرتے ہیں رقم خرچ کرتے ہیں اور طرح طرح کی مشقیں برداشت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ خلف و سلف کا اجماع اور اتفاق جن میں علماء اور صلحاء داخل ہیں ناممکن ہے کہ کسی غلط بات پر ہو سکے۔ سب کا مقصد اس فعل سے تقرب الی اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور جو شخص زیارت کے لئے حاضر نہیں ہو سکتا اس کو انتہائی رنج و قلق ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ امت کا یہ اجماع غلط بات پر ہے تو وہ خود خطا کار ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ وہ اس سفر میں دوسری عبادت کا قصد بھی کر لیتے ہوں گے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ اس سفر میں دوسری عبادت کا قصد بھی کر لیتے ہوں گے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ وہ ضرور ایسا کرتے ہوں گے اس لئے کہ اکثر مصنفین مناسک کی بحث میں یہ کہتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ قبر النبی ﷺ کی زیارت کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی میں جانے کی اور وہاں نماز پڑھنے کی بھی نیت کر لے۔ منکرین زیارت بھی دراصل زیارت کے منکر نہیں ہیں بلکہ زیارت مستحبہ کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ زیارت کے ساتھ مسجد کا بھی قصد کر لے۔

میں کہتا ہوں کہ اس بارے میں یہ بحث کہ لوگ مدینہ منورہ کے سفر میں کس چیز

کا قصد کرتے ہیں؟ منصف مزاج آدمی اگر اس پر غور کرے گا اور لوگوں سے معلومات حاصل کرے گا تو سمجھ لے گا کہ لوگ جب مدینہ منورہ کا قصد کرتے ہیں تو وہ زیارت کا قصد کرتے ہیں اور راستہ طے کرتے ہوئے ان کے دل میں زیارت کے علاوہ ثواب کی دیگر باتوں کا خیال تک بھی نہیں آتا ہے ان کی بڑی غرض زیارت ہوتی ہے۔ اگر وہاں زیارت کا معاملہ نہ ہوتا تو وہ وہاں کا سفر نہ کرتے۔ چنانچہ مسلمان بیت المقدس کا سفر بہت کم کرتے ہیں اگرچہ وہاں بھی نماز کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مدینہ منورہ جانے کا اصلی مقصد زیارت ہے جس طرح مکہ معظمہ جانے کا اصلی مقصد حج اور عمرہ ہے۔ اب اگر سائل کو ہمارے بیان میں کوئی شک ہے تو وہ جانے والوں سے تحقیق کر لے۔

باقی رہا مناسک حج کے بارے میں کتب لکھنے والوں کا طریقہ جو وہ اختیار کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انہوں نے زیارت کے لئے مسجد نبوی کے قصد کو بمنزلہ شرط کے ذکر کیا ہے بلکہ ان کا مقصود یہ ہے کہ زیارت کی قربت کے ساتھ دوسری قربتیں بھی حاصل کر لی جائیں۔ مسجد نبوی کے قصد کی قربت بھی حاصل کر لی جائے اور دیگر قربات مثلاً شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کا ثواب بھی حاصل کر لیا جائے۔ مصنفین نے اس خیال سے تنبیہ کی ہے کہ کہیں زیارت کو جانے والا دیگر قربات کی نیت کو زیارت کے اجر کی کمی کا سبب نہ سمجھ بیٹھے۔ اسی وجہ سے ابو عمرو ابن الصلاح نے تصریح کی ہے کہ دیگر قربات کا قصد زیارت کے ثواب میں کوئی کمی پیدا نہیں کرتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ سمجھے کہ مسجد نبوی کا قصد زیارت کے قصد کے لئے بمنزلہ شرط بیان کیا گیا ہے تو اس کی غلطی ہے۔

پانچویں دلیل..... قربت کا وسیلہ بھی قربت ہوتا ہے:

پانچویں دلیل یہ ہے کہ قربت کا وسیلہ بھی قربت ہوتا ہے۔ شریعت کے قواعد سب اس کے شاہد ہیں کہ وسائل کا اعتبار، مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف کر دے اور تمہارے درجات بلند کر دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ضرور بتائیں۔ ارشاد فرمایا: ”تا پسندیدگی کی حالت میں وضو کو مکمل طریقہ پر کرنا۔ مسجد کی

طرف زیادہ قدم چلنا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ تمہارے لئے سرحد کی حفاظت کی طرح ہے“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ زیادہ قدم چلنے کو جو شرف حاصل ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ وہ عبادت کا وسیلہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کسی شخص نے وضو کیا اور بہت اچھے طریقے سے وضو کیا پھر وہ مسجد کی طرف نکلا اور اس کو کوئی چیز نہیں نکالتی سوائے نماز کے، وہ جو قدم بھی اٹھاتا ہے اس کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کی ایک غلطی معاف کر دی جاتی ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”نماز کا بڑا اجر اس شخص کے لئے ہے جو دور سے چل کر آئے“ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح روایت ہے کہ ”ایک شخص نے کہا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرا گھر مسجد کے قریب ہو بلکہ میں چاہتا ہوں کہ میرے نامہ اعمال میں مسجد تک چل کر آنے کا اور جب میں واپس اپنے گھر والوں کے پاس جاؤں تو چل کر جانے کا اجر لکھا جائے۔ تو اس پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے یہ سارا کچھ جمع کر لیا۔“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھر مسجد سے دور تھے اور ہم نے ارادہ کیا کہ اپنے وہ گھر بیچ کر مسجد کے قریب گھر بنائیں مگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں منع فرمایا اور فرمایا: ”بے شک تمہارے لیے ہر قدم کے بدلے ایک درجہ ہے۔“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے گھر میں وضو کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف چلا تا کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض میں فرض ادا کرے تو اس کے ہر دو قدموں میں سے ایک قدم اس کا ایک گناہ معاف کر دیتا ہے اور دوسرا اس کا ایک رتبہ بلند کر دیتا ہے۔“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص صبح یا شام مسجد کو جاتا ہے اللہ تعالیٰ

اس کے لئے جب بھی وہ صبح و شام گیا، مہمان نوازی کا کھانا تیار فرمادیتے ہیں۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے اس کو وہی ثواب ملتا ہے جو احرام باندھے ہوئے حاجی کو اور جو شخص چاشت کی نماز کے لئے نکلتا ہے اور اس نے یہ مشقت صرف اسی کام کے لیے کی تو اس کو عمرہ کرنے والے کا سا ثواب ملتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو لوگ تاریکیوں میں چل کر مسجدوں میں آتے ہیں ان کو قیامت کے دن کے مکمل نور کی بشارت دے دو۔“ اس حدیث کو امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ”یہی لوگ رحمت میں غوطہ لگانے والے ہیں۔“

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے غسل کیا اور خوب غسل کیا اور صبح کو روانہ ہوا اور خوب صبح کو روانہ ہوا اور امام کے قریب بیٹھا اور کوئی بیہودہ کام نہیں کیا اس کو ہر قدم پر ایک سال کے قیام و صیام کا ثواب ملے گا۔“ اس حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ پیدل چلا، سوار نہ ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اپنے مریض بھائی کی مزاج پرسی کے لئے چلا وہ جنت کی منزل میں چلا اور وہ جب وہاں جا کر بیٹھتا ہے تو رحمت خداوندی اس کو ڈھانپ لیتی ہے“ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے کسی مریض کی مزاج پرسی کی یا اپنے بھائی کی زیارت کی تو آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے: ”تو پاکیزہ بن گیا اور تیرا چلنا پاک بنا اور تو نے جنت کی منزل میں اپنا ٹھکانا بنالیا“ اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

یہ تمام احادیث اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ قربت کا وسیلہ بھی قربت ہے۔ امر میں اختلاف کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے جب شریعت اسلامیہ ایسی باتوں سے بھری

ہوئی ہے اور قرآن اس پر ناطق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”من ینخرج من بیتہ مهاجراً الی اللہ و رسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع أجرہ علی اللہ“ [النساء: ۱۰۰]

اور جو شخص بھی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے، پھر اسے (راستے میں ہی) موت آ پکڑے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ثابت ہو گیا۔

یہ آیت ہمارے موقف کی بہترین دلیل ہے کیونکہ زیارت رسول ﷺ کے لئے جو شخص گھر سے مسافر بن کر نکلا وہ ایک درجہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مہاجر ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یوں ہے۔

”یہ (حکم) اس لیے ہے کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو پیاس (بھی) لگتی ہے اور جو مشقت (بھی) پہنچتی ہے۔ اور جو بھوک (بھی) لگتی ہے اور جو کسی ایسی جگہ پر چلتے ہیں جہاں کا چلنا کافروں کو غضبناک کرتا ہے اور دشمن سے جو کچھ بھی پاتے ہیں (خواہ قتل اور زخم ہو یا مال غنیمت وغیرہ) مگر یہ کہ ہر ایک بات کے بدلہ میں ان کے لیے ایک نیک عمل لکھا جاتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ اور نہ یہ کہ وہ (مجاہدین) تھوڑا خرچہ کرتے ہیں اور نہ بڑا اور نہ (ہی) کسی میدان کو (راہ خدا میں) طے کرتے ہیں مگر ان کے لیے (یہ) سب صرف (سفر) لکھ دیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں (ہر اس عمل کی) بہتر جزا دے جو وہ کیا کرتے تھے۔ (التوبہ، ۱۲۰: ۱۲۱)

اس آیت میں جس قدر باتیں ہیں وہ ساری ان کے نامہ اعمال میں لکھ دی گئیں اور ان کا اجر ان کے لئے مقرر کر دیا گیا کیونکہ یہ ساری چیزیں جہاد کا وسیلہ تھیں بلکہ جہاد کی جو شرف حاصل ہے وہ بھی اسی لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی کا وسیلہ اور سبب ہے۔ اصولین نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے جو شخص دور سے آ کر حج کرے

گا اس کا حج مکی کے حج سے افضل ہے اور حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ”برداشت کرنے والے میری وجہ سے جو کچھ برداشت کرتے ہیں وہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔“

اس میں کوئی شک نہیں جو شخص کسی قربت کے لئے کسی جائز چیز کو وسیلہ بنائے جس میں مشقت ہو جیسے سفر، تو وہ اس مشقت کو اللہ تعالیٰ کے لئے برداشت کرتا ہے۔ لہذا اس کا وہ عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے اور اس کی اس کوشش میں اللہ تعالیٰ اس کو جزا دے گا۔ کسی قربت کا وسیلہ اگر جائز کام ہے اور اس میں مشقت بھی نہیں ہے جبکہ وہ وسیلہ ہے تو عمل کرنے والے کو اس کا بھی اجر ملے گا۔ مثلاً کوئی شخص سوتا ہے تاکہ تہجد کی نماز کی اس میں طاقت آجائے تو اس نیند کا بھی اس کو ثواب ملے گا۔ اسی لئے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہے ”مجھے تو اپنی نیند میں بھی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اسی طرح امید ہے جس طرح تہجد کی نماز میں۔“

علماء نے اس قسم کے ثواب کے بارے میں بحث کی ہے کہ وہ نیت پر ہے یا عمل پر۔ اور صحیح یہی ہے کہ عمل پر ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمان بھی یہی بتاتا ہے۔ ”تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو خرچہ بھی کرے حتیٰ کہ جو لقمہ بھی تو اپنی بیوی کے منہ میں دے گا اور اس سے تیرا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہو اس سے تیرا رتبہ بڑھے گا۔“ اسی طرح ایک صحیح حدیث میں آیا ہے۔ ”وہ اپنی شہوت حلال جگہ سے پوری کر رہا ہے تو اس کا بھی اس کو ثواب ملے گا۔“

عبادات کی اقسام

عبادات چار قسم کی ہیں:

- ۱۔ وہ عبادت جن کی وضع ہی عبادت کے طور پر ہے جیسا کہ نماز، روزہ، صدقہ اور حج۔ جب یہ صحیح طور پر ادا کر دی جائیں تو وہ لامحالہ قربت ہوں گی۔ ان کا وجود شرعی اعتبار سے قربت کے سوا نہیں ہو سکتا۔

۲۔ دوسری قسم وہ عبادات ہیں جن کو شرع نے مکارم اخلاق کی وجہ سے لازم کیا ہے۔ جیسے سلام کو فروغ دینا۔ اور ان کے لزوم کا سبب مختلف مصالح ہیں۔ اور یہی شارع کا مقصود ہے۔ اگر یہ امر خداوندی کے تحت وجود میں لائی جائیں تو قربت ہیں اور اگر یہ نیت نہ ہو تو پھر باقی مباحات کی طرح ہیں۔

۳۔ تیسری قسم میں وہ عبادات شامل ہیں جو مستقلاً تو عبادت نہیں مگر یہ کسی امر خیر تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں جیسے کہ چلنا۔ ان کا حکم بھی وہی ہوگا جس مقصود کے یہ تابع ہوں گی۔ اگر مقصود حرام ہے تو اس کے لئے چلنا بھی حرام ہوگا اور اگر مقصود مباح ہے تو اس کے لئے چلنا بھی مباح ہوگا اور اگر مقصود قربت ہے تو اس کے لئے چلنا بھی قربت ہوگا۔ اگر ان کا وجود بے مقصود ہے تو وہ عبث ہیں۔ اس قسم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب ان کا مقصود قربت ہو تو یہ بھی قربت ہوں گی۔

۴۔ اس سے مراد وہ عبادات ہیں جو وضع کے اعتبار سے مباح ہیں اور مقصود مصالح دنیا حاصل کرنا ہے جیسا کہ کھانا، پینا، سونا جسمانی مصلحت کے لئے اب یہ بغیر کسی نیت کے جائیں یا دنیوی فرض سے کی جائیں تو مباح ہیں اور اگر دینی مصلحت سے کی جائیں تو موجب اجر ہیں۔ ان کا اجر نیت پر ہے یا ایسے عمل پر ہے جو نیت کے ساتھ ہو۔ دوسری رائے زیادہ بہتر ہے۔

ان باتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ قربت کا وسیلہ بھی قربت ہوتا ہے سفر زیارت کے قصد سے زیارت کے وسیلہ سے تو زیارت کی طرح وہ بھی قربت ہوگا۔

ازالہ اشکال:

اب اگر کوئی یہ کہے کہ زیارت قربت ضرور ہے لیکن قریب شخص کے لئے ہے نہ کہ دور سے آنے والے کے لئے تو ایسی صورت میں سفر قربت نہ ہوگا۔ اس کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ زیارت بہر حال قربت ہے۔ قریب کے لئے بھی اور دور سے آنے والے کے لئے بھی۔ زیارت کے مطلق دلائل کو قریب کے لئے خاص کرنا غلطی اور

خطا ہے۔

اعتراض کا جواب:

اگر کوئی یہ کہے کہ نماز مطلقاً قربت ہے اور اس کے لئے سفر قربت نہیں ہے بجز تین مسجدوں کے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی کوئی چیز قربت ہوتی ہے مگر اس کو دوسری چیز کے ساتھ ملانے سے وہ قربت نہیں رہتی۔ پس مطلق نماز قربت ہے اور تین مسجدوں کے علاوہ کسی معین مسجد کی نماز چونکہ قربت نہیں ہے لہذا اس کے لئے سفر کرنا بھی قربت نہ ہوگا۔

اگر کوئی کہے کہ اس اصول کے مطابق تو نذر ماننا قربت ہونا چاہئے کیونکہ وہ بھی ایک وسیلہ ہے جو ایک نفلی عبادت کو واجب بنا دیتا ہے اور واجب نفل سے افضل ہے۔ حالانکہ نذر کو مکروہ قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے نذر ماننے سے روکا ہے اور فرمایا ہے: ”وہ خیر کا سبب نہیں ہے بلکہ بخیل سے مال خرچ کرانے کی ایک تدبیر ہے۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ نفل کو واجب بنانا قربت نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے اس لئے کہ اس صورت میں اندیشہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر وہ یہ نفل نہ ادا کر سکا تو گناہگار ہوگا اور اس نفل کی ادائیگی بغیر اس نذر کے بھی ہو سکتی ہے تو نذر سے اس نے ایک خطرہ مول لیا اور کوئی فائدہ نہ ہوا۔

دوسری بات یہ یاد رکھئے کہ قربت کے وسیلہ کو قربت قرار دیا گیا ہے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اس مطلوب تک پہنچا دینے والا ہے لیکن کبھی اس میں ایسا عارضہ پیدا ہو جاتا ہے جو اس کو مکروہ بنا دیتا ہے جیسا کہ کوئی غصہ شدہ زمین پر چل کر مسجد میں جائے تو یہ چل کر جانا اس عارضہ کی وجہ سے قربت نہ رہے گا کہ وہ غصہ کردہ زمین پر چلا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات کیسے یقینی ہے جبکہ اصولیین میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ کسی چیز پر امر، اس کے موقوف علیہ پر بھی امر ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اسی وجہ سے اس بارے میں اختلاف ہے کہ مستحب چیز کا وسیلہ بھی مستحب ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ بتا دیں گے کہ کسی فعل کا قربت ہونا اعم ہے اس سے

کہ وہ فعل مامور بہ ہو اور ہم پہلے یہ بات واضح کرتے ہیں کہ یہ سفر مستحباً مامور بہ ہے۔ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ مامور بہ کی تکمیل جس چیز پر موقوف ہو وہ منقسم ہے اس چیز کی طرف جو اس کے وجود کے لئے شرط ہے اور اس چیز کی طرف جو اس کے وجود کے علم کے لئے شرط ہے جیسا کہ سر کے جز کا دھونا چہرے کے دھونے کے علم کے لئے۔ اور اختلاف دوسری قسم میں زیادہ سخت ہے اور ہماری بحث اس سے نہیں ہے۔

قسم اول یعنی یہ مسئلہ کہ کیا وہ شے جو مامور بہ کے لئے شرط یا سبب ہوتی ہے۔ جس طرح کے مسئلہ میں ہم ہیں اس بارے میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ مامور بہ واجب ہوتا ہے مقصد کے وجوب کے لئے۔ اس بارے میں اصولیین کے دو گروہوں کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ صرف شرط میں مخالف ہے سبب میں نہیں۔ جبکہ دوسرا گروہ شرط اور سبب دونوں میں مخالف ہے۔

اشکال:

کیا تم یہ کہتے ہو کہ زیارت کے لئے ہر سفر مستحب ہے یا یہ کہتے ہو کہ مطلق سفر

مستحب ہے؟

جواب:

اصول فقہ میں یہ بات طے شدہ ہے کہ ماہیت کلیہ پر امر اس کی کسی جزئی پر نہیں ہوتا لیکن جزئیات میں سے کوئی جزئی غیر معین مامور بہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ کلی پر عمل اس کے بغیر ممکن نہیں اور مخاطب کو کسی جزئی کے اختیار کرنے کا حق ہے۔ اب جب کہ وہ کسی معین جزئی پر عمل کرے گا وہ امر کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گا اور سمجھا جائے گا کہ اس نے مامور بہ پر عمل کر لیا ہے۔ تو ہر وہ سفر جو زیارت کے ارادے سے ہو اور اس کے ساتھ کسی حرام یا مکروہ کا تعلق نہ ہو تو وہ قربت ہوگا کیونکہ وہ ایک قربت تک پہنچانے والا ہے اور اس کے ذریعہ مامور بہ سفر ادا ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ اس جزئی کے

ضمن میں حاصل ہو گیا۔

آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ معین سفر مامور بہ ہے اس لئے کہ امر کا تعلق تو کلی سے ہے اور یہ جزئی ہے لیکن اس کو قربت قرار دیا جائے گا کیونکہ اس کے ذریعہ قربت کا ارادہ کیا ہے اور یہ اس کا وسیلہ ہے۔ پس قربت کلی اور جزئی دونوں پر صادق آتا ہے اور طلب کا تعلق کلی سے ہے اور معین سفر زیارت کا وسیلہ ہے اور اس میں شرط نہیں ہے۔ مطلق سفر زیارت کے لیے وسیلہ اور شرط ہے اور مطلق سفر شرط ہے اور کبھی اس سے توسل کا ارادہ نہیں ہوتا تو اس کو وسیلہ نہیں کہا جاتا۔

ازالہ اشکال:

اب اگر تم یہ کہو کہ مقدمہ وسیلہ ہے یا غیر وسیلہ؟ تو میں کہوں گا کہ مقدمہ وہ ہوتا ہے جس پر شی موقوف ہو اور آپ نے اس میں اصولیوں کا اختلاف جان لیا ہے کہ اس شے کے وجوب سے مقدمہ کا وجوب ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور اس میں اس سے بحث نہیں کہ وہ قربت ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ جو موقوف علیہ ہوتا ہے کبھی اس میں قربت کی نیت کر لی جاتی ہے تو وہ قربت بن جاتا ہے ورنہ وہ قربت نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی شخص مکہ کا سفر کسی برے کام کے لئے کرے پھر حج کرے تو اس کا سفر قربت نہ ہوگا لیکن اس سے امر کا سقوط ہو جائے گا چونکہ وہ سبب اس کے وجوب کا مقتضی تھا وہ زائل ہو گیا۔

وسیلہ کی وضاحت:

وسیلہ کے بارے میں جوہری نے لکھا ہے۔ ”وسیلہ وہ ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے تقرب حاصل کیا جائے اس کی جمع وسل اور وسائل ہے۔ اور توسل (باب تفعیل) اور توسل (باب تفعیل) کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور جب کسی شخص نے کسی نیک عمل کے ذریعے تقرب حاصل کیا تو کہا جاتا ہے: وسل فلان الی ربه وسیلۃ و توسل الیہ بوسیلۃ (فلاں نے اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کیا۔) جوہری کا کلام ختم ہو گیا۔

تو جب مقدمہ پر وسیلہ کا اطلاق کیا جائے وہ اس حیثیت سے ہوگا کہ اس کے ذریعہ تقرب حاصل ہوا ہے نہ کہ اس حیثیت سے کہ وہ موقوف علیہ ہے بلکہ کبھی مقصد معین وسیلہ پر موقوف ہوتا ہے۔ پس اس کے وجوب میں بھی پہلے والا اختلاف ہوگا۔ اور کبھی مقصد بعینہ اس پر موقوف نہیں ہوتا بلکہ اس سے پر موقوف ہوتا ہے جو اس سے اعم ہو اور بندہ اس کو وسیلے کے لیے اختیار کرتا ہے۔ اور کبھی مقصد اصلاً نفس الامر میں اس پر موقوف نہیں ہوتا لیکن بندہ اس کا قصد کرتا ہے یا اس کے موقوف ہونے کا اس کو وہم ہوتا ہے یا اس کے دل میں آتا ہے کہ یہ اس پر موقوف ہے لیکن دوسرے کے دل میں ایسا خیال نہیں آتا۔ پس ان تمام صورتوں میں اسے وسیلہ اور قربت کا نام دیا جاتا ہے اور اس میں اصولیین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پس مقدمہ پر وسیلہ کا اطلاق اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ تقرب کی نیت نہ کی ہو اور اگر تقرب کی نیت نہ کی تو اس کو وسیلہ مجازاً کہا جاتا ہے اور اصولیوں کے نزدیک مقدمہ سے مراد موقوف علیہ ہوتا ہے خواہ اس میں پہنچنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو تو ان دونوں میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔

اگر ہم تسلیم کر لیں کہ مقدمہ وسیلہ کے مترادف ہے تو پھر بلاشبہ وہ قربت نہ ہوگا جب تک کہ اس کے ذریعہ کسی قربت کے تقرب ہونے کا قصد نہ کیا جائے۔ تو ہمارا یہ کہنا کہ قربت کا وسیلہ قربت ہے اسی معنی کے اعتبار سے ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ کسی عمل کا قربت ہونا اس کے واجب اور مستحب ہونے کے علاوہ ہے اس لئے ایجاب یا ندب کا حکم ماہیت کلیہ پر ہوا ہے اور جو چیز خارج میں مشغول ہے تو طلب خاص طور پر اس سے متعلق نہیں ہمس اس پر خصوصاً حکم نہ ہوگا کہ یہ واجب ہے۔ ہاں وہ اپنے ضمن میں واجب تک پہنچا دینے والی ہے۔ کسی شے پر قربت ہونے کا حکم لگانا کبھی تو یہ اس شے کی حقیقت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور یہ ایسی شے ہوگی جس کو وضع ہی قربت کے لیے کیا گیا ہے۔ پس یہ قربت ہو جاتی ہے۔ اور کبھی اس اعتبار سے قربت ہوتی ہے کہ اس سے تقرب کا قصد کیا جاتا ہے۔ پس فعل کے مشغول ہو جانے کے بعد اس پر حکم لگایا جائے گا۔

جب تم یہ سمجھ گئے تو اب سمجھو یہاں چند اعتبارات ہیں ایک مطلق سفر ہے دوسرے مدینہ کا سفر ہے۔ تیسرے مدینہ کا سفر قربت کی نیت سے کرنا ہے۔ تو پہلی دو قسمیں نہ مطلوب ہیں نہ قربت ہیں اپنے طور پر۔ تیسری قسم مطلوب اور قربت ہے۔ قربت کے تفاوت سے اس کے مراتب مختلف ہیں اس لیے کہ کبھی تو مقصد صرف زیارت ہوتی ہے اور کبھی اس کے ساتھ دوسری قربتوں کی نیت ہوتی ہے جیسے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا شہدائے احد کی زیارت کرنا اور کبھی ان کا مجموعہ ہوتا ہے یا ان میں قدر مشترک اور وہ مطلق قربت ہے۔ اور یہ چاروں صورتیں قربت کی ہیں کیونکہ مدینہ کا سفر قربت اس لئے نہیں ہے کہ وہ مطلق سفر ہے یا مدینہ کا سفر ہے۔ بلکہ اس بنیاد پر قربت بنا ہے کہ قربت کا قصد کیا ہے تو اب جہاں کہیں قربت کا قصد ہو قربت ثابت ہو جائے گی۔ چاروں میں سے ہر ایک پر قربت کا حکم لگانے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ بطور کلی کے ہو یا مشخص جزئی کے ہو۔ لیکن اس کے مطلوب یا مستحب ہونے کا حکم بخصوصہ وہ ان میں سے کسی مشخص پر نہیں ہے اس کا تعلق ان میں سے کسی ایک غیر متعین پر ہے اور جب اس کا وجود ہو جائے گا تو وہ قربت ہوگا اور مامور بہ اس کے ضمن میں ادا ہو جائے گا۔

اب اگر تم یہ کہو کہ سفر کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اس میں مسافر نے زیارت کے ساتھ کسی دوسری عبادت کا بھی قصد کر لیا ہو۔ جیسا کہ مسجد نبوی میں نماز یا اعتکاف تو اس کے قربت ہونے میں تو اشکال نہیں ہے اور دوسری صورت سفر کی یہ ہے کہ محض زیارت کی نیت ہو۔ یہ صورت اور جس سفر میں کوئی نیت ہی نہ ہو اختلاف اور بحث اس صورت میں ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے، اس میں ہمیں اعتراض ہے۔ اس لئے کہ کسی شے اعم پر موقوف ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اخص پر بھی موقوف ہو اور وہ شخص جو دور ہے اس کی زیارت تو مذکور تینوں قسموں پر موقوف ہے نہ کہ صرف قسم ثانی پر تا کہ تمہارا دعویٰ مکمل ہو سکے۔

میں کہتا ہوں یہ بات اس طرح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر تم اس بات کے قائل

ہو کہ قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے تو نہ اس استدلال کی ضرورت ہے نہ تقسیم کی۔ اور اگر تم یہ کہو کہ قربت کا وسیلہ قربت نہیں ہوتا تو تمہارے پاس ان دلیلوں کا کوئی جواب نہیں ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ پھر تم پر یہ لازم ہوگا کہ زیارت کے سفر کے ساتھ اور کسی قربت کی نیت کر لی جائے تو بھی وہ سفر قربت نہ ہو اور اگر تم یہ کہتے ہو کہ قربت کا وسیلہ قربت ہے تو جب ثابت ہو چکا کہ زیارت قربت ہے تو سفر کے بارے میں کیا اعتراض ہے۔؟ اور تمہارا یہ استدلال کہ ”کسی شے اعم پر موقوف ہونے سے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اخص پر بھی موقوف ہو“ بہت عجیب ہے۔ کیونکہ اگر تم وسیلہ کی یہ تعریف کرو کہ جو مقصود سے تقرب کی نیت سے کیا جائے، تو اس صورت میں ہر وہ سفر زیارت جس میں کسی دوسری قربت کی نیت کی گئی ہو اور ایسا سفر جس میں محض زیارت کا قصد کیا گیا ہو یہ قربت ہوں گے کیونکہ ان کے ذریعے قربت تک پہنچنے کا قصد کیا گیا ہے۔ پس واجب ہوگا کہ یہ قربت ہوں خواہ زیارت بعینہ موقوف ہو یا نہ ہو۔ پس ان دو قسموں میں فرق کرنا باطل ہوگا۔

اگر آپ وسیلہ کی یہ وضاحت کریں کہ جس پر مقصود موقوف ہوتا ہے جس طرح آپ کے کلام کا ظاہر بتاتا ہے۔ اگر آپ اس کے ساتھ قربت کے قصد کی شرط لگاتے ہیں اور قربت کی علت کو یہ قصد بناتے ہیں تو وہ دونوں قسموں میں موجود ہے۔ اور اگر علت کو موقوف بناتے ہیں اور یہ کہتے ہیں یہ اعم پر موقوف ہے اخص پر موقوف نہیں تو آپ پر لازم ہوگا کہ آپ کہیں ”قربت دونوں سفروں سے اعم ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کا خصوص قربت نہیں۔“ پس آپ کا دونوں قسموں میں فرق کرنا اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اور اگر اس کو مجرد لیں تو یہ باطل ہے کیونکہ مطلق سفر اس میں داخل ہے اور کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ یہ قربت ہے۔ بے شک سفر صرف سفر ہونے کے اعتبار سے یہ مباح ہے اور یہ قربت کے قصد سے قربت بنتا ہے پس جب علت حاصل ہو جائے گی تو معلول بھی حاصل ہو جائے گا اور اگر علت نہ پائی جائے تو معلول نہیں پایا جاتا۔ پس ایک قربت اور دوسری قربت میں آپ کا فرق کرنا اس کا کوئی سبب نہیں۔

پس اس تمام بحث کے بعد کہ زیارت بارگاہ نبوی ﷺ قربت ہے اور قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے، یہ ثابت ہو گیا کہ زیارت کے لیے سفر قربت ہے خواہ اس کے ساتھ کسی دوسری قربت کو شامل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اور اس میں شک کرنا سابقہ ثابت شدہ باتوں میں شک کرنا ہے۔ اور یہ زیب نہیں دیتا کہ آپ یوں کہیں کہ ”صرف زیارت کے لیے سفر یہ لاشد الرحال کی نہی کے زمرے میں آتا ہے۔“ زیارت کے لیے سفر اور مسجد کے لیے سفر یہ مسجد کے لیے سفر ہے اور یہ حدیث کے تحت مباح ہے کیونکہ ہم حدیث کا معنی بیان کریں گے اور یہ نہی زیارت کے لیے نہیں آئی۔

اور اگر فرض کر لیا جائے کہ زیارت کے لیے سفر ممنوع ہے تو زیارت اور مسجد نبوی کے لیے سفر یہ بھی ممنوع ہونا چاہیے کیونکہ ایک سفر ممنوع ہے اور دوسرا مباح۔ اور اس کی وجہ سے آپ کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ قربت کا وسیلہ قربت ہوتا ہے۔

اور دونوں مقاصد سے عاری سفر اس کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً وہ سفر قربت کا ہو مگر زیارت کے علاوہ کسی اور قربت کے لیے ہو اور سفر مباح اور ان دونوں حالتوں کے علاوہ سفر، مگر ہمیں ان سے غرض نہیں۔ مگر سفر کی اقسام میں سے قسم ثانی میں آپ کا نماز میں قصر کرنے کے بارے میں قول۔ اس عبارت میں دو احتمالات ہیں۔

زیارت کا قصد کیا جائے اور اس کے ساتھ کسی دوسری قربت مثلاً تحیۃ المسجد وغیرہ کا قصد نہ ہو۔ اور کسی عطلہ سے ایسی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایسی نیت کرے گا۔ اور یہاں اس صورت کا معاملہ زیر بحث نہیں۔ لوگ اس صورت میں سوال کرتے ہیں جو پیش آتی ہے۔ اور اس کا حکم کیا ہے؟ پھر ہم کہتے ہیں اگر فرض کر لیا جائے

دوسرا معاملہ یہ ہے کہ زیارت کا قصد کیا جائے اور اس کے ذہن میں کوئی اور معاملہ نہ ہو نہ کسی اور امر کی نیت کی ہو نہ اس کی نفی ہو۔ پس اس صورت کے قربت ہونے میں کوئی تاثر نہیں کیونکہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ زیارت قرب ہے لہذا اس کا وسیلہ بھی قربت ہوگا۔ اور ظاہر ہے سوال کرنے والے کا تعلق دوسری صورت سے ہے کہ اس کا حکم کیا

ہے؟ اور اس میں مخالف کا مدعا یہ ہے کہ زیارت کے ساتھ کسی دوسرے فعل کو بھی شامل کر لیا جائے تاکہ یہ سفر مستحب ہو جائے۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ معترض کے نزدیک زیارت تب مستحب ہوگی جب زائر زیارت بارگاہ نبوی کے ساتھ مسجد کی زیارت کی بھی نیت کرے گا۔ اور اس کلام کا تقاضا یہ ہوا کہ اگر وہ کسی دوسری چیز کی زیارت کی نیت نہیں کرتا تو اس کا یہ سفر تقرب نہیں ہوگا خواہ وہ اس دوسرے فعل کی زیارت کی نیت کرے یا نہیں۔



ساتواں باب

مخالف کے شبہات کا رد

فصل اوّل

شبہات کا بیان

پہلا شبہ..... حدیث کے معنی کی تعیین میں غلطی:

”لا تشد الرحال“ اس حدیث کا معنی سمجھنے میں مخالف کو یہ وہم ہو گیا کہ یہ حدیث زیارت کے سفر کی مخالفت کیلئے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ام اوّل حدیث کے الفاظ ذکر کرتے ہیں۔ پھر ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے معانی بتائیں گے یہ حدیث متفق علیہ صحیح ہے اور اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے مشہور الفاظ یہ ہیں۔

”لا تشد الرحال الا الى ثلاث مساجد: مسجدی هذا و مسجد الحرام، و مسجد الاقصی“ (رخت سفر نہ باندھا جائے مگر تین مساجد کی طرف میری یہ مسجد اور مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی طرف)

ان الفاظ کے ساتھ سفیان ابن عیینہ نے امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے۔ معمر نے امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے ”تشد الرحال الى ثلاثة مساجد“ اور اس میں حصر نہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے طریق سے یہ الفاظ منقول ہیں۔

عن ابي هريرة أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال : انما يسافر الى ثلاثة مساجد : مسجد الكعبة، و مسجدی، و مسجد ايلياء

(مسلم، الصحيح، ۲: ۱۰۱۵، کتاب الحج، رقم: ۱۳۹۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (زیادہ

ثواب کے حصول کی نیت سے) صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے :
مسجد کعبہ، میری مسجد اور مسجد ایلہاء (بیت المقدس)

ان تینوں روایتوں کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”فضل المدینة“ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ان الفاظ میں منقول ہے۔ ”لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد: مسجدی هذا والمسجد الحرام، والمسجد الاقصی“ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں۔ ”انما تشد الرحال الی ثلاثة مساجد: مسجد ابراہیم و مسجد محمّد و مسجد بیت المقدس“ (رخت سفر صرف تین مساجد کی جانب ہی باندھا جائے: مسجد ابراہیم، مسجد محمد اور مسجد بیت المقدس)

اس روایت کو اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے اور اس میں الفاظ بھی کے آئے ہیں۔ ”لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد: مسجد الحرام، و مسجد المدینة و مسجد بیت المقدس“

اب ہم اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ یہ استثناء مفرغ ہے اور اس کی تقدیر یہ ہوگی۔ ”کسی مسجد کی طرف رخت سفر نہ باندھا جائے مگر تین مساجد کی جانب۔ یا تقدیر یہ ہوگی رخت سفر نہ باندھا جائے کسی مکان کی طرف مگر تین مساجد کی طرف۔“

یہ دونوں تقدیریں ضروری ہیں تاکہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ میں داخل ہو جائے اور ان دونوں تقدیروں میں پہلی تقدیر یعنی مسجد کی تقدیر زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ مسجد مساجد کی جنس قریب ہے اور اس میں زیادہ تخصیصات بھی نہیں کرنی پڑیں گی۔

سفر میں دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ چیز جو سفر کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ جیسے حج یا جہاد یا طلب علم یا والدین کی زیارت یا ہجرت وغیرہ۔

دوسری چیز وہ مکان ہوتا ہے جو سفر کا اختتام ہوتا ہے جیسے مکہ المکرمہ یا مدینہ

منورہ یا بیت المقدس یا اور کوئی جگہ خواہ کوئی غرض ہو۔ اب اس امر میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ عرفات کے میدان کیلئے رخت سفر باندھنا حج کے افعال کیلئے واجب ہے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے حالانکہ وہ تین مساجد میں داخل نہیں ہے۔ ایک الگ مقام ہے۔ اسی طرح طلب علم کے لیے سفر کرنا اور رخت سفر باندھنا بالا جماع جائز ہے خواہ ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ کوئی مکان ہو۔ اور کسی مکان کا سفر کبھی مستحب کبھی واجب علی الکفایہ اور کبھی فرض عین ہوتا ہے۔ اسی طرح جہاد کیلئے سفر اور خاص حالات میں بلاد کفر سے بلاد اسلام کی طرف ہجرت، والدین کی زیارت کیلئے سفر اور بھائیوں کی ملاقات کیلئے اور تجارت وغیرہ ان سب امور کیلئے سفر بالاتفاق جائز ہے حالانکہ وہ مساجد ثلاثہ کیلئے سفر نہیں ہے۔

اصل معانی اس حدیث کے یہی ہیں کہ مساجد میں سے صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کرنا چاہیے یا مقامات اور مکانوں میں سے صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کرنا چاہیے۔ اب دونوں تقدیروں پر اگر مساجد یا ممکنہ غایت سفر ہیں اور باعث سفر کوئی اور چیز ہے مثلاً علم حاصل کرنا وغیرہ تو یہ سفر ہر مسجد اور ہر مکان کی طرف جائز ہوگا۔ تو حدیث کی یہ مراد نہیں ہو سکتی۔ پھر اس تقدیر پر قصد زیارت النبی ﷺ سے سفر کی غایت مسجد نبوی ہوگی اس لئے کہ وہ قبر شریف کے ساتھ ملحق ہے تو زیارت النبی ﷺ کیلئے سفر کی غایت تینوں مساجد میں ایک مسجد ہوئی اور اگر مساجد اور ممکنہ کو علت سفر قرار دیا جائے تو علت کے معنی یہ ہوئے کہ ان مقامات کی تعظیم کی وجہ سے سفر کیا جا رہا ہے اور ان میں داخل ہو کر تبرک حاصل کرنا مقصود ہے اور یہ اس اعتبار سے ہوگا کہ سفر کرنے والا اس سرزمین کو دوسری سرزمینوں سے افضل قرار دے رہا ہے۔

سفر کی ممانعت کے اسباب:

خلاصہ یہ ہے کہ سفر کی ممانعت دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے ایک تو یہ کہ غایت سفر مساجد ثلاثہ کے علاوہ اور کوئی مقام ہو۔ اور دوسرے یہ کہ علت سفر اس مکان و

مقام کی تعظیم ہو تو اب زیارت نبی کے لئے سفر کی غایت مسجد نبوی ہے۔ اور اس کی علت اس سرزمین میں مدفون کی تعظیم ہے نہ کہ اس مقام کی تو اس کو ممنوع کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ بلکہ میں کہتا ہوں کہ سفر مطلوب کے دو سبب ہونے چاہئیں۔ ایک تو یہ کہ غایت تینوں مساجد میں کوئی مسجد ہو۔ دوسرے یہ کہ عبادت مقصود ہو اگرچہ وہ سفر مساجد ثلاثہ کے علاوہ کیلئے ہو؟ تو حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے سفر میں دونوں باتیں جمع ہیں تو یہ سفر بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔ اور وہ سفر جو ان اماکن کے علاوہ کیلئے ہو اور اس میں اس جگہ کی تعظیم مد نظر ہو وہ اس روایت کا مصداق ہوگا اور ممنوع ہوگا۔ اسی لئے روایت ہے کہ بعض تابعین نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کوہ طور کی زیارت کے سفر کا مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے ممانعت کی یہی روایت پڑھی اور اس کو سفر سے روکا اور فرمایا ”کوہ طور کو چھوڑو ہاں نہ جا“

مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر کی شرعی حیثیت:

مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی دوسری مسجد کیلئے سفر کر کے جانے کے بارے میں فقہائے کرام نے کلام کیا ہے۔ امام الحرمین نے اسے شیخ ابو محمد سے نقل کیا ہے کہ وہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی مسجد کے لئے سفر کرنے سے منع کرتے تھے۔ اور بسا اوقات کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ سفر مکروہ ہے اور کبھی کہہ دیتے تھے حرام ہے۔ شیخ ابو علی نے فرمایا کہ یہ سفر نہ مکروہ ہے نہ حرام۔ ہاں حضور ﷺ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ قربت صرف مساجد ثلاثہ کے سفر میں ہے کسی دوسری مسجد کے لئے سفر کرنے میں کوئی قربت نہیں ہے۔ دونوں اقوال میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اگر مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی دیگر مسجد کے سفر میں اس مسجد و مکان کی تعظیم مقصود ہے تو پھر ابو محمد کا قول صحیح ہے اور اگر تعظیم مقصود نہیں ہے تو پھر شیخ ابو علی کے قول کو ترجیح ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعض فقہاء کا قول نقل کیا ہے کہ اگر یہ سفر نذر مان کر کرے تو ممنوع ہے اور اگر نیک لوگوں کے نشانات دیکھنے کیلئے محض فضیلت کی بنیاد پر

سفر کرے تو ممنوع نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ بغیر نذر کے مسجد قباء کا سفر فرماتے تھے۔ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے سفر کی نذر کے بارے میں تین مذہب ہیں۔

۱۔ یہ درست نہیں ہے..... یہ ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔

۲۔ مطلقاً جائز ہے..... یہ مذہب لیث ابن سعد کا ہے۔

۳۔ یہ نذر لازم ہوگی جبکہ رخت سفر باندھنا نہ ہو۔ جیسے کہ مسجد قباء..... یہ مذہب محمد بن مسلمہ مالکی کا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی شخص پیدل مسجد قباء جانے کی نذر مانے تو کیا یہ منت لازم ہوگی یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ لازم ہو جائے گی اور اس کو حکم دیا جائے کہ وہ پیدل جائے۔

عبدالملک رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الواضحہ میں لکھا ہے کہ یہی حکم اس شخص کا ہے جس نے اس مسجد میں جانے کی نذر مانی جس میں وہ پانچ وقتی نماز یا جمعہ پڑھتا تھا۔ اور جو مساجد دور ہوں ان میں جانے کی نذر لازم نہ ہوگی نہ پیدل جانے کی نہ سوار ہو کر جانے کی۔ اسی طرح ابن وہب وغیرہ نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے مگر مساجد ثلاثہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر مسجد حرام کے بارے میں نذر مانی ہے خواہ پیدل جانے کی ہو یا سوار ہو کر جانے کی تو اس پر وہ نذر لازم ہو جائے گی۔ اور بقیہ دونوں مسجدوں کے بارے میں نذر لازم نہ ہوگی اور اس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ ان دونوں مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لئے سوار ہو کر جائے۔ یہ مسائل تو بعینہ کسی مکان کے قصد کے بارے میں یا ایسی عبادت کے قصد کے بارے میں ہیں جو دوسری جگہ بھی ادا ہو سکتی تھی لیکن بغیر نذر کے کسی غرض کی وجہ سے سفر کرنے کے بارے میں نہ تحریم کا قول ہے نہ کراہت کا۔

اعتراض:

اگر تو یہ کہے کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم میں ”باب سفر المرأة مع محرم الى الحج“ میں فرمایا ہے کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ رخت سفر باندھنے اور

سفر کرنے کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ مثلاً نیک لوگوں کی قبروں پر جانے اور فضیلت والی جگہوں کے بارے میں ہمارے اصحاب میں سے شیخ ابو محمد نے فرمایا: یہ سفر حرام ہے اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مختار ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔

جواب

ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب جو کہ امام الحرمین اور محققین نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہا ایسا سفر نہ حرام ہے نہ مکروہ بلکہ حدیث میں نفی سے مراد یہ ہے کہ پوری فضیلت تین مساجد کے سفر میں ہے۔ واللہ اعلم۔

امام رافعی اور امام نووی رحمہما اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم کے علاوہ دوسری جگہ جو نقل کیا ہے اس میں نیک لوگوں کی قبروں کا ذکر نہیں ہے اس میں ان کا وہی مطلب ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ امام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد حرام کے علاوہ کسی اور مسجد میں جانے کی نذر مانے تو علمائے کرام نے کہا ہے کہ نذر لازم نہ ہوگی اس لئے کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی مسجد کا مقصد کوئی قربت نہیں ہے اور جو قربت اور عبادت مقصودہ نہ ہو تو اس کی نذر لازم نہیں ہوتی۔ اور میرے شیخ ان مساجد کے علاوہ کی طرف رخت سفر باندھنے کو منع کرتے تھے۔ اور اسی طرح رافعی نے کہا ہے کہ جب کسی نے ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف جانے کی نذر مانی تو اس کی نذر منعقد نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح کی بات امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مہذب میں کہی ہے۔

صحیح اغراض کے لئے مساجد اور دیگر مقامات کی زیارت کے لئے جانا علم حاصل کرنے کیلئے سفر کرنا، جہاد کیلئے سفر کرنا، اس کے بارے میں ابو محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نہیں کہا اور ان کی طرف ممانعت کو منسوب کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر کسی نے ایسا کلام کیا بھی ہے تو وہ غلط ہے اور وہ شخص حدیث کے مقصود کو نہیں سمجھا لیکن الحمد للہ یہ واضح ہے کہ انہوں نے ایسا کلام نہیں کیا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی بھی یہی تاویل کی ہے کہ حدیث میں الفاظ سے ان مقامات کی اہمیت واضح کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح قاضی

عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اکمال میں کہا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے قول ” لا تشد الرحال “ میں ان مساجد کی تعظیم کا بیان ہے اور ان کی طرف خصوصیت سے سفر کرنے کا اشارہ ہے۔ اس لئے کہ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کی مساجد ہیں اور ان میں عبادت کرنے کی فضیلت ہے اور ان میں عبادت کا ثواب چند گنا ہے اور ان میں جانے کی نذر کا لزوم ہے بخلاف دیگر مساجد کے کہ ان کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے۔ خواہ نذر مان کر سفر کرے یا بغیر نذر کے سفر کرے ہاں محمد بن مسلمہ نے مسجد قباء کو ان تینوں مساجد کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام میں عام قبروں کی زیارت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس میں تو صرف مساجد ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد کے سفر کی بات ہے۔

اعتراض

اگر تو یہ کہے کہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ” کتاب المغنی “ میں کہا ہے کہ اگر کوئی زیارت قبور کیلئے سفر کرے یا دیگر تبرک جگہوں کا سفر کرے تو اس کو سفر کی رخصتیں حاصل نہ ہوں گی اس لئے کہ یہ سفر ممنوع ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ” لا تشد الرحال.... الخ “

جواب

صحیح یہ ہے کہ یہ سفر مباح ہے اس میں سفر کی رخصتیں حاصل رہیں گی۔ اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مسجد قباء پیدل اور سوار ہو کر تشریف لے جایا کرتے تھے اور قبور کی بھی زیارت کرتے تھے اور فرمایا۔ ” ان قبروں کی زیارت کیا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں “ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان ” لا تشد الرحال “ کا معنی یہ ہو گا کہ دیگر مساجد کے سفر میں فضیلت نہیں ہے نہ کہ ان کی طرف سفر حرام ہے۔ اور سفر کے مباح ہونے کے لیے فضیلت شرط نہیں ہے اور نہ قصر صلوٰۃ وغیرہ کیلئے فضیلت والا سفر شرط ہے۔ اور فضیلت کا نہ ہونا سفر کو حرام بھی نہیں کرتا۔

میں نے ابن قدامہ کے کلام کا مطالعہ کیا لیکن مجھے ابن عقیل کا یہ قول نہیں ملا۔ ممکن ہے ان کا یہ قول مزارات کے دیکھنے کے بارے میں ہو اور ہماری بحث محض میت کی زیارت کے قصد کے سفر سے ہے جس میں مکان مقصود نہ ہو مگر ان کا موضوع وہ قبریں ہیں جن پر مقبرے تعمیر کئے گئے ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر اس میں داخل نہیں کیونکہ جس جگہ وہ ہے اس کو مشہد (مقبرہ) نہیں کہا جاتا۔

اگر یہی کہا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر شریف بھی کلام کے مدلول میں داخل ہے تو پھر قبر نبی کی تخصیص کرنا واجب ہو گا اور ان کے کلام کو قبر نبی کے ماسوا پر محمول کیا جائے گا اور تخصیص کی دلیل وہ دلائل ہیں جو خصوصاً حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں ہیں اور اس کیلئے سفر پر امت کا اتفاق ہے۔ اگر ابن عقیل نے ان دلائل کو معتبر نہ سمجھا ہو اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو بھی اپنے کلام کے مدلول میں شامل کرتے ہوں تو پھر ان کا قول یقیناً مردود ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جواز کی تقریر اس بات پر مبنی ہوئی کہ سرزمین کا قصد نہ ہو بلکہ اس ذات کا قصد ہو جو اس سرزمین میں مدفون ہے تو زیارت قبر نبی میں بھی سرزمین کا قصد ضرور ہے اس لئے کہ درود اور دعا تو دور سے بھی ہو سکتی تھی۔

اس کے بارے میں یہ سمجھ لیجئے کہ اگر سرزمین کا قصد اس شخصیت کی وجہ سے ہے جو اس سرزمین میں مدفون ہے تو ہم اس کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں۔ ہاں صرف سرزمین کا قصد یا ایسی چیز کا قصد جس کی تعظیم شرعاً نہیں ہے وہ ممانعت میں داخل ہے۔ پھر یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ زیارت میں سرزمین کا قصد ضرور ہو بلکہ بسا اوقات سرزمین کا تصور بھی نہیں ہوتا محض اس شخصیت کا تصور ہوتا ہے جو اس کے اندر مدفون ہے اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ زیارت کا مقصد دور سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اس لئے کہ مردے کے ساتھ بھی زندہ کا سا معاملہ ہوتا ہے۔

دیکھو جب حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کی رات جنت البقیع تشریف لے گئے تو وہاں کافی دیر تک قیام فرمایا پھر تین بار ہاتھ اٹھا کر دعائیں

مانگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا آپ کو حکم ہے کہ بقیع جا کر اہل بقیع کی مغفرت کی دعا کریں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں کس طرح دعا کیا کروں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یوں کہا کرو: ”اے اس آبادی کے ساکنو، مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پہلے جانے والوں اور بعد کے جانے والوں پر رحم فرمائے اور ہم بھی ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے پاس پہنچنے والے ہیں۔“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

ذرا غور کریں! کس طرح حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بقیع تشریف لے گئے اور وہاں جا کر مغفرت کی دعا کی اور دور سے دعا کر دینے پر اکتفا نہ کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہی فعل قبرستان جانے اور مردوں کی زیارت کرنے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنے کی اصل ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ میں کس طرح دعا کیا کروں؟ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عورتوں کو زیارت کیلئے قبرستان جانا ممنوع نہیں ہے ورنہ حضور نبی اکرم ﷺ بجائے دعا سکھانے کے، ممانعت فرما دیتے۔

کچھ لوگوں نے بعض علمائے بغداد کی طرف سے کچھ فتاویٰ مجھے لا کر دیئے نہ معلوم وہ من گھڑت فتاویٰ ہیں یا واقعی ایسے لوگوں کے ہیں جو نام نہاد علماء ہیں اور حقیقتاً جاہل ہیں۔

پہلا فتویٰ:

ان میں سب سے پہلا فتویٰ ایک مالکی کا ہے جس میں تحریر ہے کہ شیخ ابو محمد الجونی نے اپنی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ زیارت قبور کے لئے سفر کرنا حرام ہے اور اسی کو قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”اکمال“ میں اختیار کیا ہے۔ حالانکہ ایسا کہنے والا اس نقل میں بالکل جھوٹا ہے کیونکہ نہ شیخ ابو محمد نے یہ کہا نہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے۔

دوسرا فتویٰ:

یہ فتویٰ ایک شافعی کا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ علماء کے کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ زیارت قبور کوئی عبادت اور طاعت نہیں ہے۔

اگر سمجھ سے مراد اس کی اپنی سمجھ ہے تو کوئی مضائقہ نہیں یہ اس کی سمجھ نہیں ہے بلکہ کج فہمی ہے۔ ہمارے نزدیک تو علمائے کرام اس کے برخلاف سمجھتے ہیں۔ اس مفتی نے پھر یہ کہا جو شخص ان تین مساجد کے علاوہ سفر کرنے کے جواز کا اعتقاد رکھے یا وجوب کا یا مستحبات کا تو وہ صریح نبی کی مخالفت کرتا ہے۔ اور نبی کی مخالفت گناہ ہے یا کفر ہے منہی عنہ کے اعتبار سے اور اس کے وجوب اور اس کی تحریم کے اعتبار سے۔ اس کلام کو پڑھ کر ہنسی آتی ہے اس نے منہی عنہ کو واجب اور حرام کی طرف منقسم کیا ہے۔

تیسرا فتویٰ:

یہ فتویٰ بھی پہلے فتویٰ کی ہو بہو نقل ہے۔ چوتھا فتویٰ بھی اسی طرح کی خرافات کا مجموعہ ہے جس کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

مخالف نے جو اس حدیث سے استدلال کیا ہے اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ امام ابن تیمیہ کو صرف زیارت قبر نبی کے سفر سے اختلاف ہے نفس زیارت سے نہیں لیکن یہ وہم صحیح نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ سفر اور نفس زیارت دونوں کے منکر ہیں جیسا کہ ہم آئندہ واضح کر دیں گے۔ ان کا کہنا تو یہ ہے کہ اس طریقہ پر زیارت ہی بدعت ہے اور یہ غیر اللہ کی تعظیم کی صورت ہے جو شرک کی طرف منہی ہے اور جو چیز ایسی ہوگی وہ لامحالہ ممنوع ہوگی۔ چونکہ وہ سفر اور زیارت دونوں کو ممنوع قرار دیتے ہیں اسی لئے جو احادیث زیارت کے سلسلہ کی ہیں ان کو ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع قرار دیتے ہیں۔ اور اپنی بات میں حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان: ”لاتخذوا قبری عیداً“ (میری قبر کو عید نہ بناؤ) اور حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان: ”یہود اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو انہوں نے

اپنے انبیائے کرام کی قبروں کو مسجدیں بنالیا“ سے استدلال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ توحید کے تحفظ کے لیے ہے اور قبور پر مساجد بنانا یہ شرک ہے۔ یہ سب باتیں ان کے کلام میں مذکور ہیں۔

میں نے ان کے قلم کا لکھا ہوا ایک فتویٰ بھی دیکھا ہے اس میں سے کچھ باتیں ذکر کرتا ہوں لکھا ہے: ”کسی قبر کے پاس عرفہ کے دن جا کر عرفہ منانا وہ تو اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ یہ تو بدعت اور شرک ہے اس لئے کہ اصل سفر ہی قبور کی زیارت کیلئے جائز نہیں ہے اور کوئی عالم بھی اس کو مستحب نہیں کہتا۔ اسی لئے اگر اس کی کوئی نذر مانے تو اس پر وہ نذر لازم نہ ہوگی۔ یہ متفق علیہ بات ہے۔“

اس کے بعد لکھا ہے کہ اسی وجہ سے کوئی صحابی اور کوئی تابعی فتح شام کے بعد یا فتح شام سے قبل حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی قبر کی زیارت کیلئے نہیں گیا۔ نہ شام میں واقع دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کی زیارت کیلئے گیا نہ حضور نبی اکرم ﷺ نے معراج کی رات قبروں کی زیارت کی۔ وہ حدیث جس میں معراج کے سلسلہ میں یہ مذکور ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا تھا کہ ”یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے اس کی زیارت کرو یہ تمہارے بھائی یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ ہے یہاں اترو اور نماز پڑھو“ محض جھوٹ ہے جس میں سچائی کا کوئی شائبہ بھی نہیں ہے۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے شام کی سکونت اختیار کی یا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام پہنچے کبھی ان قبروں کی زیارت کیلئے نہیں گئے۔

اس کے بعد ابن تیمیہ نے لکھا۔ ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کے آثار کو نہ مسجد بنایا نہ طرار، وہ نہ عارحراء کی زیارت کرتے تھے نہ غار ثور کی۔ یہاں تک کہ قبر نبی کی زیارت کے بارے میں بھی حضور ﷺ کا کوئی لفظ ثابت نہیں ہے، آیت کے مطابق یہ حکم ثابت ہے: ”یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً“ [سورہ ازاب: ۵۶] (اے ایمان والو! ان پر خوب صلاۃ و سلام بھیجو۔)

پھر ابن تیمیہ نے لکھا۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے زمانہ میں

کوئی مشہد (مزار) نہ تھا جس کی زیارت کی جاتی ہو۔ نہ کسی نبی کی قبر پر نہ غیر نبی کی قبر پر۔ چہ جائے کہ اس کیلئے سفر کیا جاتا ہو۔ نہ حجاز میں، نہ شام میں، نہ یمن میں، نہ عراق میں، نہ مصر میں اور نہ مشرق میں۔ پھر لکھا۔ اسی وجہ سے قبروں کی زیارت شرعی زیارت کا مقصد اگر مومن کی قبر ہے تو اس کیلئے دعا و سلام کرنا ہے اور موت کی یاد دہانی ہے خواہ وہ مومن مردے کی قبر ہو یا کافر کی۔ مومن کی قبر کی زیارت خواہ وہ نبی کی ہو یا غیر نبی کی ایسی ہی ہے جیسے کہ اس کے جنازہ کی نماز، دونوں صورتوں میں اس کیلئے دعا کی جاتی ہے۔

بدعی زیارت وہ ہے جو نصاریٰ کی زیارت کی طرح ہے جس کا مقصد شرک ہے جیسا کہ اس صاحب قبر سے ضروریات مانگنا یا اس کو چھونا اور چومنا یا اس کو سجدہ کرنا۔ یہ سب وہ کچھ ہے جس کا نہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا نہ رسول نے اور نہ مسلمانوں کے کسی امام نے اس کو مستحب گردانا۔ نہ سلف یہ کرتے تھے نہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس اور نہ کسی دوسری قبر کے پاس۔ نہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسم دیتے تھے نہ اس کی کسی مخلوق کی نہ نبی کی نہ غیر نبی کی، نہ وہ مردے سے سوال کرتے تھے اور نہ غائب سے اور نہ وہ کسی میت یا غائب سے مدد چاہتے تھے خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی بلکہ ان میں سے غیر اللہ سے کسی شے کا سوال ہی نہیں کرتے تھے۔“

میں نے ابن تیمیہ کا جو کلام نقل کرنا تھا وہ نقل کر دیا۔ میں ان کے خط کو خوب پہچانتا ہوں۔ اس عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ان کا اختلاف زیارت اور زیارت کے سفر دونوں میں ہے۔ البتہ کلام میں خلط ملط ہے۔ کلام کا شروع چاہتا ہے کہ ان کے نزدیک زیارت کی پہلی قسم تو جائز ہے اور زیارت کی دوسری قسم جائز نہیں۔ البتہ انہوں نے زیارت کی تیسری قسم کو بالکل حذف کر دیا کہ زیارت قبر سے تبرک کیلئے ہو شرک کے لئے نہ ہو۔

زیارت کی اقسام:

دراصل زیارت کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ سلام اور دعا کیلئے زیارت:

زیارت کی اس قسم کو ابن تیمیہ نے جائز قرار دیا اور اس کو شرعی زیارت کہا ہے۔ پس ان کیلئے ضروری ہو گیا کہ وہ اس زیارت کے سفر کو بھی جائز قرار دیں۔ اگر وہ "لا تشذ الرحال" والی روایت سے دونوں میں فرق کریں تو ہم اس کا جواب ذکر کر چکے ہیں۔

حصول برکت اور صاحب قبر کے لیے دعا کے لیے زیارت:

زیارت کی دوسری قسم یہ کہ زائر اپنے لئے برکت حاصل کرے اور صاحب قبر کیلئے دعا کرے۔ ابن تیمیہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کو تیسری قسم یعنی بدعی زیارت میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ دین اور سلف صالحین کے طرز عمل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بعض نیک مردوں سے برکت حاصل کی جاسکتی ہے تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام اور مرسلین کرام علیہم السلام اور کی قبروں کی زیارت سے برکت بدرجہ اولیٰ حاصل کی جاسکتی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اس معاملہ میں انبیائے کرام علیہم السلام اور عام مسلمانوں کی قبریں ایک سا حکم رکھتی ہیں تو اس نے بہت ہی غلط بات کہی۔ اور اس بات کا بطلان بالکل ظاہر ہے اور اس نے انبیائے کرام علیہم السلام کا درجہ گھٹا کر عام مسلمانوں کے برابر کر دیا ہے جو یقینی طور پر کفر ہے۔ اس لئے کہ جو کسی بھی نبی کے رتبہ کو کم کرے تو وہ یقیناً کافر ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ نبی کا رتبہ گھٹانا نہیں ہے بلکہ تعظیم میں مبالغہ کو روکنا ہے۔ اس پر میں یہ کہوں گا کہ یہ جاہلانہ بات اور بے ادبی ہے۔ ہم پانچویں باب کے شروع میں اس پر کافی بحث کر چکے ہیں اور ہم یقینی طور پر کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ زندگی میں موت کے بعد بھی اس سے زیادہ تعظیم کے مستحق ہیں۔ جس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہوگا وہ اس میں شک نہ کرے گا۔

شرک والی زیارت:

زیارت کی تیسری قسم یعنی قبر کی زیارت سے شرک باللہ کرنا، ہم اس کے کرنے سے پناہ مانگتے ہیں اور جو اس کو اختیار کرے اس سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی مسلمان بھی جو حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کرتا ہے تیسری قسم جو کہ شرک والی ہے، کو اختیار نہیں کرتا۔ اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا فرما دی ہوئی ہے: ”اے اللہ تعالیٰ میری قبر کو بت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے“ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی دعا لامحالہ مقبول ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ”شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں اس کی پوجا کی جائے۔“

ہمارا یقین ہے کہ زیارت قبر نبی کرنے والا کوئی شخص بھی شرک نہیں کرتا۔ رہا قبر نبی کو چھونا اور بوسہ دینا اور سجدہ کرنا اور اس طرح کے دوسرے افعال جو بعض جاہل کر بیٹھتے ہیں۔ پس جو ایسا کرتا ہے اس کے اس فعل کی مذمت کی جائے اور اس کو زیارت کے آداب سکھائے جائیں لیکن اصل زیارت کو ممنوع نہیں قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے سفر کو ناجائز قرار دیا جاسکتا بلکہ جہالت سے اس نے جو غلط افعال کئے ہیں (صرف ان افعال کی مذمت کے ساتھ) اس کا زیارت کرنا اور زیارت کیلئے سفر کرنا قابل تعریف ہوگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے پاس اپنی ضروریات طلب کرنا، اس مسئلہ کو ہم استعانت کے باب میں بیان کریں گے۔

زیارت کے بارے میں شبہ ثانیہ:

اب ہم دوسرے اور تیسرے شبہ پر گفتگو کرتے ہیں جن پر ابن تیمیہ کا کلام مبنی ہے۔ دوسرا شبہ یہ ہے کہ زیارت کا سفر غیر مشروع ہے اور ایسی بدعت ہے جس کو کسی نے آج تک پسند نہیں کیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے، نہ تابعین نے، اور نہ ہی بعد میں آنے والے کسی عالم نے۔

شبہ کا رد:

اس بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام سے مدینہ طیبہ کا سفر محض زیارت قبر نبی ﷺ کیلئے کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ شام سے قاصد روانہ کرتے تھے تاکہ وہ ان کی طرف سے قبر نبی پر صلوٰۃ و سلام پڑھے۔ اسی طرح سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ قبر نبی پر پہنچ کر سلام پڑھتے تھے اور پھر حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں پر سلام پڑھتے تھے۔ یہ سارے واقعات اس عقیدہ کی تکذیب کرتے ہیں کہ ”زیارت قبر نبی اور اس کیلئے سفر کرنا بدعت ہے۔“

اگر ابن تیمیہ سے اس عام ممانعت کیلئے ثبوت مانگا جائے اور اس دعوے پر ان سے دلیل طلب کی جائے تو وہ کبھی پیش نہ کر سکیں گے۔ ایک صاحب علم کیلئے کب درست ہے کہ وہ محض اپنے چند گمانوں کی بنیاد پر اس بات کا انکار کر دے جس پر شرق و غرب میں اور ہر زمانہ میں مسلمان متفق رہے ہوں اور آنے والے اس پر گزرے ہوؤں کا عمل دیکھتے آئے ہوں اور وہ اس کو بیک جنبش قلم بدعت لکھ ڈالے؟

اب اگر کوئی یہ کہے کہ سلف کا زیارت کی قسم اول پر عمل تھا وہ حاضری کے وقت صرف صلوٰۃ و سلام و دعا پر اکتفا کرتے تھے نہ کہ زیارت کی دوسری اور تیسری قسم پر، یہ محض اس کی اپنی اختراع ہوگی۔ اس کو کیسے معلوم ہو گیا کہ سلف صرف زیارت کی قسم اول پر جو شرعی ہے، عامل تھے اور خلف سب بالاتفاق قسم ثانی پر جو بدعت ہے، عامل ہیں؟ اس لئے کہ باطنی ارادوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے۔ کسی کو یہ حق کہاں سے مل گیا کہ وہ یہ کہہ دے کہ سلف میں سے کوئی قبر نبی سے برکت حاصل نہیں کرتا تھا اور خلف سب کے سب زیارت کی بدعی قسم اختیار کرتے ہیں؟

پھر آگے چل کر ابن تیمیہ نے کہا کہ قبر نبی کی زیارت کیلئے جو سفر کرتا ہے وہ اس کو قربت سمجھ کر کرتا ہے اور جبکہ ایسا ہے تو یقیناً اس کا سفر حرام ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے سلف نے جو سفر کیا اگر وہ محض سلام کیلئے ہی تھا وہ اس کو یقیناً قربت سمجھتے

تھے۔ اگر ابن تیمیہ کو ذرا بھی احساس ہوتا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر سلف نے سفر کیا ہے تو وہ کبھی اس سفر پر حرام ہونے کا فتویٰ نہ دیتے۔ بس ان کے خیال میں تو یہ جم گیا ہے کہ سفر زیارت میں شرک پوشیدہ ہے اور اسی بنیاد پر انہوں نے اس طرح کی غلط باتیں کہہ ڈالیں۔

ان کا یہ دعویٰ کہ اگر کوئی اس سفر کی نذر مانے گا تو بلا اختلاف اس پر یہ نذر لازم نہ ہوگی۔ یہ محض ان کا دعویٰ ہے اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اگر ہم ان سے مطالبہ کریں کہ وہ آئمہ کا اس طرح کا اتفاق دکھائیں کہاں پر منقول ہے؟ اور اس میں یہ تصریح دکھائیں کہ اس طرح کے سفر کی نذر خواہ قبر نبی ﷺ کیلئے ہو یا غیر نبی کی قبر کیلئے وہ نذر واجب نہ ہوگی۔ جب وہ ایسا کر پائیں گے تب ان کا مقصد پورا ہو سکے گا اور وہ یہ کبھی نہ کر پائیں گے۔

ہم پہلے یہ بات نقل کر چکے ہیں کہ زیارت قبر نبی کی نذر لازم ہو جاتی ہے تو اسی طرح اس کیلئے سفر کی نذر بھی لازم ہوگی۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب شام کو فتح کیا تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت کیلئے کبھی سفر نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اس لئے ہوا ہو کہ کسی نبی کی قبر یقینی طور پر متعین نہیں ہے۔ صرف حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک متعین ہے اور ان کا یہ کہنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے شب معراج کسی نبی کی قبر کی زیارت نہیں کی تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اس سفر میں دیگر اہم امور میں مشغول رہے ہوں۔ اور جبکہ یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں قبور کی زیارت کی ہے تو محض معراج کی رات میں زیارت نہ کرنے سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ یہ سنت نہیں ہے؟

امام ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ معراج والی وہ حدیث جس میں مذکور ہے ”اتریں یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے۔ پس اتریں اور یہاں نماز پڑھیں اور یہ بیت اللحم ہے آپ کے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے یہاں اتریں اور نماز پڑھیں۔“ یہ روایت جھوٹی ہے۔ یہ بالکل صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کا راوی بکر بن زیاد باہلی ہے جس کو ابن حبان نے

شیخ دجال کہا ہے۔

اس حدیث کو ابوالقاسم المکی بن عبدالسلام الرمیلی نے اپنی کتاب ”فضائل زیارة قبر ابراهیم“ میں بھی ذکر کیا ہے۔ اور ابوسعید السمعی نے رمیلی کے بارے میں کہا ہے کہ وہ حافظ اور کثرت سے روایت کرنے والے تھے۔ انہوں نے مصر، شام اور عراق کا سفر کیا۔ اور یہ بہت بڑے فاضل تھے۔ اور میں کہتا ہوں کہ رمیلی نے اس کتاب میں حدیث مذکور کے ساتھ دیگر آثار بھی جمع کئے ہیں جن میں حضرت ابراهیم علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کا ذکر ہے۔ اس حدیث کی طویل سند بیان کرنے کے بعد اس کا متن یوں ذکر کرتے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ لما أسرى بي إلى بيت المقدس مرّ بي إلى جبرئيل عليه السلام فقال أنزل صلّ هاهنا ركعتين فان هاهنا قبر أبيك ابراهيم عليه السلام ثم مرّ بي إلى بيت لحم فقال أنزل صلّ هاهنا ركعتين فان هاهنا ولد أخوك عيسى عليه السلام ثم أتى بي إلى الصخرة “

رواه ابن حبان عن محمد بن احمد ابن ابراهيم ثنا عبد الله بن سليمان بن ابي عمرة ثنا بكر بن زياد.

اس حدیث کا ہم نے ذکر کر دیا ہے ورنہ اس حدیث کے موضوع ہونے سے ہمارے مقصود پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ کسی خاص وقت میں زیارت نہ کرنا اس کے استحباب کی نفی نہیں کرتا۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان مقامات اور آثار کی زیارت نہیں کرتے تھے، اگر صحیح بھی ہو تو ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہمارا مقصود تو ان مقامات میں مدفون شخصیتوں کی زیارت ہے نہ کہ مقامات کی زیارت کو ثابت کرنا۔ اور ہم پہلے دونوں باتوں کا فرق واضح کر چکے ہیں۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے لفظ زیارت کا ثبوت نہیں ہے، اس دعوے کا باطل ہونا ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اور ایسی احادیث ذکر کر چکے ہیں جن میں زیارت کا ذکر موجود ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے زمانہ میں نبی یا غیر نبی کی قبر پر کوئی مشہد (مقبرہ) نہ تھا کہ اس کی زیارت کی جاتی چہ جائیکہ اس کیلئے سفر ہوتا۔ اگر اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مشہد کے نام کے ساتھ کسی نبی یا غیر نبی کی قبر موسوم نہ تھی تو یہ درست ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو مشہد نہیں کہا جاتا۔ اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قبر کی زیارت نہ ہوتی تھی، تو یہ باطل ہے کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کی جاتی تھی۔ رہا ان کا زیارت کو شرعی اور بدعی کی طرف تقسیم کرنا، اس کی بحث ہم کر چکے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مطلق زیارت کے معترف ہیں تو اس سے لازمی طور پر زیارت کیلئے سفر کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

مکروہ افعال کی وجہ سے حاضری کی ممانعت :

اگر زیارت قبور میں بعض جاہلوں کی جانب سے ایسی باتوں کا صدور ہو جائے جن کی ممانعت ہے تو اس کی وجہ سے زیارت کو ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا اور اگر کوئی یہ کہے کہ افعال قبیہ کی وجہ سے علاوہ بھی زیارت کی ممانعت ہے تو وہ جھوٹا اور جاہل ہے۔ اگر وہ اس کو حرام قرار دیتا ہے تو وہ اس چیز کو حرام کہہ رہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور اگر وہ زیارت کو اس بنیاد پر کہ زیارت کی بعض قسمیں ممنوع ہیں یا اس میں کسی محرم فعل کی آمیزش ہو جاتی ہے ممنوع قرار دیتا ہے تو وہ جاہل ہے۔ اسی طرح جو شخص زیارت میں بعض ممنوع چیزیں مل جانے کی وجہ سے مطلق زیارت کے مستحب ہونے کا انکار کرے وہ جاہل ہے کیونکہ بسا اوقات نماز میں وہ اوصاف جمع ہو جاتے ہیں جو ممنوع ہیں مثلاً غصب کردہ زمین میں نماز پڑھنا لیکن اس کے باوجود نماز کو قربت اور فرض سمجھا جائیگا اور غصب شدہ زمین پر نماز پڑھنے کو برا کہا جائے گا۔ اسی طرح زیارت قبور کا معاملہ ہے۔ حضور نبی

اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”قبروں کی زیارت کرو۔“ اب اگر بعض انواع ممنوع طریقہ پر ادا کی جاتی ہیں تو اسی خاص نوع کو بدعت کہا جائے گا لیکن مطلقاً زیارتِ قبور کو بدعت کہنا بذات خود بدعت ہوگا۔

زیارت کے بارے میں شبہ ثالث:

تیسرا شبہ یہ ہے کہ قبور کو مساجد بنانا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ بعض بزرگوں نے قرآن مجید میں مذکور قوم نوح کے اس قول: ”قالوا لا تلذون آلہکم و لا تلذون وذا و لا سواعا و لا یغوث و یعوق و نسر“ [نوح: ۲۳] (اور انہوں نے کہا کہ ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور ہرگز مت چھوڑو ود کو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ یعوق کو اور نہ نسر کو) کے بارے میں کہا ہے کہ یہ لوگ قوم نوح کے نیک لوگ تھے جب یہ فوت ہو گئے تو لوگوں نے ان کی قبروں کو محکف بنالیا اور وہاں ان کی تصویریں بنائیں۔ پھر جب وقت گزرتا گیا تو لوگوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔

امام ابن تیمیہ نے یہ خیال کیا کہ زیارت اور اس کیلئے سفر کو روکنا توحید کی محافظت ہے اور ان کے لیے سفر کرنا شرک تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ ان کا باطل خیال ہے اس لئے کہ مجرد زیارت یا اس کیلئے سفر، شرک تک نہیں پہنچاتا بلکہ شرک تک پہنچانے والی چیز تو قبور کو مساجد بنانا، ان پر مرنے والوں کی تصویریں بنانا، ان کو محکف بنانا ہے اور یہ چیزیں ممنوع ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے: ”یہود اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنالیا۔“ اور جب حبشہ کے ماریہ گرجا گھر کی باتیں حضور کو سنائی گئیں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”یہی وہ لوگ ہیں ان میں سے جب کوئی نیک شخص مرتا ہے تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر لیتے ہیں پھر اس میں تصویر لگا دیتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریر ترین مخلوق ہیں۔“

محض سلام اور دعا اور زیارت نہ شرک ہیں نہ شرک تک پہنچانے والے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی وجہ سے یہ چیزیں مشروع ہوئی ہیں اور تو اتر سے

ان کا ثبوت ہے اور ان پر امت کا اتفاق ہے۔ اگر تصویریں بنانے کی طرح قبروں کی محض زیارت، شرک تک پہنچانے والی ہوتی تو یہ کبھی بھی مشروع نہ ہوتی اور حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہدائے احد اور اہل بقیع کی قبروں کی کبھی زیارت نہ کرتے۔ پس جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان کے علاوہ ہمیں کسی چیز کو حرام قرار دینے کا ہرگز حق نہیں ہے اگرچہ ہمارا خیال ہو کہ وہ حرام تک پہنچانے والی ہے اور ہم اسی چیز کو مباح کہہ سکتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا ہے اگرچہ ہمارا خیال ہو کہ وہ کبھی حرام تک مفصلی نہیں ہے اور مباح ہے اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے زیارت کو مباح قرار دیا ہے اور وہ مشروع اور سنت رسول ہے تو ہم نے بھی اس کو مباح قرار دیا ہے اور قبور پر مساجد بنانے اور تصویریں آویزاں کرنے کو حرام کیا ہے تو ہم نے بھی اس کو حرام قرار دیا ہے۔

اب اگر کوئی زیارت کو تصویریں بنانے پر قیاس کر کے حرام قرار دے تو وہ نص شرعی کا مخالف ہوگا۔ جیسا کہ کوئی شخص اگر قبروں کو مساجد بنانے اور ان پر تصویریں بنانے کو جب کہ وہ شرک تک مفصلی نہ ہوں، جائز قرار دے تو وہ بھی نص کا مخالف ہوگا۔ وہ وسائل جن سے مقصود کا تحقق نہیں ہوتا ہمیں یہ حق نہیں کہ ہم ان پر مقصود کا حکم لگا دیں۔ ہاں اگر شارع کی تصریح ہو تو بیشک ان پر مقصود کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ یہ اس طرح کے سد ذرائع کی بات ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ شرک کی طرح شرک تک پہنچانے والا ذریعہ بھی بے شک حرام ہے مگر وہ باتیں جو کبھی شرک کی طرف مفصلی ہوتی ہیں اور کبھی نہیں ہوتیں تو ان میں سے جن کو شارع نے حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہیں اور جن کو حرام قرار نہیں دیا وہ مباح ہیں کیونکہ وہ کسی محذور کو مستلزم نہیں ہیں۔ ہم جن امور پر بحث کر رہے ہیں وہ اسی قسم کے ہیں۔ ان میں سے شریعت نے قبروں کو مساجد بنانے اور ان میں تصویریں بنانے، ان کو اعتکاف گاہ بنانے کو حرام قرار دیا ہے۔ زیارت، سلام، دعا کو مباح قرار دیا ہے۔ ہر ذی شعور انسان ان دونوں باتوں کے فرق کو سمجھ سکتا ہے اور یہ مانے گا کہ زیارت کی دوسری قسم جب کہ شرعی احکام کی رعایت کے ساتھ کی جائے تو وہ کسی ممنوع تک مفصلی نہیں ہوتی اور جو کوئی سد ذرائع کے حوالے سے روکتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس

کے رسول ﷺ کے خلاف بات کہتا ہے اور زائر کو جو کہ درست کام کر رہا ہے اس پر بلا وجہ اعتراض کر رہا ہے۔

اس بات کا علم ضروری ہے کہ یہاں دو باتیں بہت اہم ہیں۔ ایک تو حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کا واجب ہونا اور ان کے مرتبہ کو تمام مخلوق سے بڑا سمجھنا۔ دوسرا اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں اور اپنے افعال میں اپنی تمام مخلوق سے منفرد اور یکتا ہے۔ اب اگر کوئی کسی کو باری تعالیٰ کا شریک کرے تو وہ مشرک ہے اور ربوبیت کے معاملے میں جو تعلیمات حضور نبی اکرم ﷺ نے دی ہیں ان کے معاملہ میں مجرم ہے اور جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کے مرتبہ کو کسی معاملہ میں گھٹائے گا تو وہ حضور کا مجرم ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے جو مرتبہ رسول ﷺ کے لیے واجب کیا ہے اس پر وہ ظلم کرنے والا ہوگا۔ اور جو شخص مختلف قسم کی تعظیموں سے حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرتا ہے لیکن وہ امور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے ثابت نہیں کرتا تو وہ درست عقیدہ پر ہے اور اُس نے جانب ربوبیت اور جانب رسالت کی محافظت کی ہے اور یہی عدل ہے جس میں نہ زیادتی ہے نہ کمی۔

یہ واضح بات ہے کہ زیارت قبر نبی ﷺ تبرک اور تعظیم کی نیت سے حضور نبی اکرم ﷺ کو درجہ ربوبیت تک نہیں پہنچاتی اور نہ اُس سے بڑھ کر ہے جس کی قرآن اور سنت نے ہمیں تعلیم دی ہے اور نہ اُس تعظیم سے بڑھ کر ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی قولاً و فعلاً آپ کی زندگی میں اور آپ کے پردہ فرما جانے کے بعد کی ہے۔ اب امام ابن تیمیہ نے نہ معلوم کیوں اس کو بدعت قرار دیا ہے؟ اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ لوگوں کا قبر نبی ﷺ کی زیارت کے لئے سفر کرنا شرک باللہ ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) جو دلیل اُن کے خلاف ہوتی ہے وہ اُس کی تاویل کرتے ہیں اور شبہات سے اپنی تائید کرتے ہیں۔ یہ تو ایسی بیماری ہے کہ جس کا کوئی علاج نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ انہیں حق نصیب فرمائے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ جب انہوں نے زیارت کا قصد کیا تھا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تھا؟

دوسری فصل

ابن تیمیہ کے فتاویٰ کی تلاش

میں نے اس سے پہلے ابن تیمیہ کا وہ فتویٰ نقل کیا ہے جس میں اُن سے براہِ راست زیارت کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا تھا بلکہ مزارات سے متعلق فتویٰ میں انہوں نے ضمناً اس موضوع پر گفتگو کی تھی۔ اب ہم اُن کا وہ فتویٰ نقل کرتے ہیں جو حکومت کے پاس ہے اور جو اُن کے قلمی فتوے کی بعینہ نقل ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

سوال:

”کیا فرماتے ہیں علمائے کرام (اللہ اُن سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے) ایک شخص ہے جس نے انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی قبر مثلاً حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کی نذر مانی۔ تو کیا اُس کے لئے جائز ہے کہ اس سفر میں قصر نماز ادا کرے؟ اور کیا یہ زیارت شرعی ہے یا نہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے۔“ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اُس نے مجھ سے جفا کی اور جس نے میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی وہ اُس شخص کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔“ اور حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ ”رخت سفر نہ باندھا جائے مگر مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے لئے۔“ فتویٰ دیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے گا۔“

جواب:

تقی الدین ابن تیمیہ نے اپنے قلم سے یہ جواب لکھا ہے۔ ”جس شخص نے صرف انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کی قبور کی زیارت کے لئے سفر کیا اُس کے لئے نماز

قصر کرنے کے بارے میں دو قول ہیں۔

ایک تو متقدمین علمائے کرام کا قول ہے جو ناجائز سفر کے دوران قصر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ جیسے ابو عبد اللہ ابن بطہ اور ابو الوفاء وغیرہ کہتے ہیں یہ گناہ کا سفر ہے۔ اس میں قصر نماز کی اجازت نہ ہوگی۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی گناہ کے سفر میں قصر نماز جائز نہیں ہے

دوسرا قول اُن لوگوں کا ہے جو ناجائز سفر میں بھی قصر کی اجازت دیتے ہیں۔ اُن کے نزدیک زیارت کے سفر میں قصر جائز ہوگا۔ یہ قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض متاخرین شوافع اور حنابلہ کا ہے اور ابو حامد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابو الحسن ابن عبدوس اور ابو محمد ابن قدامہ اس سفر کو گناہ کا سفر قرار نہیں دیتے ہیں اور قصر کی اجازت دیتے ہیں۔ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے قول ”قبروں کی زیارت کیا کرو“ کے عموم سے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ بعض لوگ جن کو فن حدیث میں مہارت نہیں ہے۔ اس سفر کے جواز پر امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت ”مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي فَلَكَ أَثَرٌ زَادَنِي فِي حَيَاتِي“ جس شخص نے میری موت کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔“ سے استدلال کرتے ہیں اور بعض لوگ زیارت کے سلسلہ میں ”مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي“ (جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اُس نے مجھ سے جفا کی) سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کو کسی عالم نے روایت نہیں کیا۔ اور یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسا کہ ”جس شخص نے میری اور میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ایک سال میں زیارت کی میں اُس کے لئے اللہ تعالیٰ سے جنت کی ضمانت دیتا ہوں“ سے استدلال ہے۔ یہ دونوں روایتیں بالاتفاق باطل ہیں۔ کسی بھی عالم نے اُن سے اس مسئلہ پر استدلال نہیں کیا۔ دارقطنی والی روایت سے تو بعض علمائے کرام نے استدلال کیا بھی ہے۔

ابو محمد مقدسی نے زیارت قبر نبی ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت کے لیے سفر کے جواز پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ مسجد قباء کی

زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے اور ” لا تشذہ الروحانی “ والی روایت کو استحباب کی نفی پر محمول کیا ہے یعنی مساجد ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد کا سفر مستحب نہیں ہے۔

جو لوگ زیارت کے سفر کے قائل نہیں ہیں وہ صحیحین کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ” رخت سفر نہ باندھا جائے مگر تین مساجد، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کی طرف۔ “ اس حدیث کی صحت پر تمام آئمہ متفق اور عمل پیرا ہیں۔ اب اگر کوئی شخص نذر مانے کہ وہ تینوں مساجد کے علاوہ کسی مسجد یا مشہد میں جا کر نماز پڑھے گا یا اعتکاف کرے گا یا ان کے لئے سفر کرے گا تو اُس پر وہ نذر لازم نہ ہوگی اس پر آئمہ کا اتفاق ہے اور اگر کسی نے نذر مانی کہ مسجد حرام میں حج یا عمرہ کے لئے پہنچے گا تو اُس پر تمام علمائے کرام کے نزدیک یہ نذر لازم ہوگی اور اگر نذر مانی کہ مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھے گا تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ نذر لازم ہوگی البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ نذر لازم نہ ہوگی۔ اس لئے کہ ان کے یہاں نذر کے لزوم کے لئے یہ شرط ہے کہ اُس کی جنس کی کوئی چیز شرعاً واجب ہو۔ جمہور ہر طاعت کی نذر کو لازم قرار دیتے ہیں اس لئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا قول ہے۔ ” جس کسی نے نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو وہ ضرور اطاعت کرے اور جس کسی نے نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا وہ نافرمانی نہ کرے۔ “

مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی جگہ اور کسی مقام کی نذر کسی عالم کے نزدیک لازم نہیں ہے یہاں تک کہ علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ مسجد قباء کی نذر بھی اس پر لازم نہیں ہے کیونکہ وہ مساجد ثلاثہ میں داخل نہیں ہے حالانکہ اس کی زیارت مدنی کے لئے مستحب ہے اس لئے کہ مدنی کو اس کی زیارت میں رخت سفر باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے ” جس نے گھر میں وضو کیا پھر مسجد قباء میں پہنچا اور اس کا مقصد محض نماز ہے تو اس کو ایک عمرہ کا ثواب ملے گا۔ “ علمائے کرام نے کہا کہ انبیائے کرام علیہم السلام و صالحین کی قبور کی زیارت کے لئے سفر بدعت ہے۔ کسی صحابی یا تابعی نے یہ

نہیں کیا نہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم دیا نہ مسلمانوں کے کسی امام نے اس کو مستحب بتایا تو اب اگر کوئی اس کو عبادت سمجھے گا اور کرے گا تو وہ سنت اور اجماع امت کا مخالف ہے۔

ابو عبد اللہ ابن بطہ نے اپنی کتاب ”الابانة الصغری“ میں اس کو بدعت اور سنت و اجماع کا مخالف قرار دیا ہے۔ اس سے ابو محمد کی دلیل کی کمزوری ظاہر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ جب قباء کی زیارت کرنے جاتے تھے تو رخت سفر نہیں باندھا جاتا تھا۔ یہ ان کی دلیل ہے کہ نذر سے اس کا لزوم نہ ہوگا۔

ان کا یہ کہنا کہ ”لا تشد الرحال“ صرف استحباب کی نفی پر محمول ہے۔ اس میں دو باتوں کا احتمال ہے: ایک تو یہ کہ انہوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ سفر نہ نیک کام ہے نہ قربت نہ اطاعت اور نہ وہ حسنات میں سے ہے۔ اب اگر کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کی قبور کی زیارت قربت اور عبادت اور طاعت ہے تو اس نے اجماع کے خلاف کیا اور اگر اس نے اس اعتقاد سے سفر کیا تو وہ بالا اجماع حرام ہوگا تو اس کی تحریم یقینی ہے اور یہ واضح بات ہے جو قبر نبی وغیرہ کی زیارت کے لئے سفر کرتا ہے وہ عبادت و طاعت ہی سمجھ کر کرتا ہے۔ ہاں اگر وہ کسی اور مقصد سے سفر کرتا ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں وہ جائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں نفی نفی کی متقاضی ہے اور نفی تحریم کا تقاضا کرتی ہے۔ اور جو احادیث زیارت کے سلسلہ میں بیان کی ہیں وہ سب بالاتفاق ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ اصحاب سنن میں سے کسی نے ان کو روایت نہیں کیا اور نہ کسی امام نے ان کو دلیل سمجھا بلکہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ جو اہل مدینہ کے سب سے بڑے عالم اور اس مسئلہ سے خوب واقف ہیں انہوں نے ”زرت قبر نبی ﷺ“ (میں نے قبر نبی کی زیارت کی) کہنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ اگر یہ لفظ ان کے زمانہ میں مستعمل ہوتا اور وہ زیارت کو مشروع سمجھتے یا حضور نبی اکرم ﷺ سے منقول ہوتا تو عالم مدینہ کبھی اس کو مکروہ نہ کہتے۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ جو اپنے زمانے میں سنت کے سب سے بڑے عالم تھے

جب ان سے زیارت کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو ان کا اعتماد صرف اس حدیث پر تھا ”جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح میری طرف لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس کا جواب دے سکوں“ اور زیارت کے سلسلہ میں کوئی اور حدیث بیان نہ کی تھی۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے موطاً میں صرف سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوتے تھے تو ”السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابا بکر السلام علیک یا عمر“ کہتے تھے اور پھر واپس ہو جاتے تھے۔

سنن ابوداؤد میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری قبر کو عید نہ بناؤ مجھ پر درود بھیج دیا کرو تمہارا درود مجھ تک پہنچ جائے گا تم جہاں کہیں بھی ہو گے۔“ سعید ابن منصور رحمہ اللہ تعالیٰ کی سنن میں ہے کہ عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قبر نبی کے پاس آ جا رہا ہے اور وہاں دعا کرتا ہے تو انہوں نے فرمایا ارے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”میری قبر کو عید نہ بناؤ اور جہاں کہیں ہو وہاں سے درود بھیج دیا کرو کہ درود مجھ تک پہنچ جائے گا۔“ درود بھیجنے میں تو اور وہ شخص جو اندلس شہر میں ہے دونوں یکساں ہیں۔ صحیحین کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں فرمایا ”یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت انہوں نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بنا لیا ہے۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میدان میں بنتی لیکن اس بات کو ناپسند کیا کہ اس کو مسجد بنایا جائے۔“ یعنی حجرے میں اسی لئے دفن کئے گئے کہ کہیں لوگ قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالیں چنانچہ عبدالملک کے زمانہ تک جبکہ حجرۂ عائشہ جس میں قبر نبی ہے مسجد سے جدا تھا تو کوئی صحابی اور تابعی حجرہ میں نہ نماز پڑھنے جاتا تھا نہ کوئی قبر کو چھونے نہ وہاں دعا کرنے، یہ سب کچھ وہ لوگ مسجد میں کرتے تھے۔ صحابہ کرام اور تابعین جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتے تھے اور دعا کرتے تھے تو قبلہ رخ ہوتے تھے قبر کی طرف منہ نہ کرتے تھے۔

سلام کے وقت میں بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ یہی کہتے تھے کہ قبلہ رخ

رہے۔ (قبر کی طرف منہ نہ کرے) اکثر آئمہ اس کے قائل ہیں کہ خاص سلام کے وقت قبر نبی ﷺ کی طرف رخ کر لے، دعا کے وقت قبر کی طرف رخ کرنے کا کوئی امام قائل نہیں ہے۔ ایک جھوٹی روایت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے ورنہ مذہب ان کا دیگر آئمہ کی طرح ہے، تمام آئمہ اس پر متفق ہیں کہ قبر کا مسح نہ کیا جائے نہ اس کو بوسہ دیا جائے۔ یہ سب کچھ توحید کی محافظت ہے۔

شرک کی جڑ یہ ہے کہ قبر کو مسجد بنایا جائے بعض بزرگوں نے قرآن مجید میں مذکور قوم نوح کے اس قول: ”قالوا لاتذرن آلہتکم و لاتذرن ودا و لاسواعا و لایغوث و یعوق و نسر“ کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ قوم نوح کے نیک لوگ تھے۔ جب یہ مرے تو لوگوں نے ان کی قبروں کو معکف بنایا پھر وہاں ان کی تصویریں بنائیں پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کی پوجا شروع ہو گئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اور اس کو ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم نے نقل کیا ہے۔

سب سے پہلے وہ لوگ جنہوں نے مزارات کی زیارت کی احادیث وضع کیں وہ رافضی بدعتی ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے مساجد کو معطل اور مشہدوں کو آباد کر رکھا ہے۔ اللہ کے گھروں کو برباد کر رکھا ہے جن کے بارے میں حکم ہے کہ ان کو آباد کرو اور اللہ تعالیٰ کا یہاں ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کی عبادت کرو اور مشاہد و مقابر کو آباد رکھتے ہیں جہاں شرک کرنے میں جھوٹی باتیں بناتے ہیں اور ایسی بدعتیں کرتے ہیں جن کا نہ کتاب اللہ میں ذکر ہے نہ سنت رسول اللہ میں۔ قرآن میں تو صرف مساجد کا ذکر ہے۔ نہ کہ مقابر و مشاہد کا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”قل امر ربی بالقسط و اقموا وجوہکم عند کل مسجد و ادعوا مخلصین له الدین“ [اعراف: ۲۹] (اے حبیب! فرمادیں کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور تم ہر سجدہ کے وقت و مقام پر اپنے رخ (کعبہ کی طرف) سیدھے کر لیا کرو اور تمام فرمانبرداری اس کے لیے خالص کرتے ہوئے اس کی عبادت کیا کرو۔“ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”انما یعمر مساجد اللہ من

آمن بالله و اليوم الآخر و أقام الصلوة .. الآية “ [توبہ : ۱۸] (اللہ تعالیٰ کی مساجد صرف وہی آباد کر سکتا ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ۔“ اور فرمایا : ” و ان المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحدا “ [جن : ۱۸] (اور یہ کہ مساجد واسطے اللہ کے ہیں پس مت پکارو ساتھ اس کے کسی کو) اور فرمایا : ” و لاتباشروهن و أنتم عاكفون فی المساجد “ [البقرہ : ۱۸۷] (اور عورتوں سے اس دوران شب باشی نہ کیا کرو جب تم مساجد میں اعتکاف بیٹھے ہو۔) اور فرمایا : ” و من أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه و سعی فی خرابها “ [البقرہ : ۱۱۴] (اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مساجد میں اس کے نام کا ذکر کیے جانے سے روک دے اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کرے؟) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ” تم سے پہلے لوگ مقبروں کو مساجد بنا لیتے تھے میں تمہیں اس کی ممانعت کرتا ہوں۔“ واللہ سبحانہ اعلم

(اس کو احمد ابن تیمیہ نے لکھا ہے)

ابن تیمیہ کے موقف کا رد:

امام ابن تیمیہ نے کہا ہے زیارت قبور کے سفر میں نماز قصر کرنے کے بارے میں دو قول ہیں۔ اس پر حسب ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض:

انبیائے کرام علیہم السلام و صالحین کی قبور کی زیارت یا تو قربت ہے یا جائز یا پھر گناہ؟ اگر یہ گناہ ہے تو پھر یہ کہنا بے کار ہے کہ ”یہ سفر اگر محض زیارت کے لئے ہے تو قصر جائز نہیں ہے۔“ اس لئے کہ اگر سفر کے دو مقصد ہوں ایک گناہ اور ایک جائز تو لا محالہ وہ سفر ناجائز ہوگا۔ لہذا یہ کہنا محض زیارت کی نیت ہو تو قصر نماز جائز نہیں بیکار ہے۔ اور اگر یہ سفر قربت ہے تو اس میں دو قول نہیں بلکہ بالاتفاق قصر جائز ہوگا۔ اگر مباح ہے تو

بھی قصر بلا خوف جائز ہوگا اس میں دو قول نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ اس صورت میں مسافر کی دو حالتیں ہوں گی۔ یا تو وہ اس طور پر سفر کرے گا جیسا کہ دیگر مباح مقاصد کے لئے سفر کرتا ہے تو بھی قصر بلا خوف جائز ہوگا یا یہ خیال کر کے سفر کرے گا کہ یہ قربت ہے اس پر ہم عنقریب گفتگو کریں گے۔

دوسرا اعتراض:

ابن تیمیہ کی تقریر کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ اس سفر کو بالاتفاق حرام قرار دے رہے ہیں جس کا ہم انکار کر چکے ہیں۔ ہاں صرف ابن عقیل کے قول کے اعتبار سے اس کی حرمت کا شبہ ہوتا ہے۔ اگر اس نسبت کو صحیح مان لیا جائے تو بھی اس میں حضور ﷺ کی قبر کے سفر کی تصریح نہیں ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سفر میں نماز کے قصر کی ممانعت کی اور اس کی ابن بطہ، ابن عقیل اور علمائے متقدمین کے بہت سے گردوہوں کی طرف نسبت کی ہے لیکن انہوں نے اپنے اس قول پر کوئی دلیل قائم نہ کی اور نہ یہ بتایا کہ متقدمین کے وہ کون سے گردوہ ہیں جنہوں نے اس سفر میں نماز کے قصر کو منع کیا ہے؟

تیسرا اعتراض:

ابن تیمیہ نے کہا کہ علمائے متقدمین نے اس سفر میں نماز قصر کرنے کو منع کیا ہے جیسا کہ ابن بطہ اور ابن عقیل۔ ابن عقیل کو انہوں نے متقدمین میں شمار کیا پھر قصر کے جواز کے بارے میں کہا کہ یہ قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بعض متاخرین کا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے متبعین میں سے امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن عقیل کا زمانہ ایک ہے بلکہ ابن عقیل کی وفات امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد ہوئی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا سن وفات ۵۰۵ ہے جبکہ ابن عقیل کا سن وفات ۵۱۳ ہے۔ اب معلوم نہیں کہ ابن تیمیہ نے کس بنیاد پر ابن عقیل کو متقدمین میں اور امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کو متاخرین میں شمار کیا ہے۔ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اپنے قول کی تائید کی وجہ سے ابن عقیل کو متقدمین میں شمار کیا ہے اور یہ ان کی شان سے بعید تھا۔

ابن تیمیہ کا رو:

”ان من زارنی بعد مماتی فکأنما زارنی فی حیاتی“ اس حدیث کے بارے میں ابن تیمیہ نے کہا یہ حدیث ابن ماجہ میں ہے۔

حالانکہ یہ ابن ماجہ میں کہیں موجود نہیں ہے۔ ”فمن حج ولم یزرنی فقد جفانی“ اس حدیث کے بارے میں ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ ”کسی عالم نے اس کی روایت نہیں کی۔“ ابن تیمیہ کا یہ کہنا سراسر غلط ہے اس لیے کہ اگرچہ اس حدیث میں ضعف ہے لیکن ہم پچھلے ابواب میں اس کے راویوں کا تذکرہ کر چکے ہیں۔

اسی طرح ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ ”مساجد ثلاثہ کے علاوہ کے لئے اگر کوئی شخص کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانے گا تو نذر لازم نہ ہوگی۔“ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس پر دو قول ہیں۔ ایک قول کے اعتبار سے یہ نذر لازم ہو جائے گی۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ ”علمائے کرام نے تصریح کی ہے مسجد قبا کے لئے سفر نہ کرے کیونکہ وہ مساجد ثلاثہ میں داخل نہیں ہے“

یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ امام لیث ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مساجد ثلاثہ کے علاوہ دیگر مساجد کی نذر بھی لازم ہوگی۔ بعض مالکیہ سے بھی منقول ہے کہ مسجد قبا کے لئے نذر ماننے والے کے لئے سواری کا استعمال جائز ہے اور ان مالکیہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کے قبا تشریف لے جانے کو کہا ہے کہ یہ سفر بغیر نذر کے تھا۔

ان دونوں مذاہب کے بعد ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ ”علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ مسجد قبا کے لئے سفر ناجائز ہے۔“

ابن تیمیہ کا یہ قول بھی درست نہیں ہے۔ اسی طرح ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ ”زیارت قبور کے لئے سفر بدعت ہے۔ کسی صحابی اور کسی تابعی نے ایسا سفر نہیں کیا نہ حضور

نبی اکرم ﷺ نے ایسے سفر کا حکم دیا نہ اس کو مسلمانوں کے کسی امام نے مستحب قرار دیا۔ اب اگر کوئی زیارت قبور کے لئے سفر کرے گا تو وہ سنت اور اجماع امت کے خلاف عمل کرے گا۔“ امام ابن تیمیہ کا یہ صریح جھوٹ ہے کیونکہ ہم ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے بارے میں بتا چکے ہیں جنہوں نے یہ سفر کیا ہے اور جن علمائے کرام نے اس کو مستحب گردانا ہے۔

ایک اور غلط بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے یہ قول اپنی طرف سے نہیں بلکہ دوسروں کا مقولہ کر کے بیان کیا ہے اور یہ نہیں بیان کیا کہ اس کا قائل کون ہے؟ شاید ان کا مقصد یہ ہو کہ اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں سے اتار کر دوسرے پر ڈال دیں لیکن وہ اس طرح سے اس نقل کی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتے تھے۔ بہر حال اس قول کی برائی ان کی طرف ہی نسبت ہوگی۔

پھر انہوں نے اس قول کی نسبت ابو عبد اللہ ابن بطہ کی طرف کی اور کہا اپنی ”الابانة الصغریٰ“ میں یہ انہوں نے کہا ہے۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کے بارے میں ہم نے ان کا قول ”الابانة“ میں اس کے خلاف دیکھا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کی دو کتابوں کا نام ”الابانة“ ہے۔ ابن تیمیہ نے ان کا جو قول نقل کیا ہے وہ ”الابانة الصغریٰ“ کا ہے اور جو قول ان کا ہم نقل کر رہے ہیں وہ الابانة الکبریٰ کا ہے۔ اب اگر یہ صحیح ہے تو الابانة الصغریٰ کا یہ قول حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر کے علاوہ دیگر قبور پر محمول کیا جائے تاکہ دونوں قولوں میں تضاد نہ ہو۔ اور اگر ان کا قول وہی ہے جو ابن تیمیہ نے نقل کیا ہے تو پھر ان کا یہ قول ناقابل التفات ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ ابو عبد اللہ ابن بطہ کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ ان سنی حدیث کے بارے میں سماع کا دعویٰ کر دیتے تھے اور ابو القاسم الازہری نے ان کو ”ضعیف ضعیف ضعیف“ کہا ہے اور ان کی ایک سند بیان کی ہے کہ وہ بغوی سے روایت کرتے ہیں اور بغوی، مصعب سے اور مصعب، مالک سے اور مالک، زہری سے اور زہری، سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے وہ حضور نبی

اکرم ﷺ سے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے“ اور یہ روایت اس سند سے بالکل ”وضعی“ ہے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ نیک بزرگ اور مستجاب الدعوات تھے۔ بہر حال ہم نے ان کے احوال اس لئے لکھ دیئے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ ان سے غلطی بھی ممکن ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا کہ ابو محمد المقدسی کا یہ کہنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ قول ”لا تشد الرحال“ نفی استحباب پر محمول ہے دو صورتوں کا محتمل ہے۔ ایک یہ کہ انہوں نے تسلیم کر لیا کہ یہ سفر نیک کام نہیں ہے نہ قربت ہے نہ طاعت، نہ وہ حسنات میں سے ہے اس لئے جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور صالحین کی قبور کی زیارت قربت اور طاعت اور عبادت ہے تو اس نے اجماع کی مخالفت کی۔

ابن تیمیہ کا یہ قول انتہائی درجہ کا مبہم اور فاسد ہے۔ مبہم تو اس لئے ہے کہ پڑھنے والا خیال کرے گا کہ اس نے ماسبق سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہے کہ یہ سفر قربت نہیں ہے اور ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ لیث ابن سعد اور بعض مالکیہ کے کلام کا تقاضہ ہے کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کا سفر بھی قربت ہے تو اجماع کا دعویٰ باطل ہے۔ ابن تیمیہ کا مقصد ابو محمد مقدسی پر ان کے اس قول پر الزام قائم کرنا تھا کہ ”لا تشد الرحال“ کو نفی استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس تقدیر پر کہ ان کو یہ تسلیم ہے کہ یہ سفر عمل صالح نہیں ہے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ سفر قربت نہیں ہے اور جو یہ اعتقاد کرے کہ یہ سفر قربت ہے اس نے ابو محمد کی مخالفت کی۔ اجماع کی مخالفت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس عبارت کا فساد اس طور پر ہے کہ ابو محمد نے اس سفر کے جواز پر گفتگو کی ہے اور اس کا مقصد سفر کا جواز ثابت کرنا ہے۔ انہوں نے حرمت کی نفی کی اور مذکورہ حدیث کو صرف فضیلت کی نفی پر محمول کیا اور حدیث کا مطلب یہ بتایا کہ ”کسی جگہ کے لئے سفر کرنا بجز مساجد ثلاثہ کے مستحب نہیں ہے۔“ اور اس لیے اس میں تاویل کرنی پڑے گی کیونکہ طلب علم وغیرہ کے لئے سفر کرنا بہر حال ہب کے نزدیک مستحب ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بغیر کسی اور عارض کے محض اہل جگہ کے لئے سفر کرنا مساجد ثلاثہ

کے علاوہ مستحب نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی وجہ ہو جیسے کسی عزیز کی تیمارداری، طلب علم وغیرہ تو دوسری جگہ کا سفر بھی مستحب ہو جائے گا لیکن ابو محمد نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ انہیں تو نماز کے قصر کے جواز کو بیان کرنا تھا اس لئے انہوں نے سفر کا جائز ہونا ثابت کیا۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: جب اس اعتقاد سے سفر کیا کہ وہ طاعت ہے تو یہ بالاجماع حرام ہوگا تو حرمت امر یقینی ہوگئی۔

یہ بھی ابن تیمیہ کا کلام مبہم اور فاسد ہے۔ ابہام اس اعتبار سے ہے کہ اکثر لوگ جو اس کو سنیں گے سمجھیں گے یہ ابتدائی کلام ہے اس میں تحریم پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور یہ فیصلہ قطعی ہے۔ اس کا فساد اس طور پر ہے کہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ سفر بالاجماع طاعت نہیں ہے۔ پھر اگر کوئی طاعت سمجھ کر سفر کرتا ہے تو اس کا بالاجماع حرام ہونا کیسے ہو جائے گا۔ اس لیے کہ کوئی اگر مباح فعل کو قربت سمجھ کر کرتا ہے تو نہ وہ گنہگار ہوگا نہ اس فعل کر حرام قرار دیا جائے گا بلکہ اگر اس کا یہ اعتقاد کسی غلط دلیل پر مبنی ہو تو وہ اپنے گمان کے اعتبار سے ثواب کا مستحق ہوگا۔ ورنہ اس کی نادانی سمجھی جائے گی اور اسکو نہ گناہ ہوگا نہ ثواب اور اس کا فعل اپنی جگہ مباح رہے گا اس میں تحریم کہاں سے پیدا ہوگئی تھی۔

یہ گفتگو تو اس مباح میں تھی جس کو عبادت کے طور پر انجام دیا حالانکہ اس کا اعتقاد اس کے عبادت ہونے کا نہ تھا تو یہ اس کی وجہ سے گناہگار ہوگا اور یہ فعل حرام ہوگا کیونکہ اس نے تقرب الی اللہ ایسے فعل سے کیا تھا جو قربت نہ تھا۔ نہ اللہ کے نزدیک نہ اس کے خیال میں۔ یہیں سے اس مسئلہ میں غلطی واقع ہوئی ہے اور یہی حال تمام بدعتوں کا ہے۔ اور جس کسی نے کوئی فعلی بدعت ایجاد کی اس کا ایجاد کنندہ گنہگار ہوگا کیونکہ اس نے دین میں ایسی چیز داخل کی جو حقیقتاً دین کا جز نہ تھی کیونکہ اس نے تقرب الی اللہ ایسی چیز سے کیا جس کو وہ خود سمجھتا ہے کہ دین کی بات نہیں ہے لیکن عوام میں سے جو اس کا مقلد ہوگا اگر وہ ایسی چیز ہے جس میں تقلید ہو سکتی تھی جیسے کہ دین کے فروعی مسائل، اور اس نے اس فعل کو اس طور پر انجام دیا کہ وہ عبادت شرعیہ ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر وہ ایسا فعل ہے جس میں تقلید جائز نہیں ہے جیسے کہ دین کے اصول تو اس پر گناہ

ہوگا اور ہمارا یہ مسئلہ فروغ میں سے ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ کسی نے اس سفر کو مستحب قرار نہیں دیا اور پھر اس کو کسی شبہ کی بنیاد پر مستحب سمجھ کر کیا تو اس نے نہ حرام کیا نہ وہ گنہگار ہوگا اور اس مسئلہ میں تو سب استحباب کے قائل ہیں لہذا اس میں گناہ کا کوئی احتمال نہیں ہے۔

امام ابن تیمیہ کا یہ کہنا: بدیہی بات ہے کہ زیارتِ قبر نبی کا جو بھی سفر کرتا ہے وہ اس کو طاعت سمجھ کر کرتا ہے۔

ابن تیمیہ کے اس کلام سے یہ واضح ہوا کہ وہ فرضی طور پر بات نہیں کر رہے بلکہ مسلمانوں کا جو عمل ہے اس کے متعلق بات کر رہے ہیں لہذا انکے خیال کے اعتبار سے سب کا یہ سفر باجماع المسلمین حرام ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ تو پھر ان کے نزدیک تمام زمانوں میں تمام مسلمان جو اطرافِ عالم سے زیارت کے لئے آتے ہیں امر حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ابن تیمیہ کا یہ کلام ظاہر کرتا ہے کہ وہ زیارتِ قبر نبی کرنے والوں کو گمراہ اور معصیت کار سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی ایسی لغزش ہے جس کا کوئی مداوا نہیں ہے۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلیٰ العظیم

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: اگر یہ فرض کیا جائے کہ کوئی کسی مباح غرض کے لئے قبر نبی کا سفر کرے تو یہ جائز ہے۔

لیکن یہاں اس سے بحث نہیں ہے۔ اس کلام کا مفہوم یہ نکلا کہ زیارت کی غرض مباح نہیں ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا: نفی نفی کو چاہتی ہے اور نفی کا اقتضاء تحریم ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابو محمد کے اس قول کا رد کر رہے ہیں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ ”لا تشد الرحال“ میں نفی کا معنی یہ ہوگا کہ دیگر کسی مقام کی طرف اگر رخت سفر باندھا جائے گا تو اس سفر کرنے والے کو ثواب نہیں ہوگا جو اسے ان تین مساجد کی طرف رخت سفر باندھنے پر حاصل ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفی نفی کا معنی نہیں

دیتی بلکہ مجازاً نہی کے معنی میں مستعمل ہوتی ہے۔ ابو محمد یہ کہہ سکتے ہیں کہ نفی کی حقیقت خبر ہے جو نہ تحریم کو چاہتی ہے نہ کراہت کو۔ اور نہی کے دو معانی ہیں۔ ایک حقیقی جو تحریم ہے۔ دوسرے معنی مجاز جو کراہت ہے۔ جب نفی کو اپنی حقیقت خبر یہ سے نہی کے معنی میں استعمال کیا جائے تو دونوں احتمال ہوتے ہیں تحریم اور کراہت۔ اور جو معانی بھی مراد لئے جائیں اس میں وہ مجاز ہوتی ہے۔ اس لئے کہ خبر اس معنی کے لئے موضوع نہیں ہے۔ اب اگر کسی مرتج کی وجہ سے تحریم میں استعمال رائج ہو تو یہ بعض مجازات کو بعض پر ترجیح دینا ہوا۔ اب کبھی یہ ترجیح دوسری ترجیح کے معارض ہوتی ہے تو ابو محمد کو حق حاصل ہے کہ وہ یوں کہیں کہ تحریم میں یہ لفظ اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے۔ یا اسمیں اس کا استعمال ظاہر نہیں ہے اس لئے کہ خبر فقط نہی میں مستعمل نہیں ہے بلکہ اس کے معنی میں مستعمل ہے اور اس کے معنی حقیقی بھی ہیں اور مجازی بھی۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: زیارت قبر نبی ﷺ کے سلسلہ کی جس قدر احادیث ہیں وہ سب کی سب اہل علم کے نزدیک ضعیف بلکہ موضوع ہیں اور کسی معتبر صاحب سنن نے ان کو روایت نہیں کیا۔

ہم شروع کتاب میں اس بات کا بطلان ظاہر کر چکے ہیں اور یہ کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”ذرت قبر النبی ﷺ“ کہنے کو مکروہ سمجھا ہے۔ ہم نے اس کی مراد بھی باب چہارم میں سمجھا دی ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: اگر یہ لفظ مشروع ہوتا تو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کبھی اس کو مکروہ نہ قرار دیتے۔

یہ بات تو بہت بے موقع ہے۔ اس لئے کہ بحث اس لفظ میں نہیں ہے بلکہ اس کے معنی میں ہے۔ مؤطا میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو منقول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ سے وہ سب ابن تیمیہ کے خلاف ہے اس لئے کہ اس سے زیارت کے معنی کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ ”لا تتخذوا قبری عبداً“ پر ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں اور اس کا صحیح مفہوم بتا چکے ہیں اور یہ حدیث کہ ”یہود اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت

انہوں نے اپنے انبیائے کرام کی قبروں کو مساجد بنایا۔“ بھی ابن تیمیہ کے دعویٰ کی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ ہم نے قبر نبی کو مسجد نہیں بنایا ہے اور اگر زیارت کو مسجد بنانے پر قیاس کیا جائے تو یہ بالکل غلط بات ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: عادت کے خلاف صحرا کی بجائے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جو دفن کیا گیا وہ اسی لئے کیا گیا کہ کوئی قبر کے پاس نماز نہ پڑھ سکے اور اس کو مسجد نہ بنا سکے تاکہ وہ قبر بت نہ بنے۔

یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ حجرہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تو حضور نبی اکرم ﷺ اس وقت دفن کئے گئے جب یہ حدیث سامنے آئی کہ نبی اس جگہ دفن ہوتا ہے جس جگہ اس کا وصال ہوتا ہے۔ یہ مشہور بات ہے اس کو ہر کس و ناکس جانتا ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: جب تک قبر نبی ﷺ مسجد سے جدا تھی کوئی صحابی یا تابعی قبر کے پاس نماز پڑھنے یا اس کو چھونے یا وہاں دعا کرنے نہیں جانتا تھا۔

اس پر ہم یہ کہتے ہیں اس سے ابن تیمیہ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ زیارت کے آداب یہی ہیں۔ ہم بھی وہاں نماز پڑھنے کو اور قبر کے مسح کرنے کو منع کرتے ہیں حالانکہ یہ بات بھی بالا جماع ممنوع نہیں ہے۔

ابو الحسن عسکری ابن حسن نے اپنی کتاب اخبار المدینہ میں لکھا ہے کہ مروان بن الحکم آیا تو اس نے دیکھا ایک شخص قبر نبی سے چمٹا ہوا ہے۔ مروان نے اس کی گردن سے پکڑ کر اس کو قبر سے جدا کیا اور کہا تو جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا تھا؟ وہ شخص مروان کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: میں جانتا ہوں کہ میں نہ پتھر کے پاس آیا ہوں نہ اینٹ کے، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ پھر وہ شخص بولا: دین پر اس وقت ماتم نہ کرو جب اسکے متولی اہل لوگ ہوں، اس وقت ماتم کرو جب نااہل متولی بنے ہوئے ہوں۔ تو اس روایت کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین جب حضور نبی اکرم ﷺ کو سلام

کرتے تھے اور دعا کرتے تھے تو قبلہ رو ہوتے تھے قبر کی طرف منہ نہ کرتے تھے۔

اس قول سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ کو بھی اس کا اعتراف ہے کہ سلف صالحین سلام کے وقت دعا بھی کرتے تھے۔ اب رہا ان کا حجرہ میں داخل نہ ہونا تو یہ ادب کی وجہ سے تھا۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ وہ دعا کے وقت قبلہ رو ہوتے تھے تو اس سے زیارت کا انکار یا سفر کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔

ابن تیمیہ کا یہ قول: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بارگاہ نبوی ﷺ میں سلام بھیجنے کے وقت قبلہ رو ہوتے تھے۔

ابو الیث سمرقندی نے فتاویٰ میں ایک حکایت میں جو حسن ابن زیاد کی حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہے یہی کہا ہے۔ سروجی حنفی نے کہا کہ ہماری نزدیک قبلہ رو کھڑ ہو۔ کرمانی نے کہا: شوافع وغیرہ نے کہا ہے کہ دعاء کے وقت پشت قبلہ کی طرف اور منہ قبر کی طرف ہونا چاہیے اور یہی امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور بعض حنفیہ نے کہا ہے: قبلہ رخ ہونے میں دو عبادتیں ادا ہوں گی ایک قبلہ رخ ہونا یہ بھی عبادت ہے، دوسرے دعا۔

اکثر علماء کا قول ہے کہ دعا قبر کی طرف رخ کر کے مانگے۔ یہ بہتر ہے اور اس میں ادب ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ زندوں کا سا معاملہ کرنا چاہیے اور بلا شک و شبہ زعم کو سلام اس کی طرف رخ کر کے کیا جاتا ہے۔

ابن تیمیہ کا یہ کہنا: اکثر علماء نے کہا ہے کہ سلام کے وقت خاص طور پر قبر کی طرف منہ کرے۔ یہ خاص کی قید کہاں مذکور ہے؟ اس کا حوالہ مطلوب ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے اکثر علمائے کرام سلام و دعاء دونوں حالتوں میں قبر کی طرف رخ کرنے کے قائل ہیں جبکہ احناف کی مشہور کتابوں میں اس مسئلہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ روایت منقول ہے کہ ایوب سختیانی آئے اور قبر نبی کے قریب پہنچے، قبر کی جانب رخ کیا اور قبلہ کی جانب ان کی پشت تھی۔ ابراہیم حربی نے اپنی مناسک میں لکھا ہے۔ قبلہ کی جانب پشت کرو اور قبر نبی کے وسط کی

طرف رخ کرو اور سلام و دعا پڑھو۔ اس کو آجری نے کتاب الشریعہ میں ذکر کیا ہے۔

ابن تیمیہ نے یہ کہنا: آئمہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے کہ دعاء کے وقت قبر کی جانب منہ کیا جائے۔ ہاں ایک جھوٹی روایت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے منسوب ہے جبکہ ان کا مذہب اس کے خلاف ہے۔

امام ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ آئمہ میں سے کوئی بھی دعا کے وقت قبر کی جانب منہ کرنے کا قائل نہیں ہے غلط ہے۔ اس کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ابو عبد اللہ سامری حنبلی جو کہ ”المستوعب فی مذہب احمد“ کے مؤلف ہیں، نے کہا ہے کہ قبر نبی کو منہ کے سامنے کرے، قبلہ کی جانب پشت کرے اور منبر النبی کو بائیں ہاتھ کی جانب کرے۔ پھر انہوں نے سلام و دعا کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ سلام و دعاء دونوں حالتوں میں قبر کی طرف منہ کرنے کے قائل تھے۔

یہی حال ہمارے علماء کا ہے کہ وہ مطلقاً قبر نبی کی طرف رخ کرنے کو کہتے ہیں تو بظاہر دعا و سلام دونوں میں قبر کی طرف رخ کرنے کے قائل ہیں۔ اسی طرح ہم نے ابھی ابراہیم حربی کا قول نقل کیا ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے کہ قبر نبی کے پاس پہنچے، قبلہ کی جانب پشت کرے، قبر کی دیوار کی جانب رخ کرے اور چار ہاتھ قبر کے سرہانے سے دور کھڑا ہو پھر حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام پڑھے پھر داہنی جانب کو بٹے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے، پھر تھوڑا سا اور داہنی جانب کو بٹے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر سلام پڑھے۔ پھر پہلی جگہ پر حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے آجائے اور حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنے لئے دعا میں وسیلہ بنائے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں آپ کو شفیع بنائے پھر قبر کے سرہانے کی جانب بڑھ جائے۔ پھر قیم اور اس ستون کے درمیان کھڑا ہو جو وہاں ہے اور قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اپنے اور اپنے والدین کے لئے دعائیں کرے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دعا میں قبلہ رخ ہونا بھی بہتر ہے اور قبر کی طرف رخ کرنا بھی بہتر ہے اور ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی عالم نے بھی اس کو مکروہ کہا ہے۔ اس کے

باوجود اگر کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہے تو اسے ثبوت مہیا کرنا چاہیے۔

ابن تیمیہ کا یہ قول: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک جھوٹی روایت منسوب ہے۔

جس حکایت کو ابن تیمیہ نے جھوٹی حکایت بتایا ہے اس کو قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الشفاء کے تیسرے باب میں ذکر کیا ہے اور اس حکایت پر کوئی نکیر نہیں کی ہے اور نہ یہ کہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ ابن حمید نے بیان کیا ہے ابو جعفر امیر المومنین کی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مسجد نبوی میں ایک بحث ہوئی جس میں ابو جعفر نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا اے ابو عبد اللہ! بتاؤ میں قبلہ رخ ہو کر دعا کروں یا سرکارِ دو عالم ﷺ کی جانب رخ کر کے؟ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضور نبی اکرم ﷺ سے روگردانی کیوں کرتے ہو جبکہ وہ تمہارا اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ ان کی طرف رخ کرو اور ان کو شفیع بناؤ اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اسی طرح قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے الشفاء کے تیسرے باب ”فی تعظیم امرہ و وجوب توقیرہ و برہ ﷺ“ میں بیان کیا ہے۔ اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اور نہ کسی نے یہ کہا ہے کہ ان کا مذہب اس کے برعکس ہے۔ بلکہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے الشفاء کے چوتھے باب کی ایک فصل ”فی حکم زیارة قبرہ“ میں بیان کیا ہے کہ ابن وہب کی روایت ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ پر سلام پڑھے اور دعا مانگے تو قبر کی جانب رخ کرے نہ کہ قبلہ کی جانب اور قبر کے قریب ہو کر سلام کرے، قبر کا مسح نہ کرے۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب امام کے بہت بڑے شاگرد نے بیان کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ قبر کا استقبال کرے نہ کہ قبلہ کا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ عبد اللہ ابن وہب نے مبسوط میں یہ بھی کہا ہے: مناسب یہ ہے کہ دعا کے لئے قبر کے پاس قیام نہ کرے سلام کرتا ہوا گزر جائے تو دونوں روایتوں میں اگر اختلاف ہے تو دعا کے لئے ٹھہرنے یا نہ ٹھہرنے میں ہے، استقبال قبر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور ہم پہلے بہت سے مالکی علمائے کرام کے اقوال بیان کر چکے ہیں کہ قبر کے پاس رکے اور دعا کرے اور

کسی نے یہ نہیں لکھا کہ دعا قبلہ رخ ہو کر کرے اور قبر کی جانب پشت رکھے تو اب کسی ذی علم کے لئے کیسے جائز ہے کہ یوں کہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ بلکہ تمام علمائے کرام کا مسلک اس حکایت کے خلاف ہے اور اس وہم و خیال سے اس حکایت کو جھوٹی روایت کہے جبکہ اس روایت کا ایک ایک راوی ثقہ اور معتبر ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت قدر، امانت اور ثقاہت متفق علیہ ہے۔ اور ان کے شیخ ابو القاسم احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن عبدالرحمن بن احمد بن قحی ابن مخلد بہت صاحب علم اور جلالت والے ہیں۔ اس کو ابن بشکوال نے ذکر کیا ہے۔ اور ان کے شیوخ کا ذکر کیا ہے کہ جن سے انہوں نے سنا۔ اور پھر کہا۔ اس کو ابو العباس العذری نے اجازۃ لکھا اور وہ قرطبہ کے صدر المفتیان بن گئے۔ اور یہ بہت زیادہ علمی گھرانے والے اور فضل و کمال والے تھے۔ اور بہت زیادہ مسائل جاننے والے اور فتویٰ دینے والے تھے۔ آپ شعبان میں ۴۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۳۲ھ میں وصال فرمایا۔

ابن بشکوال نے ابو عبد اللہ محمد بن عبدالرحمن بن علی بن سعید بن عبد اللہ بن سیرین جن کی کنیت ابو عبد اللہ تھی کو بھی ذکر کیا ہے۔ یہ اعلیٰ علم و معرفت اور فہم والے تھے۔ اور فروع اور اصول کے جاننے والے تھے۔ اشبیلیہ کے قاضی رہے۔ اور ان کی بہت شہرت تھی۔ ۵۰۰۳ھ میں وصال فرمایا۔ اور قاضی عیاض نے ان کو اشعری کہا ہے۔

اور اسی طرح ان کے شیخ ابو العباس احمد بن عمرو بن انس بن ولہات العدوی، ان کے بارے میں ابن بشکوال نے کہا کہ انہوں نے اپنے والدین کے ساتھ مشرقی کا سفر کیا اور بیت اللہ شریف میں شہر رمضان میں پہنچے اور کافی عرصہ وہاں مقیم رہے اور وہاں حافظ ابو ذر الہروی سے کسب فیض کیا اور صحیح بخاری ان سے سات بار سنی اور یہ حدیث کو سمجھنے اور روایت کرنے میں بہت ماہر تھے۔ اور بہت زیادہ ثقہ تھے۔ اور ان سے بہت سے اکابر نے روایت کیا ہے جن میں ابن عبد البر اور ابن حزم اور ابو علی الغسانی ہیں۔

اسی طرح ان کے شیخ ابو الحسن علی بن الحسن بن علی بن فہر الرازی المصری الحافظ

ہیں انہوں نے حسن بن رشیق اور اسماعیل بن ابی محمد الازدی سے روایت کیا ہے۔ اور انہوں نے مسند الموطا ان کے مؤلف حرم سے روایت کیا ہے۔ اور ان سے امام بیہقی اور امام الجزازی نے روایت کیا ہے۔ اور ابن المنذر نے کہا ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔

اور ان کے شیخ ابوالحسن عبداللہ بن المختار القاضی ہیں ان سے ابوالحسن الجوزی نے حدیث الاسلام کو روایت کیا ہے۔ حدیث اس طرح ہے۔ ”ان تسلم وجهک فتقیم الصلاة و تؤتی الزکاة و تصوم رمضان و تحج البيت و تعتمر“

ان کے ایک اور شیخ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ابن کابجر ہیں انہوں نے اپنے والد گرامی سے اور داود بن رشید اور احمد بن عبدالصمد الانصاری اور حسن بن شیبہ اور عمر بن حبیہ النمری سے روایت کیا ہے۔ اور ان سے منفل بن سلمۃ اور عبدالصمد الطبری اور ابوالقاسم الطبرانی نے روایت کیا ہے۔ امام دارقطنی نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ: لا بأس به۔ اور خطیب بغدادی نے ان کو ذکر کیا ہے۔

اسی طرح ان کے شیخ ابن حمید جن کو میں خیال کرتا ہوں کہ وہ ابوسفیان محمد بن حمید النمری ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کو امام مالک سے روایت کرنے والوں میں ذکر کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے۔ انہوں نے امام مالک سے ان کی موطا لکھی۔ اور وہ کہتے تھے میں قسم کے کفارہ میں لباس لینے والوں میں سے تھا۔ اور یہ ثقہ تھے اور امام مسلم نے ان سے روایت کیا ہے۔

امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کے راویوں کی جلالت قدر اور ثقاہت کو مدلل طریقہ پر بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کے راویوں پر غور کرو اور دیکھو کہ یہ حکایت ابن وہب کی روایت سے کس قدر مطابقت رکھتی ہے۔ ابن وہب کی عظمت کا بیان کرتے ہوئے امام سبکی نے ذکر کیا کہ علمائے مدینہ جب امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی کسی روایت میں باہم مختلف ہوتے تھے تو وہ ابن وہب کی آمد کا انتظار کرتے تھے تاکہ ان سے اس روایت کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ ابن بکیر کہا کرتے تھے کہ ابن وہب ابن القاسم سے زیادہ نقیہ ہیں۔

اب ہمارے لئے چند راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم صرف ابن وہب کی روایت کو لیں چونکہ اس کو ترجیح حاصل ہے۔ دوسرے یہ کہ دونوں روایتوں پر عمل کریں اس لئے کہ یہ اختلاف حلال و حرام کا نہیں ہے، نہ کراہت و عدم کراہت کا۔ قبلہ رخ ہونا بھی حسن ہے اور قبر کی طرف منہ کرنا بھی حسن ہے۔ تیسرے یہ کہ ابن تیمیہ کے زعم کے مطابق اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ قبلہ رخ رہے قبر کا استقبال نہ کرے۔ اس سے اصل مسئلہ زیارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہم نے مالکی علماء کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں کسی میں ہم نے نہیں پڑھا کہ دعا کے وقت استقبال قبر ممنوع ہے نہ یہ کہ وہ مکروہ ہے اور نہ یہ کہ وہ خلاف اولیٰ ہے سوائے مبسوط کے۔ بہر حال ابن تیمیہ کا یہ دعویٰ کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور تمام علماء کا مذہب ہے کہ جب سلام پڑھے تو قبر کی طرف منہ کرے اور جب دعا مانگے تو قبر کی طرف پشت کرے صحیح نہیں ہے اور اسی بنیاد پر انہوں نے اس حکایت کو مردود قرار دیا۔ زیارت کے سلسلہ میں ہم مالکی علماء کا کلام چوتھے باب میں بیان کر چکے ہیں جس سے ابن تیمیہ کے اس دعوے کی تردید ہو جاتی ہے۔

کچھ تھوڑی سی بات باقی ہے وہ ہم یہاں ذکر کئے دیتے ہیں۔ ابوالحسن نخعی نے تبصرہ میں ذکر کیا ہے۔ ”جو مدینہ پہنچے وہ سب سے پہلے مسجد نبوی میں جائے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ پھر قبر نبی پر جائے اور سلام پڑھے۔“ یہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اور ابن حبیب نے کہا ہے کہ جب داخل ہو تو بِسْمِ اللّٰهِ وَمَسْلَامٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ کہے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ جس وقت داخل ہو تو سلام سے ابتداء کرے پھر تحیۃ المسجد پڑھے اور اگر اس کا داخلہ اس دروازے سے ہو جو قبر نبی سے متصل ہے اور اس کا گزر قبر کے پاس سے ہو تو ٹھہر کر سلام پڑھے۔ پھر وہاں جائے جہاں نماز پڑھنی ہے اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ابن بشر مالکی نے ”کتاب التنبیہ علی مبادی التوجیہ فی دخول مکة و حکم الطواف و الركوع و السعی“ میں کہا ہے کہ جو شخص مدینہ میں داخل ہو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے مسجد نبوی میں نوافل پڑھے پھر قبر نبی کے پاس جائے۔ رسول اللہ

ﷺ پر سلام پڑھے اور کثرت سے درود پڑھے۔ پھر اپنے لئے جو چاہیے دعا کرے پھر سیدنا ابوبکر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھے اور جب مدینہ سے واپس ہو تب بھی ایسا ہی کرے۔ اس کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبر کی طرف رخ کر کے دعا کرنے کے قائل ہیں۔

ابن یونس مالکی نے ”باب فرائض الحج و الغسل لها و دخول المدينة و صفة الاحرام و التلبیة“ میں ابن حبیب سے نقل کیا ہے کہ جب مسجد نبوی میں داخل ہو تو یوں کہے: بسم اللہ، ہماری جانب سے ہمارے رب کی جانب سے اور ملائکہ کی جانب سے رسول اللہ ﷺ پر سلام ہو۔ اے اللہ! میرے گناہ معاف کر دے اور میرے لئے اپنی رحمت اور جنت کے دروازے کھول دے اور میری شیطان سے حفاظت فرما۔ پھر ریاض الجنت میں جائے جو قبر شریف اور منبر کے درمیان ہے وہاں دو رکعت نفل پڑھ کر قبر پر جائے۔ وہاں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور جس مقصد کیلئے نکلا ہے اس کی تکمیل کی دعا کرے اور ریاض الجنت میں موقع نہ ملے تو دوسری جگہ نوافل پڑھ لے۔ ریاض الجنت میں پڑھنا افضل ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ”میری قبر اور منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر جنت کے حوضوں میں سے ایک حوض پر ہے۔“

ابن حبیب نے کہا: پھر تو جب نماز پڑھ لے تو قبر نبی کے پاس قبلہ کی جانب سے پہنچ اور قبر کے قریب ہو جا۔ پھر سکون اور وقار سے حضور اکرم ﷺ پر سلام بھیج اور ثناء کر اس لئے کہ حضور تیرے وقوف کو جانتے اور تیرے کلام کو سنتے ہیں اور سیدنا ابوبکر و عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھ اور ان کے لئے دعائیں کر اور شب و روز میں مسجد میں بکثرت نمازیں پڑھ اور مسجد قباء اور شہدائے احد کی زیارت کو نہ چھوڑنا۔

ابن حبیب رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے فاضل کا یہ کلام ہمارے لئے بہت بڑی دلیل ہے۔ اس میں تصریح ہے اور یقینی طور پر بتایا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سلام کرنے والے کے کلام کو سنتے ہیں اور اس کی حاضری کا حضور نبی اکرم ﷺ کو علم ہوتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ” کتاب رؤس المسائل “ میں حافظ ابو موسیٰ اصہبانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ” جب کوئی حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس پہنچے تو قبلہ کی طرف پشت کرے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی جانب رخ کرے درود بھیجے اور دعا کرے۔

میں نے عبد اللہ ابن عبد الحکیم الکبیر کی کتاب کی شرح میں دیکھا ہے کہ ابن وہب نے کہا ہے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا گیا کہ سلام کرنے والا حضور نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس کس جگہ کھڑا ہو تو انہوں نے فرمایا: ” اُس گوشہ میں قبلہ رو کھڑا ہو جو منبر کے قریب قبلہ کی جانب ہے اور میں پسند نہیں کرتا کہ وہ قبر کو چھوئے۔“ یہ ممکن ہے کہ یہ نسخہ غلط ہو اس لیے کہ ابن وہب کی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت پہلے گزر چکی ہے اس میں قبر کے استقبال کا حکم ہے نہ کہ قبلہ کا۔ ابو موسیٰ کی روایت اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی تائید کرتا ہے اور ممکن ہے ان سے دو روایتیں ہوں۔ ایک میں قبلہ کا استقبال اور دوسری میں استدبار ہو۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ دعا کے وقت استقبال قبلہ کے قائل تھے تو اس سے زیارت قبر نبی ﷺ اور اس کے لئے سزا اور تعظیم قبر نبی کی مخالفت ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود اگر کوئی ایسا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ گمراہ ہے۔ اس کے بعد جو کچھ اس نے ذکر کیا ہے اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ اور ان کے اشکالات اپنے مقصود پر دلالت نہیں کرتے۔



آٹھواں باب

حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا
اور آپ ﷺ سے مدد حاصل کرنا
اور آپ ﷺ کی شفاعت چاہنا

حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانا اور حضور نبی اکرم ﷺ کی مدد اور شفاعت چاہنا جائز ہی نہیں بلکہ امر مستحسن ہے۔ اس کا جائز اور مستحسن ہونا ہر دین دار کے لئے ایک بدیہی امر ہے جو انبیائے کرام و رسل عظام علیہم السلام اور سلف صالحین و علمائے کرام سے ثابت ہے اور کسی مذہب والے نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی زمانہ میں ان امور کی برائی کی بات کہی گئی۔ حتیٰ کہ ابن تیمیہ نے ان امور کا انکار شروع کر دیا اور ایسی باتیں کہیں جن سے ایک بھولا بھالا مسلمان دھوکے میں پڑ جائے اور ایک ایسی نئی بات کہنی شروع کر دی جو اب تک کسی نے نہ کہی تھی اور اس ابو جعفر منصور اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ والی مشہور حکایت پر بھی جرح و قدح شروع کر دی جس کو ہم تفصیل سے نقل کر چکے ہیں اور اس کی صحت کو واضح کر چکے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ منصور سے کہا تھا۔

”حضور نبی اکرم ﷺ سے شفاعت کی درخواست کر“

ہم نے اس کتاب میں شفاعت کی بحث اس لئے کی ہے کہ ابن تیمیہ نے زیارت قبر نبی ﷺ کے انکار کے ساتھ شفاعت اور استعانت کا بھی انکار کیا ہے۔ ابن تیمیہ کے اس موقف کے باطل ہونے کے لیے اتنا ہے کافی ہے کہ اس طرح کی بات اس سے پہلے کسی عالم نے نہیں کی تھی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بہت سی باتیں لکھی ہیں ہم نے بہتر راستہ یہ سمجھا ہے کہ ان کی باتوں کے رد و ابطال سے قطع نظر کرتے ہوئے اصل مسئلہ کا ثبوت اور دلائل واضح کر دیں۔

جن علمائے کرام نے امت کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے ان کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ دین کے مسائل اس طرح بیان کر دیں کہ لوگوں کی سمجھ میں آجائیں اور قابل قبول بن جائیں لیکن ابن تیمیہ کی باتیں اس کے بالعکس ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے تو نسل ہر حال میں جائز ہے۔ حضور کی وادت سے قبل بھی اور بعد از ولادت بھی۔ حضور کی حیات ظاہری میں بھی اور بعد از وصال بھی، دنیا میں بھی اور حشر کے میدان، اور جنت میں بھی۔

توسل کی اقسام:

توسل کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:

اس سے مراد توسل کی یہ صورت ہے کہ صاحب حاجت حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ سے آپ کے مرتبہ کے طفیل اور آپ ﷺ کی برکت کے طفیل اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے۔ یہ ہر حالت میں جائز ہے خواہ اس کا وقوع حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے پہلے ہوا ہو یا حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں یا آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد۔ اور ہر حالت میں اس کے جواز پر صحیح احادیث موجود ہیں۔

توسل کی پہلی حالت یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے قبل آپ کے وسیلہ سے دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ گزشتہ انبیائے کرام علیہم السلام حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے قبل آپ کے وسیلہ جلیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاجات طلب فرماتے تھے۔ ہم ان احادیث میں سے پہلے اس حدیث کو بیان کرتے ہیں جس کو امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ”المستدرک علی الصحیحین“ میں نقل کیا ہے اور اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”حضرت آدم علیہ السلام نے جب اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تو دربار الہی میں عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ! میں بجن محمد (ﷺ) درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف فرما دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے آدم! تم محمد کو کیسے جان گئے میں نے تو ابھی ان کو پیدا بھی نہیں کیا۔ انہوں نے عرض کیا اے باری تعالیٰ! جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح مجھ میں پھونکی میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ عرش کے پایوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے تو میں جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخصیت کا نام لکھا ہے وہ یقیناً تمام مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس پر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے صحیح کہا۔ بیشک محمد تمام مخلوق میں میرے لئے محبوب تر ہیں اور جبکہ تم نے ان کے حق کا واسطہ دے کر مغفرت چاہی ہے تو میں نے تمہاری مغفرت کر دی اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔“

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے دلائل القویۃ میں روایت کیا ہے۔ امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ اور ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ ”و هو آخر الانبیاء من ذریعتک“

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بھی نقل کیا ہے۔

أوحى الله الى عيسى عليه السلام يا عيسى آمن بمحمد و أمر من أدرکه من اقتلک ان يؤمنوا به فلو لا محمد ما خلقت آدم و لو لا ما خلقت الجنة و النار و لقد خلقت العرش على الماء فلاضطرب فکتبت علیه "لا اله الا الله" فسکن

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بذریعہ وحی فرمایا کہ اے عیسیٰ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لاؤ اور اپنی امت سے کہو: جو ان کو پائے ان پر ایمان لائے۔ اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں جنت اور جہنم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ طے لگا۔ پس میں نے اس پر لا اله الا اللہ لکھا تو ٹھہر گیا۔

ابن تیمیہ کی لاعلمی:

ابن تیمیہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے توسل کی روایت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ بے اصل ہے اور کسی صحیح سند کے ساتھ منقول نہیں ہے۔ ان کا یہ دعویٰ محض اپنا خیال اور وہم ہے۔ انہوں نے بہت سی باتیں اپنی طرف سے کہہ کر اس کو جھوٹ قرار دیا ہے۔ یہ ان کی ساری باتیں اس بات پر مبنی ہیں کہ ان کے علم میں یہ نہ آیا کہ امام حاکم رحمہ اللہ

تعالیٰ نے اس روایت کو صحیح سند کے ساتھ نقل کر کے اس پر صحت کا حکم لگایا ہے۔ اگر ان کے علم میں امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصحیح آ جاتی تو کبھی یہ بے جا جرات نہ کرتے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کو امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس روایت کا علم ہو جاتا تو وہ عبداللہ ابن زید ابن اسلم جو اس حدیث کے راوی ہیں ان پر طعن کرتے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان میں ضعف ہے تو وہ ضعف اس درجہ کا تو نہیں ہے کہ اس کی بنیاد پر اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دے کر ایسے مسئلہ کا انکار کر دیا جائے جو عقلاً اور شرعاً ہر طرح سے جائز ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات سے توسل کیا ہے جس کو مفسرین نے ذکر کیا ہے لیکن ہم نے امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت اور اس پر امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصحیح کی وجہ سے اسی روایت پر اکتفا کیا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس معنی کو توسل، استعانت، تشفع، تجوہ کے الفاظ سے تعبیر کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے جس میں توسل کا معنی پایا جائے۔ کیونکہ دعا کی قبولیت کے لیے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ اور آپ مستغیث بہ ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی استغاثہ کرتا ہے تو وہ اس طرح کہتا ہے۔ میں نے اپنی فلاں غرض کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ سے استغاثہ کیا۔

ازالہ اشکال:

اب اگر کوئی یہ کہے کہ شفاعت چاہنے والا تو وہ ہوتا ہے جو شفیع کو لے کر کسی کے پاس جائے تاکہ وہ اس کی شفاعت و سفارش کر دے اور حضور نبی اکرم ﷺ کو شفیع بنانے میں یہ صورت ممکن نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظی اور لغوی بحث نہیں بلکہ معنی میں بحث ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ اور واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی جائے جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام نے درخواست کی۔ اور جس طرح شفاعت کا معنی لوگ سمجھتے ہیں۔ اور لفظ تشفع توسل، استغاثہ وغیرہ سے یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے کوئی درخواست کی جائے اور لغت بھی

ان لفظوں کے یہی معنی مراد لینے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے اس شخص کے واسطے سے درخواست کر سکتا ہے یا نہیں جس کے بارے میں اس کو یقین ہے کہ اس شخص کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک رتبہ اور قدر و منزلت ہے۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا عند اللہ بڑا رتبہ اور قدر و منزلت ہے۔ طریقہ یہی ہے کہ ایک انسان جب شفاعت چاہتا ہے تو وہ ایسے شخص کا حوالہ دیتا ہے جس کے بارے میں اس کو یقین ہوتا ہے کہ اس کا حوالہ دینے سے اس کی درخواست منظور ہو جائے گی خواہ شفاعت کرنے والا نہ خود موجود ہو اور نہ آ کر شفاعت کر رہا ہو۔ اسی طور پر حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے شفاعت طلب کی گئی ہے۔ اور اس صورت میں سائل نہ غیر اللہ سے سوال کرتا ہے، نہ غیر اللہ کو پکارتا ہے۔ محبوب اور معظم شخص کا واسطہ قبولیت کا سبب بنتا ہے جیسا کہ صحیح دعاؤں میں مذکور ہے بعض دعاؤں میں ان الفاظ کے ساتھ روایت ہے۔ ”اے اللہ تعالیٰ! میں تیرے ہر نام کے ذریعہ تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔ اے اللہ تعالیٰ! میں تیرے اسمائے حسنی کے ذریعے تم سے سوال کرتا ہوں۔ میں تم سے اس واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کی تیری ناراضگی سے اور تیری معافی کی پناہ مانگتا ہوں تیری سزا سے۔ اور تیری بارگاہ کی پناہ مانگتا ہوں تیرے ہر طرح کے غضب سے۔“

حدیث غار سے استدلال:

غار والی حدیث میں نیک کاموں کے واسطے سے دعا کرنے کا ذکر ہے۔ اور وہ صحیح حدیث ہے۔ اس حدیث میں تمام مقامات پر درخواست اور سوال صرف اللہ تعالیٰ سے ہی ہے اور جن چیزوں کے ذریعہ سوال کیا گیا ہے وہ متعدد ہیں۔ اس سے نہ شرک پیدا ہوا نہ غیر اللہ سے سوال ہوا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے ذریعہ سوال کرنے سے نبی کریم سے سوال نہیں ہے بلکہ ان کے واسطے سے اللہ تعالیٰ سے سوال ہے۔ اور جب اعمال کے واسطے سے سوال جائز ہوا جو کہ مخلوق ہیں تو نبی کریم کے واسطے سے سوال بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ یہ

کہنا کہ اعمال کے ذریعہ سوال دراصل ان اعمال کی جزاء کی درخواست ہے، درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر جزاء سے درخواست کا تعلق ہوتا تو پھر اعمال کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تو پہلی امتوں کا قصہ ہے اس سے استدلال درست نہیں۔ کیونکہ اگر اعمال کے واسطہ سے سوال شرک ہوتا تو گذشتہ امت کے لئے بھی جائز نہ ہوتا۔ اس لئے کہ شرک تو کسی امت میں بھی جائز نہیں سمجھا گیا۔

ہم نہیں سمجھتے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنا کر دعا کرنے میں کیا قباحت ہے۔ ان لفظوں کا تقاضا یہ ہے کہ جس کے واسطہ سے سوال کیا جا رہا ہے اس کو اس ذات کے ساتھ خصوصی تعلق ہے جس سے سوال کیا جا رہا ہے۔ لہذا حضور نبی اکرم ﷺ کو وسیلہ بنانے میں یہی بات ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کے واسطہ سے سوال کیا جا رہا ہے وہ اس ذات سے اعلیٰ ہوتا ہے جس سے درخواست کی گئی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے جس شخص نے تم سے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے اس کو دیدو۔ کوڑھی، گنجه اور ائمہ کے قصہ والی حدیث میں ہے۔ میں تجھ سے اس ذات کے واسطہ سے درخواست کرتا ہوں جس نے تجھے خوبصورت رنگ اور خوبصورت کھال عطا کی ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ کا حق کا واسطہ دینا:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے کہا تھا۔ میں تم سے سوال کرتی ہوں اس حق کا واسطہ دے کر جو میرا تمہارے اوپر ہے۔ اور کبھی جس ذات سے سوال کیا جا رہا ہے وہ اس سے افضل ہوتی ہے جس کے واسطہ سے سوال کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سے سوال نبی اکرم ﷺ کے واسطہ سے کیا جائے۔ اور اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

حق النبی ﷺ کا واسطہ دینے کا جواز:

اسی طرح حق النبی ﷺ کا واسطہ دے کر درخواست کرنا بھی درست ہے۔ حق سے مراد رتبہ اور منزلت ہے یا حضور کا وہ حق مراد ہے جو آپ کا امت پر ہے یا وہ حق مراد

ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے خود اپنے اوپر ثابت کر لیا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ پر کسی طرح کا وجوب نہیں ہے۔ اسی لئے فقہاء نے ان معانی کے اعتبار سے اس لفظ کے استعمال کو منع کیا ہے۔

توسل کی دوسری حالت:

اس سے مراد توسل کی یہ صورت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کی ذات کو وسیلہ بتایا جائے۔ اس کے ثبوت کے لئے وہ روایت کافی ہے جو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جامع کی کتاب الدعوت میں نقل کی ہے۔

حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”ایک نابینا صحابی حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ”میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے بینائی مل جائے۔“ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اگر تو چاہتا ہے تو میں تیرے لئے بینائی کی دعا کر دوں اور اگر تو اسی حالت پر صبر کرے تو یہ تیرے لئے بہتر ہے۔“ انہوں نے عرض کیا: میں تو دعا کرانا چاہتا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں۔“ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اچھا تو جا وضوء کر اور اچھی طرح وضو کر اور پھر یہ دعا مانگ۔“

”اللہم انی اسألك و أتوجه الیک بنیک محمد نبی الرحمة، یا محمد

انی توجہت بک الی ربی فی حاجتی لیقضی لی، اللہم شفعہ لی“

اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ تیرے نبی کریم محمد ﷺ نبی الرحمة کے واسطے سے۔ اے محمد! میں تمہارے واسطے سے اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا ہوں اپنی حاجت کے سلسلہ میں تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے۔ اے اللہ تعالیٰ تو ان کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرمائے۔“

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔ امام نسائی

رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس میں اضافہ ہے کہ وہ شخص دعا کر کے کھڑا ہوا تو اس کی بینائی آچکی تھی۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ اس نے ایسا ہی کیا تو اچھا ہو گیا۔ ایک سند میں ہے کہ اس نابینا نے کہا: ”اے محمد! میں آپ کے توسل سے اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ مجھے بینائی عطا کر دے۔ اے اللہ تعالیٰ! میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما لے اور میرے بارے میں میری شفاعت قبول فرما لے۔“

اس حدیث کے راوی حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہم جدا بھی نہ ہوئے تھے اور نہ بات لمبی ہوئی تھی کہ اتنے میں وہ شخص آیا اور وہ یوں تھا گویا کہ اس کی آنکھوں میں کبھی کوئی خرابی ہی نہ تھی۔ اس حدیث کے بارے میں ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصحیح ہمارے لئے کافی ہے اور ہمارے دعوے کے ثبوت کے لئے یہ حدیث بہت کافی ہے۔

اعتراض:

اب اگر کوئی یہ کہ یہ سب کچھ تو اس طور پر ہوا کہ نبی کریم نے اس کی شفاعت کی کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا تھا کہ یوں کہہ۔ اے اللہ تعالیٰ میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی مکرم کے واسطے سے۔

جواب:

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اس دعا کا استعمال کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کی قبولیت کا تعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت کی شفاعت سے نہ تھا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کہیں اس کی صراحت نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کر کے پھر اس کو اس دعا کی تعلیم دی تھی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہوا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے شفاعت کر کے اسکو دعا کی تعلیم دی تھی تو بھی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے غیر اللہ کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے اور پھر یہ بات کہ اگر حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کر چکے تھے تو پھر اس دعا کی تعلیم کی ہی ضرورت نہ تھی۔ حضور اکرم ﷺ کی منشاء تو یہ تھی کہ خود ضرورت مند اضطراری اور انکساری کی حالت میں آپ کے واسطہ سے فریاد کرے تاکہ اس کا مقصد مکمل طریقہ پر پورا ہو اور یہ بات حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں اور حضور کی غیبت میں اور آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد ہر حالت میں حاصل ہو سکتی ہے اس لئے کہ ہمیں امت پر حضور کی شفقتوں کا علم ہے اور اس بات کا علم ہے کہ حضور ﷺ اپنی پوری امت کے لئے استغفار اور شفاعت فرماتے رہے ہیں۔ اب جبکہ بندہ کی توجہ بھی اس کے ساتھ مل جائے گی تو وہ غرض حاصل ہو جائے گی جس کے لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے نابینا صحابی کی رہنمائی فرمائی تھی۔

توسل کی تیسری حالت:

اس سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ سے آپ کے وصال مبارک کے بعد توسل کیا جائے۔ طبرانی نے معجم کبیر کے پچاسویں جز میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ”ایک آدمی اپنی ضرورت پوری کرانے کے لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چکر کاٹا کرتا تھا لیکن وہ اس کی طرف توجہ نہ کرتے تھے وہ آدمی حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انہوں نے اس سے فرمایا جا! وضوء کر اور پھر مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھ اس کے بعد یہ دعا مانگ۔ ”اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنے نبی محمد ﷺ کے واسطہ سے جو کہ نبی الرحمة ہیں۔ اے نبی مکرم! میں آپ کے واسطہ سے متوجہ ہوں آپ کے رب کی طرف تاکہ وہ میرے ضرورت پوری کر دے۔“ اور اپنی ضرورت کا تصور رکھنا۔ پھر چل میں بھی تیرے ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ اس شخص نے حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ کے کہے پر عمل کیا اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا تو

دربان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کو لے جا کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی مسند پر بٹھا دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا۔ تیری کیا حاجت ہے۔ اس نے اپنی ضرورت بتائی تو انہوں نے وہ فوراً پوری فرمادی اور فرمایا تو نے آج تک اپنی حاجت کا ذکر کیوں نہ کیا تھا؟ تیری جو ضرورت ہو کرے آ کر ہم سے کہہ دیا کر۔ اب وہ شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس سے عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کا شکریہ ادا کر کے کہنے لگا کہ وہ تو میری ضرورت کی طرف دھیان ہی نہ دیتے تھے آپ نے ان سے کہا تو انہوں نے میری ضرورت پوری کی۔ حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا۔ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے تیرے بارے میں کوئی سفارش نہیں کی۔ ہاں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھا کہ ایک نابینا آیا اور اس نے دعا کی درخواست کی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہی دعا سکھائی تھی چنانچہ وہ فوراً بینا ہو گیا تھا۔ میں نے تجھے وہی دعا سکھا دی تھی۔

توسل کی دوسری قسم:

توسل کی اس قسم سے مراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کا طلب کرنا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا۔ اس کے تو اس قدر واقعات ہیں جن کو شمار کرنا بھی دشوار ہے۔ مسلمان اپنی ہر ضرورت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہتے تھے۔ اور آپ کی پناہ میں آتے تھے۔

صحیحین میں مذکور ہے کہ ”ایک شخص جمعہ کے روز مسجد میں آیا۔ اس وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا۔ ”یا رسول اللہ! جانور ہلاک ہو گئے، راستے بند ہو گئے، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ بارش برسا دے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کفرمائی۔ ”اے اللہ تعالیٰ! بارش برسا، اے اللہ تعالیٰ! بارش برسا۔“ پیچھے سے ابرکا ایک ٹکڑا ڈھال جیسا نمودار ہوا اور وہ ابھر کر آسمان کے درمیان پہنچ کر پھیل گیا۔ پھر بارش

شروع ہوگئی۔ راوی نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اس قدر بارش ہوئی کہ ہمیں ایک ہفتہ تک سورج نظر نہ آیا۔“

حضور نبی اکرم ﷺ کا شفاعت فرمانا:

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”دلائل النبوة“ میں ابو جزۃ السعدی سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس وقت حضور اکرم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے حضور کی خدمت میں نبی فزارہ کا ایک وفد آیا اور عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ! ہمارا علاقہ قحط میں مبتلا ہے، ہمارے باغات خشک ہیں، ہمارے بچے منگے ہیں، ہمارے جانور تباہ ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں وہ ہم پر بارش برسا دے۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت فرمادیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ سے میں شفاعت نہ کروں گا تو اور کون کرے گا؟ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کی کرسی میں آسمانوں اور زمینوں کی وسعت ہے اور وہ اس کی عظمت اور جلال سے چوں چوں کر رہی ہے۔ پھر بقیہ حدیث ذکر کی۔ پھر حضور ﷺ کھڑے ہو گئے اور منبر پر تشریف لے گئے۔ اور دعا میں فرمایا: اے اللہ تعالیٰ! اپنے شہروں کو، اپنے جانوروں کو سیراب فرما دے اور اپنی رحمت پھیلا دے اور اپنے مردہ شہروں کو زندہ کر دے۔“ اور پھر لمبی دعا اور طویل حدیث ذکر کی۔

سنن ابوداؤد میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ! ہماری جانیں مشقت میں پڑ گئی ہیں، بال بچے ضائع ہو گئے ہیں، مال اور جانور ہلاک ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ سے ہماری سیرابی کے لئے دعا فرمادیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے لئے آپ کو اور آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کو شفیع بناتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کبخت تو کیا کہہ رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو کسی مخلوق کے لئے شفیع نہیں بنایا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے ارفع و بلند تر ہے اور پھر وہ کرسی کے چوں چوں کرنے کی بات فرمائی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو شفیع بنانے پر جو ناپسندیدگی فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ شفیع اس شخص سے تواضع اور انکساری کے ساتھ بات کرتا ہے جس سے وہ شفاعت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ

کر کے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ ابھی چھوڑے بھی نہ تھے کہ آسمان نے اپنے وہانے کھول دیئے۔ دیہاتیوں نے آکر کہنا شروع کر دیا۔ ہم ڈوبے، ہم ڈوبے۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے دعا کی: اے اللہ تعالیٰ! ہمارے اطراف پر، اب ہم پر نہیں۔“ تو مدینہ منورہ پر سے بادل پھٹ گیا اور مدینہ پر تاج کی طرح بن گیا۔ اس پر حضور اس قدر ہنسے کہ حضور ﷺ کے دندان مبارک نظر آنے لگے پھر فرمایا۔ ابو طالب کی بھلائی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ آج اگر وہ زندہ ہوتے تو بہت خوش ہوتے۔ کوئی ہے جو ان کے اشعار ہمیں سنائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ انہوں نے عرض کی حضور ان کے اشعار یہ ہیں:

وَ اَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ

يَمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةً لِلْاَرَامِلِ

يَطُوفُ بِهِ الْهَلَاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ

فَهُمْ عِنْدَهُ فِي نِعْمَةٍ وَ فَوَاضِلِ

كَذَبْتُمْ وَ بَيْتَ اللَّهِ يُبْزَى مُحَمَّد

وَ لَمَّا نَطَاعِنُ حَوْلَهُ وَ نَضِصِلِ

نُسَلِمُهُ حِينَ نَضْرَعُ حَوْلَهُ

وَ نَزْهَلُ عَنْ اَبْنَانَا وَ الْحَلَالِ

۱۔ آپ بہت ہی روشن چہرہ مبارک والے ہیں کہ آپ کے چہرے کے طفیل بادلوں سے بارش مانگی جاتی ہے۔ اور آپ یتیموں کی جائے پناہ، یتیموں کی عصمت ہیں۔

۲۔ تباہ شدہ آل ہاشم اُن کے چکر کاٹتے ہیں۔ تو وہ انکے پاس اکرام اور انعامات میں ہوتے ہیں۔

۳۔ کعبہ کی قسم تم نے جھوٹ بولا (جب یہ کہا) کہ محمد ﷺ کو مغلوب کر دیا

جائے گا۔ حالانکہ ابھی تک ہم نے اُن کے چاروں طرف (آپ کی حفاظت کے لیے) نیزہ بازی کی نہ تیر اندازی۔

۴۔ ہم اُن کو اس وقت سپرد کریں گے جب ہم اُن کے چاروں طرف پچھاڑ دیئے جائیں گے۔ اور ہم اپنے بچوں اور بیویوں سے غافل ہو جائیں گے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اشعار سن کر فرمایا کیا خوب ہیں۔ پھر ان اشعار سن کر بنو کنانہ میں سے ایک شخص کھڑا اور اس نے یہ اشعار کہے:

لَكَ الْحَمْدُ وَ الْحَمْدُ مِمَّنْ شَكَرَ
سُقِينَا بِوَجْهِ النَّبِيِّ الْمَطَرِ
دَعَا اللَّهَ خَالِقَهُ دَعْوَةً
إِلَيْهِ وَ اشْخَصَ مِنْهُ الْبَصَرَ
فَلَمْ يَكُنْ إِلَّا كَمَا سَاعَةً
وَ اسْرَعَ حَتَّى رَأَيْنَا الدَّرَرَ
دَفَاقَ الْعِزِّ إِلَى جَمِيعِ الْبَعَافِ
اغَاثَ بِهِ اللَّهُ عَلِيًّا مُضِرَّ
فَكَانَ كَمَا قَالَ عَمُّهُ أَبُو
طَالِبٍ أَبْيَضَ ذُو غُرَرٍ
فَمَنْ يَشْكُرِ اللَّهَ يَلْقَى الْمَزِيدَ
وَمَنْ يَكْفُرِ اللَّهَ يَلْقَى الْغِيَرِ

۱۔ تیری ہی تعریف ہے تعریف اس کی جانب سے جو شکر گزار ہے۔ ہم نبی کے چہرے کی وجہ سے بارش سے میراب کئے گئے۔

۲۔ انہوں نے اپنے خالق اللہ تعالیٰ کو صرف ایک بار پکارا۔ اور ان کی نگاہ اوپر کو اٹھی۔

۳۔ نہ ہوئی مگر تھوڑی دیر اور اس سے بھی جلد کہ ہم نے موتی (بارش کی بوندیں) دیکھ لئے۔

۴۔ -----

۵۔ پس آپ اسی طرح ہی ہیں جس طرح کہ آپ کے چچا ابو طالب نے کہا: بہت روشن چہرہ مبارک اور چمکتی پیشانی والے۔

۶۔ پس جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور زیادہ (نعمتیں) حاصل کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتا ہے وہ حوادث سے دو چار ہوتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر کسی شاعر نے اچھے شعر کہے ہیں تو تیرے شعر بہت اچھے ہیں۔ اس سلسلہ میں احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال بے شمار ہیں۔ اگر وہ تلاش کئے جائیں تو ہزاروں مل جائیں گے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ کلام بہت واضح ہے۔

”ولو أنهم اذ ظلموا أنفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله تواباً رحيماً“ [النساء: ۶۴] (اے حبیب! اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔)

حضور نبی اکرم ﷺ کے قرابت داروں سے توسل:

جس طرح حضور اکرم ﷺ کی ذات سے توسل جائز ہے، اُن بزرگوں کے ذریعہ بھی توسل مستحسن اور جائز ہے جن کو حضور سے خاص نسبت ہے۔ جب قحط پڑتا تو

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل اختیار کرتے تھے اور کہتے تھے۔ اے اللہ تعالیٰ! جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو تیرے نبی مکرم کو وسیلہ بناتے تھے، تو ہمیں سیراب فرمادیتا تھا اب ہم تیرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، ہمیں سیراب فرمادے۔ تو وہ سیراب ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ عام الرمادہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تھا۔ اسی لئے حضرت عباس ابن عتبہ نے کہا ہے۔

بَعِثْنِي سَقَىٰ اللَّهُ الْحِجَازُ وَ أَهْلَهُ

عَشِيَّةً يَسْتَسْقِي بِشَيْبَتِهِ عُمَرُ

میرے چچا کے طفیل اللہ تعالیٰ نے حجاز اور اہل حجاز کو اس شام سیراب کیا جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے بڑھاپے کے طفیل سیرابی کی درخواست کر رہے تھے۔

بغداد میں حمزہ ابن القاسم الہاشمی نے استسقاء کی دعا کی تو اس میں کہا کہ اے اللہ تعالیٰ! میں اسی کی اولاد ہوں جس کے بڑھاپے کا واسطہ دے کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی۔ وہ برابر اسی طرح سے دعا کرے رہے حتیٰ کہ بارش ہونے لگی۔

روایت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بارش کی دعا کی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دعا کر کے فارغ ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ الہی میں یوں عرض کی۔ ”اے اللہ تعالیٰ! آسمان سے بلا گناہ کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور توبہ سے ٹپتی ہے میرے واسطہ سے قوم تیری طرف متوجہ ہے۔ چونکہ میرا تیرے نبی سے رشتہ ہے اب ہم گناہوں کے بارے میں تیرے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کے لئے تیرے سامنے ہیں۔“ حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ دعا فرما ہی رہے تھے کہ آسمان میں پہاڑ جیسے بادل گر بنے لگے۔

اسی طرح کا توسل دوسرے نیک لوگوں کے ذریعہ کرنا بھی درست ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی مسلمان ہی نہیں بلکہ دیگر کسی مذہب کے ماننے والے بھی انکار نہیں کر سکتے۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات مبارکہ اور آپ کی قبر مبارک کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل کیوں اختیار کیا؟ تو اس کو سمجھ لیجئے کہ ان کے اس فعل سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قبر مبارک کے توسل کا انکار لازم نہیں آتا۔

حضرت ابو الجوزاء نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پہنچ کر قحط کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی چھت میں سوراخ کر دو تا کہ قبر اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا تو بارش شروع ہو گئی اور اس قدر بارش ہوئی کہ عشب گھاس بکثرت پیدا ہوئی اور اونٹ اس قدر موٹے ہو گئے کہ چربی سے ان کے بدن پھٹنے لگے۔ اسی لئے اس سال کو عام الفلق (پھٹن) کا سال کہا جانے لگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل دو وجوہات کی بنا پر اختیار کیا۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان سے بھی دعا کرانی تھی جیسا کہ انہوں نے کی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بارش کی دعا کرنے والوں میں اور اس بارش سے نفع اٹھانے والوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے اور وہ خود بھی بارش کے محتاج تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس وقت ان باتوں سے بے نیاز تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری، ان کی اپنی حاجت اور آپ کی ضعیف العمری یہ سب صفتیں جمع تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمان سے حیا فرماتا ہے۔ خصوصاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بوڑھے رشتہ دار سے اور مضطر کی دعا ضرور قبول کرتا ہے۔ اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل اختیار کیا تھا۔

اعتراض:

اگر مخالف یہ کہے کہ ہم ان دلائل کی بنیاد پر جو ذکر کئے گئے ہیں توسل اور شفاعت طلب کرنے کو منع نہیں کرتے البتہ دعاء میں بجاہ النبی کہنے کو اور استغاثہ کرنے کو منع کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں سے یہ خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ جس شخصیت کی

وجاہت کا واسطہ دیا جا رہا ہے یا جس کے ذریعہ استغاثہ کیا جا رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے بڑی شخصیت ہے۔

جواب:

ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کا ادنیٰ تصور بھی کسی مسلمان کے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ بجاہ النبی میں حضور نبی اکرم ﷺ کے عالی مرتبہ ہونے کا اعتراف ہے۔ اور ایک عالی رتبہ اپنے سے بڑے عالی رتبہ سے سفارش کر سکتا ہے۔ لہذا اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی اللہ تعالیٰ پر بڑائی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ غرضیکہ توسل، تشفع، تجوہ، استغاثہ، یا حضور نبی اکرم ﷺ سے استغاثہ کرنے یا کسی دوسرے نبی یا کسی نیک شخص سے کرنے کے یہی معنی ہیں جو ہم نے بتائے کہ استغاثہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کو صرف واسطہ قرار دیا گیا ہے۔ اب اگر یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تو وہ اپنی عقل پر ماتم کرے۔

شفاعت کی دوسری حالت:

شفاعت کی دوسری حالت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد قیامت کے میدان میں حضور نبی اکرم ﷺ سے شفاعت کی درخواست ہو۔ یہ شفاعت وہ ہے جس پر امت کا اجماع ہے۔ اسی کتاب میں ہم اس کی مزید تشریح کریں گے۔

شفاعت کی تیسری حالت:

اس سے مراد یہ ہے کہ شفاعت کی درخواست حضور نبی اکرم ﷺ سے آپ کی برزخی زندگی میں کی جائے۔ یہ بھی دلائل سے ثابت ہے امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”دلائل الہیۃ“ میں مالک الدار سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص حضور اکرم ﷺ کی قبر کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! اپنی امت کے

لئے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا فرمادیں آپ کی امت برباد ہو رہی ہے۔“ یہ دعا کرنے کے بعد جب وہ سویا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے خواب میں فرمایا: ”عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے ہمارا سلام کہو اور کہ دو کہ بارش ہوگی اور ان سے کہنا سمجھداری سے کام لو، سمجھداری سے۔“ وہ شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو سارا واقعہ سنایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے۔ میں تو بقدر طاقت کوئی کوتاہی نہیں کرتا۔

روایت کا مفہوم:

اس روایت سے یہی بتانا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد برزخی زندگی میں بھی آپ سے بارش کی دعا کے لئے درخواست کی جاسکتی ہے۔ اس حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ دعا کرانا کوئی مستعبد چیز نہیں ہے جبکہ یہ ثابت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اس حالت میں سائل کے سوال کا علم ہوتا ہے اور بسا اوقات آپ جواب بھی دیتے ہیں۔

توسل کی تیسری قسم:

اس کی صورت یہ ہے کہ اپنا مقصد حضور نبی اکرم ﷺ سے طلب کرے۔ بایں معنی کہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے اور طلب کر کے اس کے مقصد کو پورا فرمادیں۔ اس سلسلہ کی یہ روایت ہے کہ ایک صحابی نے حضور سے عرض کیا کہ جنت میں مجھے اپنا ساتھ عطا فرمائیں۔ تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بکثرت سجدے کر کے اس معاملہ میں میری مدد کر۔“ اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بہت سے اقوال ہیں۔ اس سوال میں بھی مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ مقصد حضور پورا فرمادیں گے بلکہ مقصد یہ ہوتا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ مقصد کے لئے شفاعت فرمادیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ اس مقصد کو پورا فرمادیں گے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”دلائل الغوۃ“ میں مذکور ہے کہ عثمان ابن ابی العاص

ﷺ نے بیان کیا کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے قرآن کے معاملہ میں اپنی قوت حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ اس شیطان کا اثر ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے۔ اے عثمان! میرے قریب آ جا۔ میں قریب ہوا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا جس کی ٹھنڈک میں نے کمر تک محسوس کی۔ پھر فرمایا: اے شیطان! عثمان کے سینہ سے نکل جا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد میرا حافظہ اس قدر قوی ہوا کہ جو سنتا تھا یاد ہو جاتا تھا۔“

دیکھو حضور نبی اکرم ﷺ کا شیطان کو نکل جانے کا حکم دینا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا اور حقیقتاً اس فعل کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی تھا۔ ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ شیطان کے نکلنے میں حضور مستقل بالذات تھے۔ اور قدرت الہی کا اس میں کوئی دخل نہ تھا بلکہ کسی بھی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کی صورت میں یہ حضور نبی اکرم ﷺ سے صورتاً طلب ہے ورنہ دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کا مقام سفارش کرنے والے کی طرح ہے۔ اب اس کو خواہ تو سل کہیں یا تشفع یا استعانت یا تجوہ یا توجہ سب کے یہی معانی ہیں۔

تشفع کے بارے میں گزشتہ احادیث مبارکہ میں وفد بنی فزارہ کا قول حضور نبی اکرم ﷺ کے لئے مذکور ہے۔ انہوں نے عرض کیا تھا۔ تَشْفَعُ لَنَا اِلٰی رَبِّكَ (اپنے رب سے ہماری سفارش فرمادیں۔) اسی طرح نابینا صحابی والی حدیث میں بھی ایسے الفاظ ہیں جو تشفع کے معنی میں ہیں۔ تجوہ اور توجہ کے ایک ہی معنی ہیں۔ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا۔ [احزاب: ۶۹] وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں آبرور کھتے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے۔ ”وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ [آل عمران: ۵۷] دنیا اور آخرت میں مقام والے تھے۔

مفسرین نے وجیہا کے معنی صاحب جاہ و مرتبہ کے کئے ہیں۔ جوہری نے کہا ہے۔ وجیہاً ای ذُو جَاهٍ وَ قَدْرٍ وَ الْجَاهُ : الْقَدْرُ وَ الْمَنْزِلَةُ۔ ابن فارس نے کہا ہے۔ فَلَانٌ وَ جِيهَةٌ اے ذُو جَاه۔ جب تم یہ بات سمجھو گئے تو تجوہ کے معنی ہوئے توجہ بجاہ۔ اور اس

سے مراد اس کا وہ رتبہ اور قدر ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔

استغاثہ کا معنی و مفہوم:

استغاثہ کا معنی ہے غوث (مدد) طلب کرنا۔ اب کبھی غوث، اس غوث کے خالق سے طلب کی جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ”اد تستغیثون ربکم“ [انفال: ۸] جس وقت تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔

اور کبھی غوث کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے جس کی طرف اس کی نسبت اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ وہ یہ فعل سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ سے استغاثہ ان ہی معانی کے اعتبار سے ہے۔

استغاثہ کبھی متعدی بنفسہ ہوتا ہے اور کبھی باء کے ساتھ اس کا تعدیہ کر دیا جاتا ہے تو اِسْتَغَاثْتُ النَّبِيَّ اور اِسْتَغَاثْتُ بِالنَّبِيِّ کے ایک ہی معانی ہیں۔ یعنی ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ سے مدد طلب کی کہ وہ ہمارے لئے دعا فرمادیں۔ غوث کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف خلق کے اعتبار سے ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف کسب (اس فعل کو ادا کرنے) کے اعتبار سے ہے۔ تو استغاثہ بالنبی یا توسل بالنبی بالکل درست اور جائز ہے۔ لغت بھی اور شرعاً بھی جیسا کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا تھا۔ اِغْثْ اِنْ كَانَ عِنْدَكَ غَوَاثٌ۔ اگر تیرے پاس مدد ہے تو مدد کر۔

امام طبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ”معجم کبیر“ میں ایک روایت ہے جو بظاہر غیر اللہ سے استغاثہ کو منع کرتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ چلو اس منافق کے بارے میں ہم رسول اللہ ﷺ سے استغاثہ کریں۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم آپ سے اس منافق کے بارے میں استغاثہ کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ استغاثہ مجھ سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔“

اس روایت کے راوی ابن لہیعہ ہیں اور ان پر کافی اعتراضات ہوئے ہیں۔ پھر بھی اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو چند معانی پر محمول کی جائے گی۔ ایک تو یہ کہ

معاملہ دراصل یہ تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بحکم الہی منافقین پر مسلمانوں کے احکام جاری کر رکھے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کسی خاص منافق کو قتل کرانا چاہتے تھے تو ظاہر ہے کسی منافق کے بارے میں حکم الہی کے خلاف حضور اکرم ﷺ عمل نہیں فرما سکتے تھے تو حضور کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ اس معاملے کا تعلق تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہے، اس لیے میں اس میں کچھ نہ کروں گا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ منشاء ایزدی کے خلاف دعا بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اور کسی شرعی حکم میں بغیر وحی الہی کے تبدیل نہیں کر سکتے تھے تو لَا یُسْتَغَاثُ بِی (مجھ سے استغاثہ نہیں ہوتا) اگرچہ عام تھا لیکن مراد یہ خاص معاملہ تھا۔

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ حقیقتاً مستغاث بہ اللہ تعالیٰ ہے اور غیر اللہ کا مستغاث بہ ہونا مجازاً ہے۔ تو حضور کا یہ فرمانا: ”لَا یُسْتَغَاثُ بِی اِنَّمَا یَسْتَغَاثُ بِاللّٰهِ“ ایسا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو اونٹ عطا فرمائے اور پھر فرمایا کہ میں نے تمہیں اونٹ نہیں دیے اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں۔ تو ایسا فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ مجھ سے استغاثہ کرنا دراصل اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کرنا ہے کیونکہ حقیقتاً مستغاث بہ وہی ہے۔ اور اس طرح سے کئی بار احادیث میں آیا ہے۔

قرآن کریم فعل کی نسبت اس فعل کے سرانجام دینے والے کی طرف کرتا ہے۔ جس طرح حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔ ”تم میں سے کسی کو اس کا فعل جنت میں داخل نہیں کرے گا۔“ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ ”ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون“ (جنت میں داخل ہو جاؤ ان افعال کی وجہ سے جو تم کرتے تھے۔) اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ایک آدمی کو ہدایت عطا فرمائے گا۔“ پس سرکار دو عالم ﷺ نے ادب کے طور پر ہدایت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ”وجعلنا منهم ائمة یہدون بأمرنا“ (اور ہم نے ان میں سے آئمہ بنائے جو ہمارے امر کی ہدایت دیتے ہیں۔) پس اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی نسبت ان آئمہ کی طرف فرمائی ہے اور یہ سبیل کسب

ہے۔ اور اسی قبیل میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول اپنے نبی مکرم ﷺ کے لیے ہے۔ ”انک لتہدی الی صراط مستقیم“ (بے شک آپ صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔) اور رہا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ”انک لاتہدی من أحبت“ (بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو چاہیں) دراصل اس میں اپنے محبوب کو تسلی دینا ہے اور بوجھ کو دور کرنا ہے جو آپ ﷺ پر آپ کے چچا ابو طالب کے اسلام قبول نہ کرنے پر تھا۔ گویا کہ آپ ﷺ کو یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ نے اپنی ذمہ داری نبھا دی ہے اور باقی رہا ہدایت کا معاملہ تو وہ دینا آپ کے ذمہ نہیں۔ پس آپ اس حوالے سے پریشان نہ ہوں۔

بہر حال استغاثہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے جس سے غوث حاصل ہو سکے۔ بایں معنی کہ وہ خالق اور موجد غوث ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ۔ اور اس شخص سے بھی کیا جاسکتا ہے جو غوث کا سبب بن سکے۔ بخاری شریف میں قیامت کے دن کی شفاعت والی حدیث میں مذکور ہے۔ ”استغاثوا بآدم ثم بموسیٰ ثم بمحمد“ (یعنی لوگوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے استغاثہ کیا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھر حضرت محمد ﷺ سے۔)

پس یہ لفظ استغاثہ کے استعمال میں حجت ہے۔ لیکن اس کی ضرورت نہیں کیونکہ استغاثہ اور سوال کا معنی ایک ہی ہے خواہ اس کو جس لفظ سے بھی تعبیر کیا جائے۔ اور اختلاف اس کی ضروریات میں ہے باقی رہا شرعی جواز تو وہ واضح ہے۔ اور حضور نبی اکرم ﷺ سے سوال کرنے کا انکار، یہ درست نہیں کیونکہ اس کے جواز کا ثبوت ہم نے احادیث مبارکہ اور آثار سے فراہم کر دیا ہے۔

نواں باب

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
کی اخروی زندگی کا بیان

جو احادیث ہم نے گزشتہ باب میں بیان کیں وہ اس موضوع پر مشتمل تھیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف واپس کر دی جاتی ہے اور آپ سلام کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور ہم نے مناسب سمجھا کہ دیگر انبیائے کرام و صالحین اور دیگر اموات کی زندگی کا بھی ذکر کر دیں۔ ہم نے یہ ذکر چند فصلوں میں مرتب کر دیا ہے۔

پہلی فصل

انبیائے کرام علیہم السلام کی اخروی زندگی کا احادیث سے ثبوت

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے اور اس میں اس موضوع پر احادیث جمع کی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے۔ ”الانبیاء صلوات اللہ علیہم احياء فی قبورہم یصلون“ (انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں)

ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”الکامل“ میں اس حدیث مبارکہ کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

حدیث کی سند کا بیان:

رواہ ابن عدی فی الکامل انا غیر واحد اذنا حمزة بن یوسف انا احمد بن عدی الحافظ قال ثنا قسطنطین بن عبد اللہ الرومی مولی المعتمد علی اللہ امیر المؤمنین ثنا الحسن بن عرفة حدثنی الحسن بن قتیبة المدائنی ثنا المستلم بن سعد الثقفی عن الحجاج الاسود عن ثابت البنانی عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ : ”الانبیاء صلوات اللہ علیہم احياء فی قبورہم یصلون“

سند پر تبصرہ

ابن عدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ حسن بن قتیبہ سے یہ حدیث غریب حسن ہے اور میری رائے ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور ابن ابی حاتم نے اس کو ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی۔ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے اور امام دارقطنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے البرقانی کو متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو اس ”الجزء“ میں ذکر کیا جس کو انہوں نے ابو سعید احمد بن محمد بن الحلیل الصوفی عن ابن عدی کی سند سے ذکر کیا ہے۔ اور پھر امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔ یہ حدیث حسن بن قتیبہ کے تفردات میں سے شمار کی جاتی ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سند کا بیان:

قد روی عن یحییٰ بن ابی بکیر عن المستلم بن سعید و هو فیما انا
الثقة من اهل العلم انا ابو عمرو بن حمدان انا ابو یعلیٰ الموصلی ثنا
ابو جهم الازرق بن علی ثنا یحییٰ بن ابی بکیر ثنا المستلم بن سعید عن
الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ :
”الانبياء صلوات اللہ علیہم احياء فی قبورہم یصلون“

اور میں کہتا ہوں کہ یحییٰ بن ابی بکیر ثقہ ہیں اور المستلم بن سعید ثقہ ہیں اور حجاج
اگر تو یہ ابن ابی الزناد ہیں تو ثقہ ہیں اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور ہیں تو میں نہیں جانتا

دوسری حدیث:

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث بیان کی ہے جس کی سند اس طرح ہے۔

اخبرنا عبد اللہ الحافظ انا ابو حامد احمد ابن علی الحسنوی املاء ثنا
ابو عبد اللہ محمد بن عباس الحمصی بحمص ثنا ابو الربیع الزہرانی

ثنا اسماعیل بن طلحة بن یزید عن محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: " أن الأنبياء لا يتركون في قبورهم بعد أربعين ليلة و لكنهم يصلون بين يدي الله تعالى حتى ينفخ في الصور "

انبیائے کرام علیہم السلام چالیس راتوں کے بعد قبروں میں نہیں چھوڑے جاتے ہیں ہاں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھتے ہیں جب تک کہ نفخ صور ہوگا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر یہ حدیث اگر انہی الفاظ کے ساتھ صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام پر چالیس دن ایسے گزرتے ہیں پھر مسلسل اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ ۱۔ حادیث صحیحہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ موت کے بعد بھی انبیائے کرام علیہم السلام کو زندگی حاصل رہتی ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کا قبور میں نماز پڑھنا

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سندوں سے یہ حدیث نقل کی ہے: "مردت بموسی و هو قائم یصلی فی قبرہ" (میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔)

ایک اور حدیث ان الفاظ میں نقل کی ہے

قد رأيتني في جماعة من الأنبياء فإذا موسى قائم يصلی و اذا رجل ضرب جعد كأنه من رجال شنوءة و اذا عيسى ابن مريم قائم يصل اقرب الناس به شها عروة بن مسعود الثقفي و اذا ابراهيم قائم يصلی اشبه الناس به صاحبكم، یعنی نفسه، فحانت الصلاة فأممتهم فلما فرغت من الصلاة قال قائل لی یا محمد هذا مالك صاحب النار فسلم عليه فالتفت اليه فبدأني بالسلام "

حضور نبی اکرم ﷺ بیان فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے آپ کو انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ ایک شخص تھے چھریے بدن کے گھنگریالے بالوں والے گویا کہ شنوءہ قبیلہ کے ایک شخص تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا وہ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ سے مشابہ تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور وہ تمہارے صاحب سے مشابہ تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی مراد اپنی ذات تھی۔ پھر نماز کا وقت آیا تو میں نے سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا۔ اے محمد ﷺ! یہ مالک ہیں جو دوزخ کے داروغہ ہیں ان کو سلام کرو۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو خود انہوں نے مجھے سلام کیا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ”حضور اکرم ﷺ کی انبیائے کرام علیہم السلام سے بیت المقدس میں ملاقات ہوئی“ اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے معراج کے حوالے سے روایت ہے کہ ”حضور اکرم ﷺ انبیائے کرام علیہم السلام سے آسمانوں میں ملے اور باہمی گفتگو ہوئی۔“

یہ سب روایتیں صحیح ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ابتداء حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں دیکھا پھر ان کو بھی بیت المقدس میں لے جایا گیا جس طرح کہ حضور اکرم ﷺ کو لے جایا گیا پھر حضور کی طرح ان کی بھی آسمانوں کی جانب معراج ہوئی۔ لہذا مختلف احادیث میں مختلف مقامات پر ملاقات ہونے کا ذکر ہے۔ ان روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔

ایک اور روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے جو اوس ابن اوس سے مروی ہے انہوں نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اسی دن انکی وفات ہوئی۔ اسی دن نوحہ ہوگا اسی دن صعدہ ہوگا۔ اسی دن میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔“

تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ”حضور! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ کی ہڈیاں تو بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان الله تعالى حرم على الأرض أن تاكل أجساد الأنبياء“ (اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔) اس روایت کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں۔ ان میں سے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اکثروا الصلاة على في يوم الجمعة فانه ليس يقضى على أحد يوم الجمعة الا عرضت على صلاحه“ (جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو۔ جمعہ کے دن جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے۔)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہر جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو اس لئے کہ میری امت کے درود مجھ پر ہر جمعہ کو پیش کیے جاتے ہیں۔ تو جس کے جس قدر زیادہ درود ہوں گے تو اسی قدر وہ رتبہ میں مجھ سے قریب ہوگا“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے دن ہر جگہ مجھ سے قریب تر وہ ہوگا جو دنیا میں مجھ پر کثرت سے درود بھیجے گا۔ پس جو شخص جمعہ کے دن اور جمعہ کی شب مجھ پر درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس کی سوجا جتیں پوری فرمائے گا، ستر آخرت کی اور تیس دنیا کی۔ اور پھر اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے اور اس کو میری قبر میں داخل کر دیتا ہے جس طرح تم پر ہدیے داخل ہوتے ہیں وہ مجھ پر درود بھیجنے والے کا نام و نسب اور قبیلہ بتا دیتا ہے۔ پھر میں اس کو سفید صحیفہ میں لکھ لیتا ہوں۔“

امام بیہقی نے یہ حدیث بھی ذکر کی ہے۔ ”تم جہاں بھی ہو وہاں سے تمہارا درود مجھ پر پہنچ جاتا ہے۔“ اور یہ حدیث بھی بیان کی ہے۔ ”جو مسلمان مجھے سلام کرتا ہے اللہ

تعالیٰ نے میری روح واپس کر دی ہوئی ہے تاکہ میں اس کا جواب دوں“ امام بیہقی نے فرمایا اس کے معانی یہی معلوم ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی روح لوٹا دی ہے تاکہ آپ سلام کا جواب دے سکیں۔ پھر امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث ذکر کی ہے ”اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے گشت لگاتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچا دیتے ہیں۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ”حضور اکرم ﷺ کا جو امتی آپ پر درود بھیجتا ہے وہ آپ ﷺ تک پہنچ جاتا ہے اور آپ سے فرشتہ عرض کرتا ہے۔ فلاں نے آپ پر اتنی بار درود بھیجا ہے۔“

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے۔ ”جو شخص میری قبر کے پاس آ کر درود بھیجے گا وہ میں سنتا ہوں۔“ پھر امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات اخروی پر جو احادیث دلالت کرتی ہیں ان میں یہ حدیث بھی ہے جس میں مذکور ہے۔ ”جب مجھے صفحہ سے ہوش آیا تو میں نے دیکھا موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں اب میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بیہوش ہوئے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے تھے یا ان کو اس بیہوشی سے اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ کر دیا تھا۔“ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں نے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا حدیث سے استدلال:

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پہلے صور پر بیہوشی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی روئیں ان کی طرف لوٹا دی ہیں اور وہ اپنے رب کے پاس شہداء کی طرح زندہ ہیں۔ جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو دوسروں کے ساتھ وہ بھی بے ہوش ہو جائیں گے لیکن ان کی یہ موت بھی ہر حیثیت سے موت نہ ہوگی بلکہ محض شعور کا فقدان ہوگا۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بے ہوشی سے مستثنیٰ رہیں گے تو ان کا شعور اور احساس بھی باقی رہے گا اور ان کی طور پر بے ہوشی اس بیہوشی کے بدلے

حساب میں جڑ جائیگی۔ اسی طرح شہداء بھی اس بے ہوشی سے مستثنیٰ رہیں گے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ دلائل النبوة میں سلیمان التیمی اور ثابت البنانی کے حوالے سے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”معراج کی شب میرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذر ہوا وہ سرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے خود کو انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا پس موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور ان کے احوال کا ذکر کیا اور فرمایا: پھر نماز کا وقت آ گیا تو میں نے سب کی امامت کرائی۔ اور ہم نے حضرت ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی حدیث میں یہ بیان کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیائے کرام سے ملاقات بیت المقدس میں ہوئی تھی۔

اشکال کا ازالہ:

ہم نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں بیان کیا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ کے لیے بھیجا گیا اور آپ نے ان سب کو لیلۃ الاسراء جماعت کرائی۔ اور ہم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث صحیحہ میں بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو چھٹے آسمان میں دیکھا۔ ان احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر ملاقات ہوئی ہے۔ پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ پھر ان کو بیت المقدس لے جایا گیا جس طرح ہمارے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جایا گیا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیت المقدس میں دیکھا۔ پھر ان کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جایا گیا پس آپ نے ان کو آسمان پر دیکھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو پہلے زمین پر

دیکھا پھر ان کو آسمان پر۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام چونکہ شہداء کی طرح زندہ ہیں اس لیے ان کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر تشریف لے جانا ممکن ہے جس طرح اس کا تذکرہ حدیث صحیحہ میں ہوا ہے۔ یہ امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ اکلام تھا۔

حدیث اسراء میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی حضرت آدم علیہ السلام سے آسمان دنیا پر ملاقات ہوئی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ اس حالت میں تھے کہ ان کے دائیں جانب افراد کی ایک جماعت تھی اور بائیں جانب افراد کی ایک جماعت تھی۔ جب وہ دائیں طرف دیکھتے تھے تو ہنستے تھے اور جب بائیں جانب دیکھتے تھے تو روتے تھے۔ انھوں نے حضور اکرم ﷺ سے کہا ”خوش آمدید! اے نیک نبی اور نیک بیٹے“ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضور ﷺ کی ملاقات ساتویں آسمان پر ہوئی۔ وہ بیت معمور سے کمر لگائے بیٹھے تھے اور حضور ﷺ نے فرمایا جس رات کو مجھے معراج ہوئی میرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذر ہوا ان کا قد لمبا تھا، کھنکریا لے بال تھے۔ گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ کے فرد تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ان کا درمیانہ قد تھا، رنگ سفید سرخی مائل تھا، سر کے بال سیدھے تھے۔ ”ایک دوسری حدیث میں ہے وہ ہلکے جسم کے تھے۔ پھر میری حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی وہ درمیانہ قد سرخ رنگ کے تھے گویا غسل خانہ سے نکل کر آرہے تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں ان سے زیادہ مشابہ ہوں۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے۔ ”ایک شب مجھے کعبہ کے پاس دکھایا گیا تو میں نے ایک گندی رنگ کے ایک ایسے حسین شخص کو دیکھا جو گندی رنگ والے انسانوں میں سے سب سے زیادہ حسین تھا اور ان کے سر پر حسین ترین زلفیں تھیں جن میں کنگھی کی ہوئی تھی ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ وہ دو آدمیوں پر ٹیک لگائے ہوئے تھا یا راوی نے کہا تھا کہ وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے تھا اور بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ تو بتایا گیا کہ یہ مسیح ابن مریم ہیں۔“

ایک اور حدیث میں ہے۔ ”میں حطیم میں تھا اور قریش مجھ سے میری اسراء کے احوال دریافت کر رہے تھے۔ انہوں نے بیت المقدس کے بارے میں ایسی چیزوں کے

متعلق سوال کیا جو میں نہ دیکھ سکا تھا تو میں اس قدر پریشان ہوا کہ اس سے پہلے اس قدر پریشان نہ ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے کر دیا اب وہ جو سوال کرتے تھے میں دیکھ کر ان کو جواب دے دیتا تھا۔ پھر میں نے اپنے آپ کو انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت میں دیکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، ہلکے بدن کے تھے، گھنگریالے بالوں والے تھے گویا کہ شہوہ قبیلہ کے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ عروہ ابن مسعود ان سے مشابہ تر ہیں۔ میں نے دیکھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں ان سے مشابہ تر ہوں۔ پھر نماز کا وقت آ گیا اور میں نے سب کی امامت کی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا۔ یہ داروغہ جہنم مالک ہیں ان کو سلام کیجئے۔ میں متوجہ ہوا تو انہوں نے مجھے پہلے سلام کیا۔“

ایک حدیث میں ہے کہ حضور وادی ازرق سے گزر رہے تھے تو فرمایا: ”میں گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں گھاٹی سے نیچے اتر رہے ہیں اور لبیک کہہ رہے ہیں۔“ پھر حضور ہرشی گھاٹی پر پہنچے تو فرمایا: ”گویا کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام کو سرخ اونٹنی پر دیکھ رہا ہوں وہ اون کا جبہ پہنے ہوئے ہیں۔ ان کی اونٹنی کی مہار کجھور کے پٹھے کی ہے اور وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں۔“

ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے۔ ”گویا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں وہ دونوں کانوں میں انگلیاں دیے ہوئے ہیں۔“ اور یہ سب احادیث بخاری میں موجود ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کی بہت سی احادیث میں جسمانی صفات بیان کئے گئے ہیں اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور حضور اکرم ﷺ کا ان سب کی امامت کرنے کا ذکر ہے۔

اعتراض:

حدیث میں لفظ اُرانی آیا ہے۔ اس لیے کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ دیکھنا محض خواب

میں دیکھنا تھا اور لفظ ”أرانی“ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

جواب:

حضور اکرم ﷺ اسراء و معراج کے واقعات کا ذکر فرما رہے ہیں اور اس اسراء و معراج کے بارے میں جمہور سلف کا قول یہ ہے کہ وہ بیداری کی حالت میں ہوئی تھی نیند کی حالت میں نہ تھی اور بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ سب خواب کی باتیں ہیں تو بھی انبیائے کرام علیہم السلام کا خواب کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ اور ”أرانی“ کا لفظ خواب کی حالت پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ ”رأیتی فی الحجر“ بتا رہا ہے۔ اور دیگر باتوں سے عیاں ہے کہ یہ واقعات خواب میں نہیں بلکہ بیداری کی حالت میں آپ نے دیکھے تھے۔ قرآن پاک میں ہے۔ ”فلا تکن فی مریة من لقائه“ [السجدة: ۲۳] سومت رہو دھوکے میں اس کے ملنے سے۔“ اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹی ہے۔ یعنی نبی اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔

اسی طرح قرآن پاک میں ہے۔ ”واسئل من أرسلنا من قبلك من رسلنا“ [الزخرف: ۲۵] اور پوچھ ان سے جو رسول بھیجے ہم نے آپ سے پہلے“ اس آیت کے بارے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے رسل کرام علیہم السلام سے معراج میں پوچھا تھا۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات برزخی پر اعتراض:

اگر یہ کہا جائے کہ جب انبیائے کرام علیہم السلام وصال فرما چکے ہیں تو حج کیسے ادا فرماتے ہیں؟ اور تلبیہ کیسے پڑھتے ہیں؟ پھر وہ دار آخرت میں ہیں دار آخرت دار عمل نہیں ہے وہاں حج اور تلبیہ کیسا؟

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب

یاد رکھیں انبیائے کرام علیہم السلام شہداء کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی افضل ہیں اور جب شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں تو انبیائے کرام علیہم السلام بھی زندہ ہیں ان کے حج کرنے اور نماز پڑھنے میں کوئی استبعاد نہیں۔ وہ ان اعمال کے ذریعہ مزید تقرب الی اللہ حاصل کرتے ہیں اگرچہ وہ اس دنیا میں جو کہ دار العمل ہے اس میں نہیں رہے مگر ان کے عمل کرنے کا سلسلہ اب بھی منقطع نہیں ہوا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آخرت میں بھی عمل ہے اور وہ ذکر اور دعا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”دعواہم فیہا سبحانک اللہم“ [یونس : ۱۰] اور ان کی دعا یہ ہوگی ”اے اللہ تعالیٰ تو پاک ہے۔“

تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ باتیں حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دکھائی گئی ہوں اور حضور یہ شب معراج کے واقعات نہ بیان کر رہے ہوں یا حضور کو تمثیلاً ان انبیائے کرام علیہم السلام کی دنیوی زندگی دکھائی گئی ہو کہ وہ انھوں نے کس طرح گزاری ہے۔

چوتھا یہ بھی ممکن ہے کہ یہ باتیں حضور اکرم ﷺ کو ان کا حال جو دنیا میں تھا دکھایا گیا ہو اور پھر ان کے احوال تمثیلاً دکھائے گئے ہوں کہ ان حضرات کا حج اور تلبیہ کیسے تھا۔

پانچویں صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ تمام باتیں وحی کے ذریعے بتائی گئی ہوں اور حضور اکرم ﷺ نے آنکھ سے نہ دیکھی ہوں۔ یہ تو جیہات قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال کے مشاہدہ پر اعتراضات :

شب اسراء انبیائے کرام علیہم السلام کے احوال کے مشاہدہ پر ہونے والے اعتراضات کا صحیح جواب ان دو میں سے ایک ہے۔

ایک تو یہ کہ عالم برزخ پر دنیا کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ وہاں بھی عمل کو

بڑھایا اور زیادہ اجر حاصل کیا جاسکتا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کے پہلے جواب کا یہی مطلب ہے۔

دوسرے یہ کہ آخرت میں انسان مکلف نہیں رہتا اور یہ ضروری نہیں کہ اعمال مکلف ہونے کی حیثیت سے ہی کئے جائیں۔ یہی اعمال بطور لذت کے بدون تکلیف کے کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ شفاعت کی حالت میں سجدہ کریں گے تو یہ بھی عبادت ہی ہے لیکن حضور کا یہ فعل کسی حکم کی بجا آوری کے لئے نہ ہوگا بلکہ عجز و انکسار کے اظہار کے لئے اور بطور لذت کے ہوگا۔

حضرت ثابت البنانی تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا کی تھی۔ ”اے اللہ تعالیٰ! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی طاقت دی ہو تو مجھے بھی عطا فرما دے۔“ چنانچہ خواب میں دیکھا گیا کہ وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح قبض کرتے وقت یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ چاہیں تو دنیا میں مزید رہیں اور چاہیں تو دار آخرت میں آجائیں۔ اگر وصال کے بعد ان کے نیک اعمال مزید درجات کے اضافہ کا سبب نہ بنتے تو وہ ہرگز پسند نہ فرماتے اور یہی چاہتے کہ دنیا میں زیادہ عرصہ رہ کر اپنے مراتب مزید بڑھاتے رہیں۔

یہ چند احادیث ہم نے انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات اخروی کے ثبوت کے حوالے سے ذکر کی ہیں۔ قرآن پاک میں ایسی آیات موجود ہیں جو ان کی زندگی کو بتاتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے حضور زندہ ہیں انہیں (جنت کی نعمتوں کا) رزق دیا جاتا ہے۔“ [آل عمران : ۱۶۹]

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ شہداء زندہ ہیں۔ اور جب شہداء کو یہ فضیلت حاصل ہے تو انبیائے کرام علیہم السلام کو چند وجوہ سے بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگی۔ ایک یہ ہے شہداء کو یہ مرتبہ ان کے اعزاز کے لئے دیا گیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام علیہم

السلام کا رتبہ تو شہداء سے بلند ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ اعزاز شہداء کو تو حاصل ہو مگر انبیائے کرام علیہم السلام کو نہ حاصل ہو۔ خصوصاً جبکہ یہ اعزاز اللہ تعالیٰ سے زیادہ قرب اور انس کا ذریعہ ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ رتبہ شہداء کو اس لئے حاصل ہوا کہ انہوں نے اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کی ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہی ہے کہ جس نے جہاد کی یہ عبادت جاری کی اور لوگوں کو اس کی دعوت دی اور اس راہ کی بحکم خداوندی رہنمائی کی اور خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”من سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها الى يوم القيامة و من

سن سنة سيئة فعليه وزرها و وزر من عمل بها الى يوم القيامة“

جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کا اس کو اجر ملے گا اور جو لوگ قیامت تک اس طریقہ پر چلیں گے ان کو اجر ملے گا۔ اور اس اچھا طریقہ ایجاد کرنے والے کو بھی ان لوگوں کے اجر کے برابر اجر ملتا رہے گا اور ان لوگوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اسی طرح جس کسی نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اس کو اس کا گناہ ملے گا۔ اور قیامت تک اس پر چلنے والوں کے ساتھ اس کو بھی گناہ ملتا رہے گا اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ہے: ”جس شخص نے ہدایت کی طرف بلایا اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اجر اس شخص کو ملے گا جو اس ہدایت کی پیروی کرنے والا ہے اور ان کے اجر میں کمی نہیں کی جائے گی اور جس شخص نے کسی کو گمراہی کی طرف بلایا تو اس کو اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا اس غلط کام کرنے والے کو ملے گا اور ان کے گناہوں میں کمی نہیں کی جائے گی۔“ اسی مفہوم کی بہت سی صحیح احادیث مشہور ہیں۔

پس ان قواعد کی رو سے جو اجر ہر شہید کو ملے گا وہ اجر حضور اکرم ﷺ کو بھی ملے گا اور شہید کو بطور اجر زندگی ملی ہے۔ لہذا وہ زندگی بھی حضور ﷺ کو حاصل ہوگی۔ غرض کہ

ہر مسلم کے حسنات اور اعمالِ صالحہ جس طرح اس کے اعمال نامہ میں درج ہوں گے حضور ﷺ کے صحائف میں بھی لکھے جاتے رہیں گے اور حضور ﷺ کو امت کے اشخاص کی شمار سے اتنے گنا زیادہ ثواب اور اجر ملے گا کہ عقل اس کی شمار سے عاجز ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی اس کو شمار کر سکتا ہے۔ اور عقل اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ پس ہر شخص جو نیک عمل کرتا ہے اور اس کا اتنا اجر اس کے استاد یا مرشد جس نے اس کو یہ نیک عمل سکھایا تھا اس کو بھی اس کے برابر عمل ملتا ہے اور اس کے شیخ کو اس سے دو گنا اور اس کے شیخ کو اس سے دو گنا اور اسی طرح یہ اجر بڑھتا ہوا حضور اکرم ﷺ تک کئی گنا ہو کر آپ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔ پس اگر حضور ﷺ کے بعد دس درجات شمار کر لیے جائیں تو حضور اکرم ﷺ کو پہنچنے والا اجر ۱۰۲۴ (ایک ہزار چوبیس) ہو گا۔ اور جب اس دسویں فرد کے ذریعے گیارہویں فرد ہدایت پاتا ہے تو حضور اکرم ﷺ کا اجر ۲۰۴۸ (دو ہزار اڑتالیس) ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ اجر بڑھتا رہتا ہے۔ اور اسی طرح جتنا اجر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا وہ تمام کو تمام حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہوا اور اسی لیے سلف کو خلف پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ جتنا نیک عمل خلف کرتے ہیں اتنا ہی اسلاف کو اس کا اجر ملتا ہے۔ اور اسی لیے علم حاصل کرنے اور اس کو پھیلانے اور دعوت دین کو اہمیت حاصل ہے۔ اور اسی طرح اہل بدعت کو بدعات سے بچنے کی وجہ سے گناہ حاصل ہوتا ہے اور ان بدعات پر عمل کرنے والے کا گناہ بھی اس بدعت کے شروع کرنے والے کو ہوتا ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ خود بھی شہداء میں داخل ہیں کیونکہ آپ ﷺ کو خیبر میں قاتل زہر بھنی ہوئی بکری کے گوشت میں کھلایا گیا۔ حضرت بشر بن البراء رضی اللہ عنہ نے بھی وہ گوشت کھایا وہ فوراً شہید ہو گئے مگر حضور اکرم ﷺ بطور معجزہ زندہ رہے جس کا اثر حضور نبی اکرم ﷺ وفات کے وقت تک محسوس فرماتے رہے۔ اور جس مرض میں وفات ہوئی اس میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ خیبر والے زہر سے میری ابھری رگ کٹ رہی ہے۔ علمائے کرام نے کہا ہے کہ اس زہر کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی ذات میں نبوت اور شہادت جمع ہو گئی ہیں۔

جو زندگی شہداء کے لئے ثابت ہے وہ صرف انہی کے لئے ہی نہیں ہے جو کسی معرکہ میں شہید ہوئے ہیں بلکہ وہ ہر قسم کے شہیدوں کے لئے ہے جیسا کہ طاعون اور ہیضہ میں مرنے والے، ڈوب کر مرنے والے شہداء۔

لفظ شہید کی تحقیق:

لفظ ”شہید“ فعل کے وزن پر ہے جو شاہد یا مشہود کے معنی میں ہے۔ شہید کو شہید کیوں کہا گیا ہے؟ اس کی وجہ نظر ابن شہیل نے یہ بتائی ہے کہ شہید چونکہ زندہ ہوتا ہے اور زندہ شاہد و مشہود بن سکتا ہے۔ اس لئے شہید کو شہید کہا گیا ہے کہ اس قول کی بنا پر جس کو شہید کہا گیا ہے وہ زندہ ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ اگر وہ شاہد کے معنی میں ہے تو اس لئے شہید کو شہید کہا گیا ہے کہ وہ پہلی امتوں پر گواہ بنے گا اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور لطف کا شاہد ہے اور اگر وہ مشہود کے معنی میں ہے تو شہید کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی موت کے وقت ملائکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں اور اس کی روح منازل قدس میں لے جاتے ہیں اور یہ تمام باتیں حضور ﷺ کی ذات گرامی میں جمع ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات اخروی کی کیفیات:

اب یہ ضروری ہے کہ ہم اس زندگی کی تفسیر کریں جو ہم حضور اکرم ﷺ کے لئے ثابت کر رہے ہیں اور اس زندگی کی بھی جو شہداء یا دیگر مردوں کو حاصل ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کی خصوصیت تو یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا مال وصال کے بعد بھی آپ کی ملکیت میں تھا۔

امام الحرمین نے کہا کہ جو چیزیں حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ملکیت میں تھیں وہ اسی طرح وصال کے بعد بھی آپ کی ملکیت میں تھیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو اسی طرح خرچ کرتے تھے جس طرح حضور اکرم ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں خرچ کیا کرتے تھے اور ان کا یہی خیال تھا کہ چونکہ حضور اکرم ﷺ کیلئے زندگی ثابت ہے لہذا ان کی

ملکیت بھی باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ دنیوی احکام کے اعتبار سے بھی باقی ہے اور یہ زندگی شہداء کی زندگی سے بڑھ کر ہے۔

اشکال:

اب غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن پاک کہتا ہے: ”انک میت و انتھم میتون“ [الزمر: ۳۰] (بے شک آپ پر بھی موت طاری ہونے والی ہے اور بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں) نیز حضور اکرم ﷺ نے خود فرمایا: ”میں بھی مرنے والا ہوں“ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد فرمایا تھا: ”ہمارے آقا محمد ﷺ پر تو موت طاری ہو گئی ہے۔“

اشکال کا ازالہ:

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ پر طاری ہونے والی یہ موت، دائمی موت نہ تھی۔ بلکہ کچھ وقت کے لئے تھی پھر آپ زندہ کر دیئے گئے۔ ملکیت ختم ہونے کا تعلق دائمی موت سے ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اخروی زندگی شہداء کی زندگی سے اعلیٰ اور اکمل ہے وہ روح کے لئے بلا کسی اشکال کے ثابت ہے اور جسم کے لئے بھی ثابت ہے اسی لئے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے اور روح کا جسم میں واپس آنا سب مردوں کے لئے ثابت ہے چہ جائیکہ شہداء اور انبیائے کرام علیہم السلام۔

قابل غور امر یہ ہے کہ آیا وہ روح مستقل طور پر جسم میں آ جاتی ہے اور جسم اسی طرح زندہ ہو جاتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا یا وہ جسم بغیر روح کے زندہ رہتا ہے اور روح مشیت ایزدی کے ماتحت کسی اور جگہ رہتی ہے؟ روح کے ساتھ زندگی کا تعلق ایک عادی امر ہے عقلی نہیں ہے۔ عقل ممکن سمجھتی ہے کہ جسم بغیر روح کے زندہ رہے۔ ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ روح کی زندگی کے ساتھ جسم کو بھی جداگانہ زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے اس لئے کہ نماز کے ارکان کا تعلق

جسم کے اعضاء سے ہے۔

شب معراج کے بیان میں انبیائے کرام علیہم السلام کی جو حالتیں بیان کی گئی ہیں وہ بھی جسمانی صفات ہیں لیکن آخرت میں جسم کی وہ صفات اور ضروریات نہ ہوں گی جو دنیا میں تھیں۔ وہاں نہ بھوک ہوگی نہ پیاس لیکن ادراکات جیسا کہ جاننا اور سننا ہے حاصل ہوں گے۔ ہم اس کا ثبوت تمام مردوں کے لیے کریں گے تو پھر انبیائے کرام علیہم السلام کو یہ کیوں حاصل نہیں ہوں گے؟

دوسری فصل:

شہداء کی زندگی کا بیان

علمائے کرام کا اس امر پر اجماع ہے کہ شہید پر زندگی کا اطلاق ہوتا ہے جس طرح کہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ ان کی زندگی حقیقی ہے یا مجازی؟ اور اگر حقیقی ہے تو کیا اب حاصل ہے یا قیامت میں حاصل ہوگی؟ اور اگر اب حاصل ہے تو وہ روح کو حاصل ہے یا جسم کو؟

اس بارے میں یہ چار اقوال ہیں۔ ان میں سب سے کمزور قول یہ ہے کہ وہ قیامت میں زندہ ہونگے اب زندہ نہیں ہیں۔ یہ قول کئی اعتبارات سے باطل ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شہداء کی زندگی کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ لوگ اس کو نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ شہداء کی قیامت کی زندگی کو تو سب سمجھتے ہیں۔ دنیا کی زندگی ہی انوکھی بات ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔

حیات شہداء کی قرآن کریم سے دلیل:

شہداء کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و یستبشرون بالذین لم یلحقوا بہم من خلفہم [آل عمران : ۱۷۰]

وہ (حیات جاودانی کی) ان (نعمتوں) پر فرحان و شاداں رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ

نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرما رکھی ہیں اور اپنے ان پچھلوں سے بھی جو
(تاحال) ان سے نہیں مل سکے (انہیں ایمان اور طاعت کی راہ پر دیکھ کر)
خوش ہوتے ہیں“

تو شہداء کی زندوں کو بشارت دینا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اب زندہ ہیں ورنہ
قیامت میں تو کوئی دنیا میں زندہ نہ ہوگا وہ کس کو بشارت دیں گے؟

حیات شہداء پر احادیث مبارکہ سے دلائل:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
”جب تمہارے بھائی غزوہ احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روئیں سبز
پرندوں کے پوٹوں میں کر دیں وہ جنت کی نہروں سے پانی پیتی ہیں اور جنت کے پھل
کھاتی ہیں اور عرش کے سایہ میں جو قندیل لٹکے ہوئے ہیں ان میں وہ رہتی ہیں۔ جب
انہوں نے اپنے کھانے پینے اور خواب گاہوں کی عمدگی دیکھی تو کہا کوئی ہمارے بھائیوں کو
بتادے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں ہمیں رزق دیا جاتا ہے تاکہ وہ لوگ جہاد سے بے رغبتی
نہ برتیں اور جنگ میں منہ نہ موڑیں۔ اس پر حضرت حق نے فرمایا، میں تمہارا پیغام ان کو
پہنچا دوں گا،، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ”ولا تحسبن الذین قتلوا فی
سبیل اللہ امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون“ [آل عمران: ۱۶۹] (اور جو لوگ اللہ
تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جائیں انہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے
حضور زندہ ہیں انہیں (جنت کی نعمتوں کا) رزق دیا جاتا ہے۔“ یہ ابوداؤد کی روایت ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم نے حضرت ابن
مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا ہم نے حضور نبی
اکرم ﷺ سے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کی روئیں سبز پرندوں کے
پوٹوں میں ہیں اور وہ ان قندیلوں میں ہیں جو عرش میں آویزاں ہیں۔ ایک بار اللہ تعالیٰ
نے ان کو دیکھا تو استفسار فرمایا: ”تمہاری اور کوئی تمنا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ”ہم

ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان کو قیامت سے پہلے سے زندگی حاصل ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا: ”جابر تم رنجیدہ معلوم ہوتے ہو“ میں نے عرض کیا ”بیشک یا رسول اللہ۔ میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے ہیں اور بہت سی اولاد اور قرض چھوڑ گئے ہیں“ تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں“ تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جب کسی سے بات کی ہے پردے کے پیچھے سے کی ہے لیکن تمہارے والد کو زندہ کیا اور بغیر پردے کے بات کی اور فرمایا: اے میرے بندے! کچھ تمنا کر میں تیری تمنا پوری کروں گا تو اس نے عرض کیا مجھے دوبارہ زندہ کر دے تاکہ میں حیرے راستہ میں جہاد کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”یہ تو ممکن نہیں ہمارا فیصلہ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں کوئی نہ لوٹے گا“ اور اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی: ”وَالْحَسْبُ الدِّينُ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ“ [آل عمران: ۱۶۹] یہ روایت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے اور کہا ہے کہ اس سند کے حوالے سے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور حدیث کے یہ الفاظ ”اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کیا“ نئی زندگی کا تقاضا کرتے ہیں اور روح تو زندہ ہوتی ہے۔

ان روایتوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ شہداء اب بھی زندہ ہیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ شہداء کو زندگی حاصل ہے لیکن وہ حقیقی زندگی نہیں بلکہ مجازی ہے۔ یعنی ان کو

زندہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے اعتبار سے جنت میں نعمتوں کے مستحق ہیں یا اس اعتبار سے کہ ان کے دل میں تمنائیں باقی ہیں۔

ایسا کہنا بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ حقیقی معنی چھوڑ کر بلا کسی دلیل کے مجازی معنی مراد لینا درست نہیں ہے۔ تو اب لامحالہ شہداء کی زندگی اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا یہ حقیقی زندگی روح کو حاصل ہے یا روح اور جسم دونوں کو؟ بعض علماء کے نزدیک یہ زندگی صرف روح کو حاصل ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ روحمیں سبز پرندوں کے پیٹوں یا پوٹوں میں ہیں اور جسم کی حیات تو تب ہوتی جب روحمیں جسموں میں ہوتیں۔

بعض علمائے کرام کے نزدیک زندگی روح اور جسم دونوں کو حاصل ہے اور وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ یہ بات صرف شہیدوں کو ہی حاصل نہیں ہے بلکہ سب مردے اپنی قبور میں روح اور جسم کے ساتھ زندہ ہیں اور عذاب و ثواب کا تعلق روح اور جسم دونوں سے ہے۔ امام قرطبی نے اپنی کتاب التذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ شہداء کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا چشم دید واقعہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ ان کے باپ اور عمرو ابن الجموح رضی اللہ عنہما دونوں جنگ احد میں شہید ہوئے اور دونوں کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ ایک زمانہ میں بارش کے بہاؤ نے ان کی قبر کو کھول دیا۔ دیکھا گیا کہ دونوں اصلی حالت میں ہیں اور ان کے جسموں میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ ان میں سے ایک زخمی ہوئے تھے اور مرتے وقت ان کا ہاتھ زخم پر تھا قبر کھلنے پر دیکھا گیا کہ ان کا ہاتھ اسی طرح اس زخم پر رکھا ہوا ہے۔ لوگوں نے ان کے ہاتھ کو اس جگہ سے ہٹایا لیکن وہ پھر اسی زخم پر آ گیا اور یہ غزوہ احد سے چھیالیس سال بعد کا قصہ ہے۔

اسی طرح غزوہ احد سے پچاس سال بعد کی بات ہے کہ حضرت امیر معاویہ

ﷺ نے مدینہ میں ایک نہر کی کھدائی کروائی اور احد کے شہداء کو کھدائی کی جگہ سے منتقل کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کے پاؤں میں کدال لگ گئی تو اس سے خون جاری ہو گیا اور حضرت عبداللہ ابن حزام رضی اللہ عنہ کی نعش کو دیکھا گیا تو معلوم ہوتا تھا کہ گزشتہ کل دفن ہوئے ہیں۔ تمام اہل مدینہ نے بیان کیا ہے کہ ولید کے دور میں قبر نبی ﷺ کی ایک دیوار گر گئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قدم نظر آ گیا جو بالکل صحیح حالت میں تھا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی شہداء میں شمار ہے۔

اس سلسلہ میں زیادہ بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور شہداء کے اجسام کو زمین نہیں کھاتی اور یہ یاد رکھئے کہ یہاں شہید سے مراد وہ شخص ہے جس نے قتال محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کیا ہو۔ اب اگر اس کے قتال کا مقصد یہ نہ تھا تو وہ حقیقتاً شہید نہیں ہوگا۔ اسی لئے بعض ایسے اشخاص جو جہاد میں مرے ہیں ان کے اجساد کو زمین کھا جاتی ہے۔

یہ بات ضرور ہے کہ جسم کا بقاء زندگی کی دلیل نہیں ہے۔ اور یہاں بحث شہداء کی زندگی سے تھی۔ شہداء کے بارے میں یہ روایت صحیح ہے کہ وہ کہیں گے ہماری روح ہمارے جسموں میں لوٹا دی جائے تاکہ ہم پھر جہاد کر کے شہادت حاصل کریں۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی اس روح کے علاوہ دوسری روح کے ذریعہ زندہ ہیں اور ان کی یہ زندگی دنیاوی زندگی کی طرح نہیں ہے۔

شہداء کی ارواح کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جنت میں سیر کرتی ہیں پھر ان قندیلوں میں آ جاتی ہیں جو عرش میں آویزیں ہیں۔ اور عام مومنوں کی روہیں قبور میں ہیں امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہی رائے اپنی کتاب ”تذکرہ“ میں ذکر کی ہے۔

حدیث پر اعتراض:

بعض مالکیہ نے اس حدیث کو یہ کہہ کر غیر معتبر قرار دیا ہے کہ اس صورت میں تو

وہ ایک درجہ میں تو وہ ارواح قیدی ہو گئیں۔

جواب:

یہ اعتراض غلط ہے اور حدیث بہر حال صحیح ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ روہیں پیٹوں کے اندر نہیں ہیں بلکہ پیٹوں کے اوپر ہیں اور حدیث میں لفظ ”فی“ یہاں ”علی“ کے معنی میں ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ روہیں پرندوں کے پیٹوں میں نہیں بلکہ پرندوں کی شکل میں ہوں گی۔ اس لئے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ مومن کی روح ایک پرند ہوگی جو جنت کے درختوں سے غذا حاصل کریگی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ تمام شہیدوں کی روہیں ایک شکل سے نہ ہوگی بلکہ بعض پرندوں کے پیٹوں میں ہوگی۔ بعض پرندوں کی شکل میں ہوں گی۔ بعض سفید پرندوں کے پیٹوں میں ہوگی۔ بعض جنت کی صورتوں میں سے کسی صورت میں ہوگی۔ بعض ان صورتوں میں ہوں گی جو ان کے اعمال سے متصور ہوں گی بعض وہ ہوں گی جو اپنے جسموں کے پاس آتی جاتی رہیں گی۔ بعض ارواح وہ ہوں گی جو مردوں کی روہوں سے ملاقات کریں گی اور بعض وہ ہوں گی جو حضرت آدم علیہ السلام کی کفالت میں ہوں گی اور بعض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں ہوں گی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ قول سب سے اچھا ہے کہ اس قول کے اعتبار سے تمام احادیث اپنے اپنے محل میں صحیح ہو جاتی ہیں اور ان کا آپس میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔

تیسری فصل:

تمام مردوں کے سننے، بات کرنے، محسوس کرنے، زندہ ہونے اور

روح کے جسم میں واپس آنے کا بیان

مردے کے سننے اور بات کرنے کے بارے میں صحیح بخاری میں روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جب مردہ قبر میں رکھ دیا

جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے جدا ہو کر اتنی دور جاتے ہیں کہ مردہ ان کے جوتوں کی کھٹ پٹ سنتا ہے تو دو فرشتے اس مردے کے پاس پہنچتے ہیں وہ اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تو اس شخص سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ وہ مردہ کہتا ہے میں گواہی دیتا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں تو وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں جہنم میں جو تیرا ٹھکانہ تھا اس کو دیکھ اللہ تعالیٰ نے تجھے اس کے بدلے جنت میں ٹھکانہ دے دیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ دونوں ٹھکانوں کو بیک وقت دیکھتا ہے۔ رہا کافر اور منافق تو وہ اس سوال کے جواب میں کہتا ہے مجھے کچھ معلوم نہیں۔ لوگ جو کہتے تھے میں بھی کہہ دیا کرتا تھا تو اسے کہا جاتا ہے ”تو نے نہ سمجھا نہ پڑھا۔“ پھر ایک ہتھوڑا اس کے کانوں کے بیچ میں مارا جاتا ہے تو وہ اس سے چیختا ہے جس کو اس کے آس پاس کی چیزیں سوائے جن وانس کے سبب سنتی ہیں۔ ابام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی طرح روایت کیا ہے مگر اس میں الفاظ اس طرح ہیں ”واقا المنافق او المرتاب“

ترمذی میں اس طرح ہے کہ دو فرشتے مومن سے کہتے ہیں ”نم کنومہ العروس“ تو اب سو جا جیسا کہ دلہن سوتی ہے اور اسکا محبوب ترین شخص بیدار کرتا ہے۔ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب جنازہ تیار ہو جاتا ہے اور لوگ اسکو کاندھوں پر اٹھاتے ہیں اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے جلدی آگے لے چلو اور اگر وہ بد ہوتا ہے تو کہتا ہے۔ ہائے ہائے مجھے کہاں لے جاتے ہو۔ اس کی آواز انسانوں کے علاوہ سب سنتے ہیں۔ اگر انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔“

ان احادیث پر غور کریں! جن میں کسی شک کی گنجائش نہیں اور اس قدر واضح اور کثرت سے ہیں کہ ان کو مجاز پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ اور حدیث کے الفاظ ”اس مردہ کی آواز انسان کے علاوہ سب سنتے ہیں“ سے صراحۃً معلوم ہوا کہ مردہ کلام کرتا ہے۔ اور سننے کے بارے میں تو وہ حدیث بہت قوی دلیل ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بدر کے مقتولین کو جو کنویں میں پڑے ہوئے تھے پکار کر گفتگو فرمائی تھی اور

پھر صحابہ کرام علیہم السلام سے فرمایا تھا ”تم میری آواز ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔“
 مردوں کے احساس کے بارے میں وہ احادیث دلالت کرتی ہیں جو عذاب قبر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں واضح ترین وہ حدیث ہے جس کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ ”میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا ایک طرف میں اور دوسری طرف ایک اور صاحب تھے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس پہنچے اور فرمایا: ”ان دونوں قبروں میں مدفون اس وقت عذاب میں مبتلا ہیں تم دونوں میں سے کون ہے جو کھجور کی ایک شاخ توڑ کر لائے؟“ ہم دونوں دوڑے لیکن میں ساتھی سے پہلے شاخ توڑ کر لے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اوپر سے چیر کر دو ٹکڑے کئے۔ ایک ٹکڑا ایک قبر پر اور دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا: ”جب تک ان شاخوں میں تری رہے گی ان پر عذاب میں کمی کر دی جائے گی۔ اور فرمایا ان میں سے ایک غیبت کی وجہ سے اور دوسرا پیشاب سے احتیاط نہ برتنے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہے۔“ اس حدیث کو امام طحاوی نے ذکر کیا ہے۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ قبر ہی سے عذاب شروع ہو جاتا ہے اور مردہ اس کو محسوس کرتا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قبر میں مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو کہتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مطلب یہی ہے ”یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیاة الدنیا و فی الآخرة“ [ابراہیم: ۲۷] (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو) (اس) مضبوط بات (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی)۔

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی ہے جو مردوں کے حکم کے بارے میں جامع ہے اور اس میں صراحت ہے کہ روح جسم میں لوٹ کر آ جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبر کے پاس پہنچے تو بیٹھ گئے اور ہم آپ کے چاروں طرف خاموشی کے

ساتھ اس طرح بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ حضور اکرم ﷺ کبھی آسمان کی جانب دیکھتے کبھی زمین کی جانب۔ پھر فرمایا: ”میں عذاب قبر کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں“ یہ جملہ چند بار ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا: ”مومن بندہ جب دنیا کے آخری وقت اور آخرت کے ابتدائی وقت میں ہوتا ہے تو ایک فرشتہ اس کے سرہانے آکر بیٹھتا ہے اور کہتا ہے: ”اے نفس مطمئنہ! اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل“ تو اس کی روح ایک قطرہ کی مانند نکلتی ہے اور کچھ روشن رو فرشتے جنت کا کفن، حنوط خوشبو لے کر آجاتے ہیں۔ جب وہ فرشتہ اس روح کو جسم سے نکال لیتا ہے تو وہ فرشتے اس سے اس روح کو لے لیتے ہیں۔ قرآن کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ ”توفیہ رسلنا و ہم لا یفرطون“ [الانعام: ۶۱] یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے (تو) ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح کو قبض کر لیتے ہیں اور وہ خطا (یا کوتاہی) نہیں کرتے“

اب اس کی روح بہترین خوشبو کی مانند اس کے جسم سے خارج ہوتی ہے تو اس کو فرشتے لے کر آسمان کی جانب چڑھتے ہیں اور جب وہ آسمان و زمین کے درمیان کسی گروہ کے پاس سے گذرتے ہیں تو وہ گروہ پوچھتا ہے یہ کس کی روح پاک ہے تو فرشتے اس کا بہترین نام لے کر ان کو بتا دیتے ہیں۔ جب وہ فرشتے دنیا کے آسمان پر پہنچتے ہیں تو وہ ان کے لیے کھول دیا جاتا ہے پھر آسمان کے مقرب فرشتے اس کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے ہیں تو ان کو حکم ملتا ہے کہ اس کا نام علیین میں لکھ دو۔ قرآن پاک میں ہے: ”وما ادراک ما علیون کتاب مرقوم یشہدہ المقربون“ [المطففین: ۹، ۸] اور تجھ کو کیا خبر کیا ہے علیون؟ وہ ایک دفتر ہے لکھا ہوا جس کی گواہی مقربین دیتے ہیں۔

اس کا نام علیین میں لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے اب اس کو دنیا میں لوٹا دو اس لیے کہ میں کہہ چکا ہوں ”منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃ اخری“ [طہ: ۵۵] (اسی زمین سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر ڈالتے ہیں

اور اسی سے تمہیں نکالیں گے دوسری بار)

تو وہ روح دنیا کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ پھر دو سخت مزاج فرشتے اس کے پاس آتے ہیں جو اس کو بٹھاتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہہ دیتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ فرشتے کہتے ہیں کہ بتا تو کیا کہتا ہے اس شخص کے بارے میں جو تم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ جواب دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ہیں۔ پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ہیں؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے واضح نشانیاں لے کر آئے تھے اور اس کی تصدیق کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیاة الدنیا و فی الآخرة“ [ابراہیم: ۲۷] (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو (اس) مضبوط بات (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔)

اس قول میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعلان ہوتا ہے۔ میرا یہ بندہ سچا ہے اسکو جنت کا لباس پہنا دو۔ اس کے لیے جنت کا فرش بچھا دو اور جنت میں اس کی جگہ ہے وہ اس کو دکھا دو۔ چنانچہ ایسا کر دیا جاتا ہے اور اس کی قبر میں حد بھر کشادگی کر دی جاتی ہے۔ پھر اس کے لئے اس کے اعمال ایسے حسین ترین شخص کی صورت میں اس کے پاس لائے جاتے ہیں جس کا بہترین لباس ہوتا ہے اور اس میں سے خوشبو مہکتی ہے۔ وہ آکر کہتا ہے جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے تیار کی ہیں ان کی بشارت حاصل کر، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی بشارت حاصل کر، اس جنت کی بشارت حاصل کر جس کی نعمتیں دائمی ہیں۔ وہ مردہ اس سے کہتا ہے تجھے اللہ تعالیٰ خیر کی بشارت دے تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا اور وہ معاملہ ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا، میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں جانتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بڑا تیز رو تھا اور گناہ کرنے میں بہت سست تھا۔ تجھے اللہ تعالیٰ نے جزائے خیر عنایت کی ہے تب وہ مردہ کہتا ہے ”اے اللہ تعالیٰ! جلد قیامت قائم کر دے

تاکہ میں اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ سکوں۔“

اور اگر وہ بدکار ہے تو آخری وقت میں فرشتہ آکر اس کے سر ہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے۔ ”اے خبیث روح! نکل اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا پیغام سن“ پھر کچھ فرشتے آ جاتے ہیں جن کے چہرے کالے ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں ٹاٹ کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ جب وہ فرشتہ اس کی روح نکال لیتا ہے، یہ فرشتے فوراً اس سے لے لیتے ہیں اور جب وہ اس کی روح کو لے کر چلتے ہیں تو آسمان و زمین میں سے جہاں کہیں سے گزرتے ہیں مجمع اس سے پوچھتا ہے یہ خبیث روح کس کی ہے؟ تو وہ اس کا بدترین نام لیکر بتاتے ہیں پھر جب وہ دنیاوی آسمان کے پاس پہنچتے ہیں تو اس کا دروازہ نہیں کھلتا اور حکم ہوتا ہے اس کو دنیا میں واپس لے جاؤ ہمارا وعدہ ہے ”منہا خلقناکم و فیہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارة اخرى“ [سورہ طہ : ۵۵] اسی زمین سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں پھر ڈالتے ہیں اور اسی سے تمہیں نکالیں گے دوسری بار تو فرشتے اس کی روح زمین پر پھینک دیتے ہیں۔ قرآن کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔: ”و من یشرك بالله فکانما ختر من السماء“ [حج : ۳۱] (اور جس نے شریک بنایا اللہ تعالیٰ کا وہ ایسے ہے جیسے گر پڑا آسمان سے)

اب اس کی روح اس کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے تو فوراً دو فرشتے سخت مزاج آتے ہیں اور اس سے دریافت کرتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے مجھے معلوم نہیں۔ پھر وہ سوال کرتے ہیں۔ اس شخصیت کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جو تم میں بھیجی گئی تھی؟ تو وہ حضور نبی اکرم ﷺ کا نام لینے پر قادر نہیں ہوتا اور کہتا ہے۔ لوگ یہ نام لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں پھر اس کے اعمال ایک بدروح شخص کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں جس کے کپڑے میلے، بدن بدبودار ہوتا ہے اور اس سے کہتا ہے ”اللہ تعالیٰ کے عذاب اور غصہ کی بشارت حاصل کر لے۔“ وہ مردہ اس سے کہتا ہے تو کون ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے ”میں تیرے اعمال ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قسم میں جانتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی

فرمانبرداری میں نہایت ست اور گناہ کرنے میں بڑا چست تھا“ ایک دوسری سند میں یہ الفاظ بھی ہیں ”اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے جو بہرا، گونگا ہوتا ہے اور اسکے ہاتھ میں ایسا ہتھوڑا ہوتا ہے کہ اگر وہ پہاڑ پر مارا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ وہ اس سے اس مردے پر ایسی ضرب لگاتا ہے جس کو جن وانس کے علاوہ سب سنتے ہیں۔ پھر اس میں روح دوبارہ لوٹا دی جاتی ہے اور وہ پھر اس کو اسی ہتھوڑے سے مارتا ہے۔“

حدیث کا مفہوم:

اس حدیث سے مردے کا سنتا، کلام کرتا، بیٹھنا وغیرہ ثابت ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم میں لوٹ آتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”مردے کو جب لوگ دفن کر کے واپس ہوتے ہیں وہ اتنے دور جاتے ہیں کہ مردہ ان کے جوتوں کی کھسکھاہٹ سنتا ہے تو اس مردے کو بٹھایا جاتا ہے اور اس کا کفن اس کی گردن میں ڈال دیا جاتا ہے پھر اس سے سوالات ہوتے ہیں۔“

اہل سنت کا اجماع:

اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ مردہ قبر میں زندہ ہوتا ہے۔ امام الحرمین نے کہا ہے کہ امت کے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ مردہ قبر میں زندہ کیا جاتا ہے اور روح جسم میں واپس لوٹ آتی ہے۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ”و احييتنا النعین“ [المؤمن: ۱۱] زندگی دے چکا تو دو بار“ کے معنی یہی ہیں۔ ایک تو قبر میں زندگی سوالات کے لئے دی جاتی ہے اور ایک حشر میں زندگی ہوگی۔ یہی دو زندگیاں ہیں جس میں وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے ورنہ دنیا کی زندگی میں تو وہ کافر تھا اس نے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانا تھا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے:

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ان سب باتوں پر ایمان لانا اہل سنت کا

مذہب ہے۔ اور وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کی لغت اور زبان کے مطابق قرآن نازل ہوا ہے وہ سب ان باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔

عذاب قبر کے بارے میں معتزلہ کی رائے:

معتزلہ کا قول ہے کہ جو مر گیا وہ قبر میں قیامت تک مردہ ہے۔ مگر بعض معتزلہ نے عذاب قبر کا اقرار کیا اور کہا کہ قیامت کے شخصین کے درمیان عذاب ہوگا۔ لیکن یہ اقوال صحیح احادیث کے مخالف ہیں۔

محدثین کی رائے:

بعض محدثوں نے عذاب قبر کا انکار کیا اور یہ دلیل بیان کی کہ پھانسی دیئے ہوئے شخص کو شیر نے پھاڑ دیا ہو اور اسکے بدن کے اجزاء جدا جدا ہو گئے ہوں اس کے لئے یہ عذاب کیسے متصور ہو سکتا ہے؟

عقائد فاسدہ کا رد:

علمائے کرام نے ان اعتراضات کے مختلف جوابات دیئے ہیں بعض نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ سوالات بدن کے مخصوص اجزاء سے کئے جائیں۔ مثلاً قلب کے اجزاء سے اور اللہ تعالیٰ ان میں روح ڈال دے۔ بعض نے کہا ہے کہ سولی پر چڑھے ہوئے انسان میں روح ڈال دی جاتی ہو اور اور ہمیں احساس نہ ہو۔ جیسا کہ سکتہ کی حالت میں انسان کی کیفیت ہوتی ہے۔ اور جن مردوں کے اجزاء متفرق ہو گئے ہوں اللہ تعالیٰ ان کے ہر جز میں روح ڈال کر سوال کر سکتا ہے۔

بعض علمائے کرام کا خیال ہے کہ جو مردے قبروں میں ہیں ان کو تو بٹھایا جاتا ہے اور سوالات کئے جاتے ہیں اور جو زمین میں نہیں ہیں ان پر جو احوال طاری ہوتے ہیں زندوں کی آنکھوں سے ان کو محبوب کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ملائکہ کا معاملہ ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کو وہ نظر آتے ہیں مگر عام مومنین ان کو نہیں دیکھ پاتے ہیں۔ جو لوگ

قبروں میں مردوں کی حیات کے منکر ہیں وہ اس آیت سے ”انک لا تسمع الموتی و ما أنت بمسمع من فی القبور“ [الروم: ۵۲] (سو تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور نہ تو سنا سکتا جو قبروں میں ہیں) اور اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس موقف سے کہ جس میں انہوں نے بدر کے کنوئیں کے مردوں کے سماع سے انکار کیا ہے، سے استدلال کرتے ہیں۔

پہلی بات کا جواب تو یہ کہ ہم بھی ان کے نہ سننے کے قائل ہیں جب تک کہ وہ مردہ ہیں البتہ جب ان کو اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے پھر وہ سنتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اگرچہ ان کے سماع کا انکار کیا ہے لیکن یہ کہا ہے ”اب انھیں معلوم ہو گیا ہے علم بھی زندہ کی صفت ہے“ تو معلوم ہوا کہ وہ حیات اور زندگی کی قائل تھیں۔

بہر حال قبر کے یہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں اور صحیح احادیث سے ان کا ثبوت ملتا ہے۔ لہذا ان کی تصدیق اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

کیا قیامت کی زندگی کے بعد موت پھر طاری ہوگی؟

اب یہ سوال کہ کیا قبر کی اس زندگی کے بعد مردوں پر موت طاری ہو جائے گی؟ اور قیامت میں پھر زندہ ہوں گے؟ یا یہ زندگی دائمی ہوگی؟

احادیث میں اس کا قبروں میں زندہ ہو کر پھر مرنا مذکور نہیں ہے البتہ بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول ”واحييتنا النین“ کے یہ معنی کئے ہیں کہ ایک موت تو دنیا کی موت ہے اور دوسری موت وہ ہے جو قبر میں زندگی کے بعد طاری ہوگی۔ لیکن عام علمائے کرام جو عذاب قبر کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ قبر کی زندگی مسلسل رہے گی۔ صحیح احادیث اسی کی مقتضی ہیں جیسا کہ پہلی روایت میں آیا ہے کہ مردے سے کہہ دیا جائے گا کہ تیرا یہی ٹھکانا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ تجھے نہ اٹھائے گا۔ اور قرآن میں بھی مذکور ہے: ”يعرضون عليها غدوا و عشیا“ [المؤمن: ۲۶]: (وہ آگ پر پیش کیے جاتے ہیں صبح و شام)

جانوروں کا عذاب قبر سننا:

صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کے ایک باغچے میں خچر پر سوار جارہے تھے۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر اتنا بدکا کہ آپ گرنے کے قریب ہو گئے۔ دیکھا تو وہاں باغ میں چند قبریں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ کوئی ان قبروں کے مردوں کو جانتا ہے؟ ایک صاحب بولے کہ میں جانتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے استفسار فرمایا کہ یہ کب مرے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ شرک کی زندگی میں مرے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ عذاب میں مبتلا ہیں اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم ڈر کر دفن کرنا ہی چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر کی وہ کیفیت سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔“ یہ حدیث بتاتی ہے کہ عذاب مسلسل جاری رہتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تبر سے آواز سنی تو پوچھا یہ کس کی قبر ہے؟ کسی نے کہا یہ جاہلیت کے دور کی قبر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ ڈر ہے کہ تم دفن کرنا چھوڑ دو گے ورنہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں عذاب قبر سنا دے“ قرآن مجید میں ان لوگوں کا یہ قول جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے: ”من بعثنا من موقلدا“ [ہنسن: ۵۲] (کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند سے؟) بھی زندگی پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ سونا زندہ کی صفت ہے۔

”من بعثنا من موقلدا“ کی تفسیر

اس آیت کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ نکلات کے درمیان عذاب قبر مرتفع ہو جائے گا یعنی نفخہ لزع، نفخہ صعقہ، نفخہ نشر کے درمیان عام مشرکین پر عذاب نہ ہوگا بجز اس کے جس نے نبی کو قتل کیا ہوگا، یا جس کو نبی نے قتل کیا ہوگا، یا نبی کے بالمقابل جنگ میں مارا گیا ہوگا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ عذاب صبح اور شام ہوگا اور قیامت سورج چڑھنے پر قائم ہوگی اس وقت ان پر عذاب نہ ہو رہا ہوگا اور وہ سوئے ہوئے ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ روح جسم میں واپس آتی ہے اور سوالات کے وقت مردے کو زندہ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس وقت سے قیامت تک یا تو راحت میں ہوتا ہے یا عذاب میں۔ یہ بات مسلسل ہے یا وقفہ وقفہ سے؟ اور یہ معاملہ صرف روح کے ساتھ ہے؟ یا روح اور جسم دونوں کے ساتھ؟ ان میں سے ہر بات عقلاً جائز ہے لیکن اس سلسلہ میں شرعاً کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جس سے کسی خاص پہلو پر صحیح طور پر استدلال کیا جاسکے۔ ہاں حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے: ”مرنے کے بعد انسان کا ریڑھ کی ہڈی کے علاوہ سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے“ تو اگر جسم کا کوئی حصہ بھی باقی رہتا ہے تو زندگی اس سے متعلق ہو سکتی ہے۔ اگر وہ سارے کا سارا بوسیدہ ہو جائے تو پھر زندگی کا تعلق صرف روح سے رہے گا۔ ایک وقت میں وہ بھی فنا ہوگی اس کو بھی دوبارہ لوٹایا جائے گا۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مردے ایسے ہوں گے جن سے عذاب قبر کا تعلق نہ ہوگا جیسے شہید یا جو جمعہ کے روز یا جمعہ کی رات کو مرے، یہ لوگ سوالات سے مستثنیٰ ہوں گے۔

اس تمام بیان سے یہ معلوم ہو گیا کہ یقیناً تمام مردے اپنی روحوں اور جسموں کے ساتھ اپنی قبروں میں زندہ رہیں گے۔ اور یقیناً سوال و جواب کے بعد ان کے لئے عذاب یا ثواب جاری رہے گا۔ یہ عذاب و ثواب فقط روح کے لئے ہوگا یا روح اور جسم دونوں کے لئے یہ بات سماع پر موقوف ہے۔

حضرت سعید ابن السکن نے اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”مردہ جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور وہ دفن کر کے واپس جانے والوں کے جوتوں کی کھسک ساہٹ سنتا ہے اگر وہ مومن ہوتا ہے تو اس کی نماز اس کے سر ہانے آتی ہے۔ پھر مزید کچھ باتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ اس کی قبر میں ستر گز وسعت پیدا کر دی جاتی ہے اور اس کے لیے اس میں روشنی کر دی جاتی ہے اور جس طرح سے جسم کی ابتداء ہوئی تھی اسی طرح سے جسم کا اعادہ ہو جاتا ہے اور اس کی روح بہترین روحوں میں شامل کر دی جاتی ہے۔ وہ اڑتی پھرتی ہے اور جنت کے درختوں سے نوراک حاصل کرتی رہتی ہے۔“

امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستدرک میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”حجرے میں حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ دفن کر دیے گئے ہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شرم کی وجہ سے جب میں کبھی اس میں داخل ہوتی ہوں تو اپنے کپڑے باندھ کر داخل ہوتی ہوں۔“ امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں یہ حدیث شیخین کی شرائط پر ہے مگر انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔

چوتھی فصل

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کی کیفیت کا بیان

آپ نے عام مردوں اور شہداء کے بارے میں لوگوں کے اقوال سنے اور یہ معلوم ہو گیا کہ روح کا جسم میں واپس آنا اور قیامت تک اس میں رہنا اس حدیث کے مخالف ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ روح قیامت کے دن اپنے جسم میں لوٹے گی۔ اور آپ یہ بھی سمجھ گئے کہ نیکوں کی روحوں کو نعمتیں حاصل ہوں گی خواہ وہ شہداء ہوں یا نہ ہوں اور بد بختوں کو عذاب ہوتا رہے گا۔

شہداء اور غیر شہداء کی حیات میں فرق:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر شہداء کے علاوہ دیگر کو بھی قبر میں پھر سے زندگی عطا ہوتی ہے تو پھر شہداء اور غیر شہداء میں کیا فرق ہے؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس آیت میں شہداء کی زندگی کو بتایا گیا ہے اس میں دوسروں سے زندگی کی نفی نہیں کی گئی۔ اس میں تو صرف ان لوگوں کا رد ہے جو یہ سمجھتے تھے کہ شہداء زندہ نہیں ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ زندگی کی مختلف قسمیں ہیں۔ ان بد بختوں کو بھی زندگی حاصل ہے جن کو عذاب ہو رہا ہے اور مومنین کو بھی جو نعمتوں سے نوازے جا رہے ہیں لیکن شہداء کی زندگی اعلیٰ و اکمل ہے۔ زندگی کی یہ اعلیٰ قسم اور رزق ان کو حاصل نہیں جو ان کے

ہم رتبہ نہیں اور انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی سب سے اعلیٰ و اکمل ہے۔ اس لئے کہ یہ دائمی زندگی روح اور جسم، دونوں کو اسی طرح حاصل ہے جس طرح دنیا میں حاصل تھی۔ اور اگر یہ نہ بھی ہو تو بہر حال ان کی زندگی شہداء کے اعتبار سے اعلیٰ و اکمل ہے۔ روح کے لئے اس اعتبار سے کہ اس کو دربار خداوندی سے زیادہ قرب حاصل ہے اور ان کے لیے بے شمار نعمتیں ہیں۔ اس طرح وہ دنیا کی طرف متوجہ ہیں اور متصرف ہیں۔

صحابہ کرام کا ادب بارگاہ نبوی بعد از وصال نبی ﷺ:

مذکورہ پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ موت کے بعد وہی معاملہ ہونا چاہیے جو زندگی میں اس کے ساتھ تھا۔ لہذا حضور اکرم ﷺ کا ادب اسی طرح واجب ہے جس طرح حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں واجب تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ”نبی اکرم ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنا نہ نبی کی زندگی میں جائز تھا نہ نبی کی وفات کے بعد۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر حضور ﷺ کی قبر مبارک کے پاس کوئی کھٹکا کرتا تھا تو کہلا بھیجتی تھیں کہ حضور اکرم ﷺ کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے گہر کی چوکت وغیرہ بنوائی تو مناصع میں لے جا کر بنوائی جو آبادی سے باہر جنگل ہے تاکہ قبر مبارک کے پاس شور نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات حضور ﷺ کو زندہ سمجھتے تھے۔ ان روایات کو امام حسینی نے اخبار المدینہ میں ذکر کیا ہے۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو برا بھلا کہا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تجھے برباد کرے تو نے رسول اللہ ﷺ کو قبر میں ستایا ہے۔“

جو شخص بھی سلف صالحین، صحابہ کرام اور تابعین کی سیرت کا مطالعہ کرے گا۔ وہ سمجھ جائے گا کہ وہ لوگ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد بھی ایسا ہی ادب برتتے تھے جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں۔ اور قبر مبارک کے ساتھ بھی ان کا یہی معاملہ

تھا اور کیوں نہ ہوتا جب حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”ہر صبح کو آسمان سے ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں، قبر مبارک کو گھیر لیتے ہیں اور خشوع و خضوع سے اپنے پر پھڑپھڑاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے تو یہ واپس ہو جاتے ہیں اور دوسرے ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں اور وہ بھی صبح کے فرشتوں کی طرح عمل کرتے ہیں۔“ جب حشر ہوگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں ہوں گے۔ قبر مبارک کے پاس صرف ان ستر ہزار فرشتوں کی موجودگی میں دعا ہو تو کس قدر قبولیت کے قریب ہوگی چہ جائیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی موجودگی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے قبر کے پاس بہت پست آواز سے گفتگو کرتے تھے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ادب بارگاہ نبوی

ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ دو نوجوان مسجد میں آئے اور بلند آواز سے آپس میں باتیں کرنے لگے آپ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور دریافت کیا۔ تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے عرض کی۔ ہم طائف کے باشندے ہیں اور وہاں سے آئے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”اگر تم مدنی ہوتے تو ابھی تمہیں کوڑے لگاتا۔ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اس قدر بلند آواز سے بولتے ہو۔“ یعنی چونکہ تم پردیسی ہو مسجد نبوی کے آداب سے پورے واقف نہیں ہو اس لئے تمہیں معاف کرتا ہوں۔

اسی طرح اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات جمع کریں اور بتائیں کہ وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے آثار کی کس قدر تعظیم کرتے تھے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ صرف صحابہ کرام ہی نہیں ملائکہ تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت ادب سے پیش آتے تھے۔

ملائکہ اور ادب بارگاہ نبوی ﷺ :

ابن ابی شیبہ نے اپنی ”مصنف“ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص حسین صورت عمدہ لباس میں جس میں سے خوشبو مہک رہی تھی آیا۔ حضور ﷺ کو سلام کیا حضور نے جواب دیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں جناب سے ذرا قریب ہو جاؤں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں قریب آ جاؤ۔ ہم نے آپس میں ذکر کیا کہ ہم نے آج تک اتنا مودب شخص نہیں دیکھا۔ پھر اس نے اور قریب ہونے کی درخواست کی۔ پھر اس نے چند سوال کئے جن کا حضور ﷺ نے جواب دیا۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا: یہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو سوال و جواب کے ذریعے تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ ”اب غور کیجئے کہ جبرائیل امین علیہ السلام بھی آپ ﷺ کی کس قدر تعظیم کرتے تھے اور کس قدر ادب سے پیش آتے تھے اور یہی حال ملک الموت کا تھا۔

غرضیکہ بے شمار واقعات اور احادیث حضور اکرم ﷺ کی تعظیم اور ادب کے بارے میں منقول ہیں اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کی قبر کی زیارت نہ کی جائے اور زیارت کے لئے سفر نہ کیا جائے اور آپ سے استغاثہ نہ کیا جائے وہ یقیناً آپ کی شان میں بے ادبی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بے ادبی سے بچائے۔

بارگاہ نبوی کی بے ادبی پر قرآن کی وعید:

”احکام القرآن“ میں ایک روایت ہے کہ کسی شخص نے یہ کہا تھا کہ اگر حضور اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد میں حضور ﷺ کی فلاں زوجہ مطہرہ سے نکاح کروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ”و ما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ و لا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ أبدا“ [احزاب : ۵۳] (اور تم کو حق نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ تعالیٰ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی عورتوں سے اس کے بعد کبھی بھی)

غور کیجئے! اللہ تعالیٰ نے نبی معظم ﷺ کو اذیت پہنچانے کو کس درجہ میں ممنوع قرار دیا ہے کہ وصال مبارک کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح کو بھی حرام قرار دیا اس لئے کہ یہ فعل نبی اکرم ﷺ کے لیے اذیت کا سبب ہے اور اس آیت سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح آپ زندگی میں اذیت محسوس کرتے تھے موت کے بعد بھی محسوس فرماتے ہیں۔ تو جو شخص اپنے دین کی حفاظت چاہتا ہے اس کا فرض ہے کہ وہ کوئی ایسا فعل نہ کرے کہ جو حضور نبی اکرم ﷺ کی اذیت کا سبب بن جائے اور دنیا و آخرت میں خسارے میں پڑے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس گناہ سے محفوظ رکھے۔ اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہ قیامت کے دن ہماری نجات کی دلیل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے زمرے میں داخل رکھے اور ان کے جھنڈے تلے قیامت میں اٹھائے اور آپ کے حوض سے ہمیں سیراب کرے اور آپ کی شفاعت اور رضا ہمیں حاصل ہو۔ آمین۔

پانچویں فصل:

اس تمام بحث سے مقصود موت کے بعد سننے اور ادراک کرنے وغیرہ کو ثابت کرنا تھا۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہ تمام چیزیں زندگی کے خواص ہیں مرنے کے بعد کیسے پائی جاسکتی ہیں؟ اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہم بھی مردوں کے لئے یہ امور ثابت نہیں کر رہے بلکہ ان میں زندگی کے واپس آ جانے پر ان کے لئے یہ ثابت کر رہے ہیں یعنی ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کو زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سنتے ہیں۔ اب یا تو صرف روح زندہ ہے اور جسم مردہ ہے یا روح اور جسم دونوں زندہ ہیں۔ انسان میں دو چیزیں ہیں۔ جسم اور روح۔ جسم جب مر جائے اور روح اس میں نہ لوٹے تو زندگی کے امور میں سے کوئی بھی اس میں نہیں پایا جاتا یعنی نہ وہ سنتا ہے اور نہ اس میں احساس رہتا ہے البتہ اگر اس میں روح لوٹ آئے تو وہ سنتا ہے اور زندگی کے باقی امور بھی پائے جاتے ہیں۔ نفس انسانی مرنے کے بعد باقی رہتا ہے اور اس کو علم و احساس حاصل

ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھی جب بدر کے کنویں کے مردوں کے سننے کا انکار کیا تو اس بات کا اقرار کیا کہ ان مردوں کو علم ہوا ہے۔

نفس کے باقی رہنے کے معنی اس کا دائمی بقا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام عالم کے فنا کے وقت اس کو بھی فنا فرما دیں گے پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ مقصد یہ ہے کہ نفس جسم کی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ پھر جب فنا ہوگا تو قیامت میں زندہ کر دیا جائے گا۔ اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ نفس کو معقولات کا ادراک ہوتا ہے۔ محسوسات مثلاً مسموع کے ادراک کے بارے میں متکلمین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں نفس ہی براہ راست ادراک کرتا ہے، بعض کہتے ہیں حواس ادراک کرتے اور وہ نفس تک ان محسوسات کو پہنچاتے ہیں۔ ان دونوں قولوں کے مطابق نفس مسموع کا ادراک کرتا ہے۔ بہر حال وہ سنتا ہے۔

روح کی حقیقت:

اس بحث کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ روح کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے اس میں بہت سی لمبی بحثیں ہیں اور اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ روح جسم ہے یا عرض یا دونوں کا مجموعہ وہ جو ہر فرد متخیز ہے یا جو ہر فرد غیر متخیز اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ قرآن پاک میں وارد ہے۔ ”قل الروح من امر ربی“ [بنی اسرائیل : ۸۵] (فرمادیجئے روح میرے رب کے امر سے ہے)

علمائے کرام اور مفسرین نے اس میں بحث کی ہے کہ ان کا سوال روح انسانی سے متعلق تھا یا روح بمعنی فرشتہ سے؟ صحیح قول یہ ہے کہ یہ سوال روح انسانی کے بارے میں تھا۔ پھر اگر سوال روح انسانی کے بارے میں تھا تو اس کی حقیقت کے بارے میں یا اس کے حادث ہونے کے بارے میں تھا؟ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سوال اس کے حادث ہونے کے بارے میں تھا۔ پنانچہ قرآن کا جواب اسی کو بتاتا ہے جواب میں کہا گیا ہے۔ ”

قل الروح من امر ربی ” یعنی فعل اللہ ہے جو کہ حادث ہے ۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سوال روح کی حقیقت کے بارے میں تھا ان میں یہ اختلاف ہے کہ جواب میں اس کی حقیقت بتائی گئی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں حقیقت نہیں بتائی گئی اس لئے کہ اس کی حقیقت سمجھنا انسانی عقل سے بالاتر ہے ۔ علم انسانی اس قدر قلیل ہے کہ اس کا ذہن اس کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں اس کی حقیقت بتائی گئی ہے اور کہہ دیا گیا ہے کہ وہ امر رب ہے یعنی وہ عالم امر کی چیز ہے ۔ عالم دو مانے گئے ہیں ۔ ایک عالم امر ہے اور ایک عالم خلق ہے ۔ اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔

”سن لو اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا“ [الاعراف-۵۲]

عالم امر میں وہ اشیاء داخل ہیں جو کلمہ کن سے پیدا کی گئی ہیں ۔ قرآن پاک میں ہے ”اس کا حکم یہی ہے جب چاہے کسی چیز کو کہے اس کو ہو وہ ہو جائے“ [یسین ۸۲] عالم امر اور عالم خلق کی زیادہ تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔

روح امر رب میں سے ہے۔ امر رب سے مراد شرع ہے تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تم شرع میں داخل ہو جاؤ، کتاب و سنت پر عمل کرو روح کی حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ جو لوگ روح کو جوہر و جسم قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک لامحالہ وہ زندگی کے ساتھ متصف ہے ۔ روح کو عرض کہنا تو عقل سے بعید ہے فلاسفہ روح کو جوہر مجرد متخیر مانتے ہیں ۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ کا روح کے بارے میں نظریہ:

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”احیاء علوم الدین“ میں روح کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ایک ربانی لطیفہ ہے اور وہی انسان کی حقیقت ہے اور یہ مدرك، عالم اور عارف ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخاطب ہے اور اس کو جسمانی قلب سے ایک خاص علاقہ ہے ۔ اسی لطیفہ ربانی کو روح، نفس، قلب، عقل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ نہ

روح جسمانی ہے، نہ نفس شہوانی، نہ قلب صنوبری۔

اطباء کے نزدیک روح کی اقسام:

اطباء اس پر متفق ہیں کہ روہیں تین ہیں۔

- ۱۔ روح طبعی وہ ایک لطیف جسم ہے جس کا مرکز جگر ہے پھر تمام جسم میں پھیل جاتی ہے۔
- ۲۔ روح حیوانی وہ ایک لطیف جسم ہے اور اس کا مخزن قلب ہے پھر سارے جسم میں پھیل جاتی ہے اور وہ قوت حیات کی حامل ہے۔
- ۳۔ روح نفسانی یہ ایک لطیف جسم ہے جس کا مرکز دماغ ہے پھر سارے جسم میں پھیل جاتی ہے۔ اس کا عمل حس و حرکت ہے۔

اطباء نے نفس ناطقہ کا جو انسان کے ساتھ ہے ذکر نہیں کیا جو ہمارا اصل مقصد ہے۔ وہ فلاسفہ جو نفس ناطقہ کے قائل ہیں اور اس کو جوہر مجرد مانتے ہیں وہ اس کو زندہ، عالم، محکم، سمیع، بصیر، قادر، ارادہ مانتے ہیں لیکن اس کو ممکن الوجود موجود بایجاد اللہ تعالیٰ، حادث اور مخلوق کہتے ہیں اور وہ ہر اس چیز کو مخلوق کہتے ہیں جو ناپ تول اور اندازے میں آ سکے اور اسی کو عالم خلق کہتے ہیں اور عالم امر ان موجودات کو کہتے ہیں جو حس، خیال، جہت، مکان، چیز سے خارج ہیں اور وہ ناپ تول اور اندازے کے ماتحت نہیں آتیں۔ شریعت بظاہر روح کو متمیز قرار دیتی ہے حدیث میں اس کا ذکر یوں آیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”انسان کی موت کے وقت اس کے پاس ملائکہ پہنچتے ہیں اگر وہ نیک ہے تو اس سے کہتے ہیں ”اے نفس مطمئنہ نکل آ تو پاک جسم میں تھا قابل تعریف ہو کر نکل آ اور راحت و آرام کی بشارت حاصل کر لے رب تم پر راضی ہے ناراض نہیں ہے۔“ وہ فرشتے برابر یہی کہتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ نکل آتی ہے اور پھر وہ اس کو لے کر آسمانوں پر جاتے ہیں اور اس کا ہر جگہ استقبال

ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ علیین میں پہنچ جاتی ہے۔ قرآن نے بھی فرمایا ہے۔ ”یا ایتھا
 النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة“ [الفجر : ۲۷، ۲۸] ترجمہ:
 (اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اس پر راضی ہے اور وہ تم
 پر راضی ہے۔)



وسوال باب

حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا بیان

حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا ذکر خیر اس لیے کیا ہے تاکہ پہلی حدیث جو کہ شفاعت کے موضوع پر ہے اس کی شرح کی جاسکے اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان مبارک ہے: ”من زار قبری وجبت له شفاعتی“ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

ہم اسی بحث پر کتاب کو ختم کر رہے تاکہ ہمیں آخرت میں حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت نصیب ہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

شفاعت کی اقسام:

آخرت کی شفاعت کے بارے میں مجمل بات یہ ہے کہ اس کی پانچ اقسام ہیں جو سب سرکارِ دو عالم ﷺ کے لیے ثابت ہیں۔ ان میں بعض ایسی ہیں جو صرف سرکارِ دو عالم ﷺ کو حاصل ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ ان میں دوسرے بھی شریک ہیں لیکن ان میں پہل سرکارِ دو عالم ﷺ کو حاصل ہوگی۔

عام شفاعت صرف سرکارِ دو عالم ﷺ کو حاصل ہے۔ دوسری بعض شفاعتیں جو دوسروں کو بھی حاصل ہیں ان کی نسبت سرکارِ دو عالم ﷺ کی طرف بھی کی جاسکتی ہے۔ مطلقاً شافع صرف سرکارِ دو عالم ﷺ ہیں۔ اور حدیث ”وجبت له شفاعتی“ میں شفاعت خاصہ بھی مراد ہو سکتی ہے اور دوسری اقسام بھی۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر آئمہ نے فرمایا ہے کہ شفاعت کی پانچ اقسام ہیں۔

پہلی قسم: میدانِ حشر میں حساب شروع کرنے کے لیے شفاعت:

یہ شفاعت صرف سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ یہ شفاعت وہ ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ قیامت کے میدان میں فرمائیں گے کہ حساب جلد شروع کیا جائے اور میدانِ قیامت میں زیادہ ٹھراؤ نہ ہو اور یہی شفاعت عظمیٰ ہے جس کے سب قائل ہیں۔

دوسری قسم: بغیر حساب جنت میں دخول کی شفاعت:

یہ شفاعت بھی صرف سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ یہ شفاعت وہ ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ قیامت کے دن فرمائیں گے اور ایک قوم کو جنت میں بغیر حساب کتاب کے داخل کریں گے اور اس کے بارے میں حدیث میں یوں مذکور ہے

”میں کہوں گا: ”اے میرے رب! میری امت! میری امت! تو کہا جائے گا۔ اے محمد! جنت کے داہنے دروازے سے اپنی امت کے ایسے آدمیوں کو داخل کر دو جن پر نہ حساب ہے نہ مواخذہ“

ایک حدیث میں ہے: یدخل من امتی الجنة سبعون ألفاً بغیر حساب فقال رجل یا رسول اللہ! ادع اللہ ان يجعلنی منهم فقال: اللہم اجعلہ منهم، والرجل عکاشہ۔

”میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔“ ایک شخص نے عرض کیا حضور! دعا فرمائیں کہ میں انہی میں سے ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ تعالیٰ! اس کو ان (جنتیوں) میں سے کر دے۔ اور وہ عرض کرنے والا صاحب حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ کسی نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے سوال کیا وہ ستر ہزار کون ہوں گے جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں، نہ قال نکالتے ہیں، نہ داغنے کا علاج کراتے ہیں، صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں۔“

ایک دوسری حدیث میں ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میرے سامنے امتیں لائی گئیں میں نے دیکھا کوئی نبی مکرم ہیں اور ان کے ساتھ ایک قبیلہ ہے کوئی نبی مکرم ہیں اور ان کے ساتھ ایک دو آدمی ہیں، کوئی نبی اس طرح ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے پھر ایک بڑا مجمع سامنے آیا تو میں نے تمنا کی کاش یہ میری امت ہوتی۔ کہا

گیا یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا۔ افق پر نظر ڈالیں۔ تو میں نے دیکھا ایک بڑا مجمع ہے پھر کہا گیا دوسرے افق پر نظر ڈالو۔ میں نے دیکھا اس طرف بھی ایک بڑا مجمع ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ وہ ستر ہزار بھی ہیں جو بلا حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔“

ایک اور حدیث میں ہے۔ ”میری امت کی ایک جماعت جنت میں داخل ہوگی اور ان کے چہرے چودھویں کے چاند جیسے ہوں گے۔“

ایک اور حدیث میں مذکور ہے۔ ”ان کا پہلا حصہ اس وقت تک داخل نہ ہوگا جب تک کہ آخری حصہ داخل نہ ہو جائے۔“ یعنی جنت کا وہ دروازہ اتنا وسیع ہوگا کہ سارا مجمع بیک وقت داخل ہو سکے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ گروہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا اور ان کی وہ صفات ہوں گی جو حدیث میں مذکور ہیں لیکن ان کا جنت میں داخلہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت پر موقوف ہوگا۔

اب یہ بحث ہے کہ کوئی شخص جو ان صفات سے متصف نہ ہو جن کا حدیث میں ذکر ہوا ہے اور وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کا حساب کتاب ہونا ہے تو کیا اسے حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی تاکہ بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہو یا نہیں؟ احادیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے لیکن یہ بات واضح ہے کہ یہ ستر ہزار ہوں گے اور وہ سب ان صفات سے متصف ہوں گے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان ستر ہزار کا داخلہ حضور نبی اکرم ﷺ کی مخصوص شفاعت کے ذریعہ ہوگا اور یہی شفاعت جنت کے کھولنے اور پہلی جماعت کو جنت میں داخل کرنے سے متعلق ہوگی اور یہ شفاعت شفاعت کبریٰ ہوگی تو اس کو دوسری شفاعت بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ دونوں شفاعتیں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں۔

تیسری قسم: مستحقین جہنم کیلئے شفاعت:

یہ شفاعت ان لوگوں کے لیے ہوگی جو اپنے کارناموں کی وجہ سے جہنم کے مستحق

ہو چکے ہوں گے اور یہ شفاعت پل صراط قائم ہونے کے بعد اور پہلی دو شفاعتوں کے بعد ہوگی جن کی حضور نبی اکرم ﷺ شفاعت کر دیں گے۔ وہ سلم سلم کہتے ہوئے پل صراط سے گزر جائیں گے۔

کیا یہ شفاعت صرف حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے مخصوص ہوگی؟ اس کی صراحت نہیں ملتی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس وقت حضور نبی اکرم ﷺ، انبیائے کرام علیہم السلام کے امام ہوں گے اور ان کے لیے بھی شفاعت کریں گے تو اب وہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی جن کے لئے شفاعت کریں گے تو گویا وہ شفاعت بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی ہی شفاعت ہوگی اور حضور نبی اکرم ﷺ شفیع الشفاء ہونگے۔

چوتھی قسم: جہنم میں داخل ہونے والوں کیلئے شفاعت

یہ شفاعت دیگر انبیائے کرام علیہم السلام، ملائکہ اور مؤمنین بھی کریں گے۔ ان تمام شفاعتوں کے بعد وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمان ہوگا خواہ اور کوئی نیک عمل نہ بھی ہو ان کو اللہ تعالیٰ خود جہنم سے نکالیں گے اور آخری شفاعت وہ شفاعت ہے جس کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ”میری شفاعت گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ہوگی۔“ اور ایک دوسری حدیث میں ہے۔ ہر نبی مکرم کی ایک دُعا ضرور مقبول ہوتی ہے میں نے وہ دُعا قیامت کے دن کے لئے اپنی اُمت کی شفاعت کے لئے چھپا رکھی ہے وہ ان شاء اللہ اُمت کو ضرور حاصل ہوگی اور وہ میری اُمت کے وہ لوگ ہونگے جن کے پاس نیک عمل بجز توحید کے نہ ہوگا۔ نیز حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میری پاس میرے رب کا ایک قاصد آیا اور آکر کہا: ”آپ کے رب نے آپ کو دو باتوں سے ایک بات کا اختیار دیا ہے۔ وہ یہ کہ یا تو آدمی اُمت بخشوا لیں یا شفاعت کرنے کا حق لے لیں۔ میں نے کہا میں شفاعت کرنے کا حق لینا پسند کرتا ہوں اس لئے کہ اس صورت میں زیادہ گناہ گار بخشے جائیں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میری وہ شفاعت نیکوں کے لئے ہوگی؟ نہیں بلکہ وہ خطا کار گناہ گاروں کے لئے ہوگی۔“

پانچویں قسم: اہل جنت کی بلندی درجات کیلئے شفاعت:

یہ شفاعت اہل جنت کے درجات بلند کرنے کے سلسلہ میں ہوگی اس کو قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے لیکن احادیث میں اس کی تصریح نہیں ملی۔ البتہ عبد الجلیل القصری نے کتاب ”شعب الایمان“ میں وسیلہ کی بحث میں کہا ہے کہ جنت میں حضور نبی اکرم ﷺ کی حیثیت بلا تمثیل دربار الہی کے وزیر کی سی ہوگی۔ جنتیوں کا جو بھی اکرام و اعزاز ہوگا وہ بواسطہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ہوگا اور یہ حیثیت بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہوگی۔

یہ پانچوں شفاعتوں کا ذکر تھا۔ جو شخص بھی ان پر غور کرے گا وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی عمومی شفاعت کو سمجھ لے گا اور حضور نبی اکرم ﷺ کے بلند مرتبہ تک اُس کی نگاہ پہنچ جائے گی اور اس پر جتنا غور کرے گا حضور نبی اکرم ﷺ سے عقیدت میں اضافہ ہوگا۔

یزید وجہک حسنا اذا ما زدته نظرا

”تیرے چہرے میں حسن کا اضافہ ہوتا ہے میں جتنا زیادہ اُس کو دیکھتا ہوں“

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی اس کتاب کو شفاعت کی احادیث کے ذکر سے خالی نہ چھوڑوں۔ صحیحین میں روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ”میں قیامت میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔ تم سمجھے یہ کس طرح ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اگلے پچھلوں کو ایک میدان میں جمع کر دے گا۔ سورج اس قدر قریب ہو جائے گا کہ لوگوں کی پریشانی حد سے گزر جائے گی۔ پھر کچھ لوگ دوسرے لوگوں سے کہیں گے۔ دیکھو کیا حالت ہو رہی ہے۔ کسی سفارشی کو تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ سے سفارش کر دے تو کچھ لوگ کہیں گے چلو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچ کر کہیں گے آپ ہمارے باپ ہیں، آپ ابو البشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح آپ میں پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا انہوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت فرما دیں۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں؟ کیا

آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کسی حالت پر پہنچ گئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کہیں گے۔ میرا رب آج جس قدر جلال میں ہے اس قدر جلال میں نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا اور اس نے مجھے شجرہ (منوعہ) سے روکا تھا مجھے تو اپنی پڑی ہے کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ تو وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے۔ اے حضرت نوح! آپ دنیا والوں کے لئے پہلے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکر گزار بندہ کہا ہے اپنے رب سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام اُن سے کہیں گے۔ میرا رب آج ایسے جلال میں ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا۔ مجھے تو ایک دعا کا حق دیا گیا تھا جو میں نے اپنی قوم کی بربادی کے لئے مانگ لی۔ مجھے اپنی جان کی پڑی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ تو وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے آپ اللہ کے نبی ہیں اور اس کے خلیل ہیں اپنے رب سے ہماری شفاعت کر دیجئے۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں ہماری کیا حالت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے میرا رب آج ایسا غضبناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا مجھے اپنی جان کی پڑی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے اے حضرت موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالتوں کی فضیلت عطا کی ہے اور اللہ تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوا ہے اپنے رب سے ہماری شفاعت فرما دیں۔ آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس مصیبت میں ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے۔ میرا رب آج اس قدر غضبناک ہے کہ نہ کبھی پہلے ہوا تھا نہ کبھی ہوگا میں نے ایک ایسے شخص کو مار ڈالا تھا جس کے مارنے کا مجھے حکم نہ ملا تھا مجھے اپنی پڑی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے۔ اے حضرت عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے گہوارے میں لوگوں سے بات چیت کی تھی اور آپ کلمہ اللہ ہیں جس کو حضرت مریم علیہا السلام میں ڈالا گیا تھا اور روح اللہ ہیں۔ کیا آپ ملاحظہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حالت کو پہنچ گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے میرا رب آج اس قدر غضبناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا، انہوں

نے اپنی کسی خطا کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے اپنی جان کی پڑی ہے اور کسی کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے۔ اے محمد ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے چلے جانے والوں اور آنے والوں سب کے گناہ معاف کر دیئے ہیں کیا آپ مشاہدہ نہیں فرما رہے کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ کیا آپ مشاہدہ نہیں فرما رہے کہ ہماری کیا کیفیت ہے؟ تب میں عرش کے نیچے پہنچوں گا اور اپنے رب کے لئے سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر ظاہر کر دے گا اور میرے دل میں اپنی وہ تعریفیں اور وہ عمدہ ثنا القاء فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کے لئے ظاہر نہیں ہوئی۔ پھر کہا جائے گا ”اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ مانگو! عطا کیا جائے گا، شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی“ تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا: ”اے اللہ تعالیٰ! میری امت! میری امت“ تو کہا جائے گا: ”اے محمد! جنت کے داہنے دروازے سے اپنی امت میں سے اُن لوگوں کو داخل کر دو جن سے کوئی حساب نہ لیا جائے گا اور وہ دوسرے دروازوں سے بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے جنت کے دروازے کی چوکت کے دونوں بازوؤں میں اس قدر فاصلہ ہوگا جتنا مکہ اور ہجر کے درمیان یا مکہ اور بصری کے درمیان ہے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”انسانوں کا مجمع ٹھاٹھیں مارے گا پھر لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور عرض کریں گے۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت کر دیں۔ تو آپ فرمائیں گے۔ میں اس قابل نہیں ہوں تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ غلیل اللہ ہیں۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے وہ کہیں گے میں اس کے لیے نہیں ہوں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ کلیم اللہ ہیں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے میں اس قابل نہیں ہوں تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ کہہ دیں گے کہ میں اس کے لیے نہیں ہوں ہاں تم سیدنا محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ لوگ میرے پاس آئیں

گے تو میں چل پڑوں گا اور اللہ رب العزت کے پاس داخلہ کی اجازت چاہوں گا۔ مجھے اجازت مل جائے گی۔ میں سامنے کھڑا ہو کر وہ تعریفیں کروں گا جو اس وقت مجھے یاد نہیں ہیں اللہ تعالیٰ اسی وقت میرے دل میں ڈالے گا۔ پھر میں اُس کے سامنے سجدے میں گر جاؤں گا تو کہا جائے گا: ”اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو! تمہاری بات سنی جائے گی۔ مانگو! عطا کیا جائے گا۔ شفاعت کرو! شفاعت قبول کی جائے گی۔“ تو میں کہوں گا: ”میری امت! میری امت“ تو مجھ سے کہا جائے گا: ”جاؤ جہنم میں سے ہر اُس شخص کو نکال لو جس کے دل میں گیہوں یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔“ تب میں اُن کو نکال لوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گا اور وہی تعریفیں شروع کروں گا پھر سجدے میں گر دوں گا تو مجھ سے کہا جائے گا: ”اے محمد! سر اٹھاؤ! کہو! سنا جائیگا، مانگو! دیا جائے گا، شفاعت کرو! شفاعت قبول کی جائیگی۔“ میں کہوں گا: ”اے اللہ تعالیٰ! میری امت! میری امت“ تو مجھ سے کہا جائے گا: ”جاؤ جہنم میں سے ان لوگوں کو نکال لو جن کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے۔“ تو میں ان کو نکال لوں گا۔ اور پھر دوبارہ میں حاضر ہوں گا اور وہی تعریفیں شروع کروں گا۔ پھر سجدے میں گر جاؤں گا تو کہا جائے گا: ”اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو! سنا جائے گا، مانگو! دیا جائے گا اور شفاعت کرو! شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں کہوں گا: ”اے اللہ تعالیٰ! میری امت! میری امت“ تو کہا جائے گا: ”جاؤ جس شخص کے دل میں رائی کے چھوٹے سے چھوٹے دانہ کی برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال لو۔“ میں ان کو بھی جہنم سے نکال لوں گا۔ پھر چوتھی مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گا۔ پھر وہی تعریفیں شروع کروں گا۔ پھر سجدہ میں گر جاؤں گا تو کہا جائیگا: ”اے محمد! سر اٹھاؤ اور کہو! سنا جائیگا۔ مانگو عطا کیا جائے اور شفاعت کرو شفاعت قبول کی جائے گی“ میں کہوں گا: ”مجھے ان کے بارے میں جہنم سے نکالنے کی اجازت دیں جنہوں نے صرف لا الہ الا اللہ کہا ہے۔“ تو کہا جائے گا۔ ”یہ تمہارا کام نہیں ہے ہاں مجھے اپنی عزت اپنی کبریائی اور اپنی بڑائی کی قسم میں ان لوگوں کو جہنم سے نکالوں گا جنہوں نے صرف لا الہ الا اللہ کہا ہوگا۔“

بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ تیسری بار شفاعت کا ذکر کرنے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ”عسیٰ أن یبعثک ربک مقاماً محموداً“ [بنی اسرائیل : ۷۹] (یقیناً آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا) اور آپ ﷺ نے فرمایا یہی وہ مقام محمود ہے جس کا تمہارے رب نے تمہارے نبی سے وعدہ فرمایا ہے۔“

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ مؤمنین کو قیامت کے دن اکٹھا فرمائے گا اور ان کے دل میں اس بارے الھام کیا جائے گا اور وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کریں گے۔“ اے کاش آپ اپنے رب کے ہاں ہماری شفاعت کریں۔“

مسند ابی عوانہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ایک دن حضور نبی اکرم ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی اور بیٹھ گئے۔ جب چاشت کا وقت آیا تو تبسم فرمایا اور پھر وہیں تشریف فرما رہے حتیٰ کہ ظہر، عصر اور مغرب کی نماز پڑھائی۔ اس درمیان میں کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر عشاء کی نماز پڑھائی اور زنان خانہ میں تشریف لے جانے لگے۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں یہ طریقہ خلاف معمول کیوں اختیار فرمایا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں۔ آج مجھ پر وہ حالات پیش کئے گئے جو دنیا اور آخرت میں ہونے والے ہیں پھر اگلے پچھلوں کو ایک میدان میں جمع کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر میں لوگ گھبرا گئے اور حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور وہ لوگ پسینہ میں ہونٹوں تک ڈوبے ہوئے تھے۔ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا آپ ابو البشر ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ بنایا ہے۔ ہماری سفارش فرمادیں۔ انہوں نے فرمایا: ”میری بھی وہی حالت ہے جو تمہاری ہے تم باپ کے بعد ابو البشر ثانی، حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ“ اور پھر اسی طرح روایت نقل کی جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نقل کی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا: ”یہ بات میرے بس کی نہیں ہے۔ ہاں بنی آدم کے سردار

کے پاس جاؤ۔“ اسی روایت میں پھر یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو حضرت جبریل علیہ السلام دربار الہی میں لے جائیں گے اور حضور نبی اکرم ﷺ وہاں ایک ہفتہ کی بقدر سجدے میں پڑے رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ”اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو! سنا جائے گا اور شفاعت کرو شفاعت مانی جائیگی۔“ حضور اپنا سر اٹھائیں گے اور جب دیدار الہی ہوگا تو فوراً سجدے میں گر جائیں گے اور مزید ایک ہفتہ کی بقدر سجدے میں پڑے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”کہو! سنا جائے گا۔ شفاعت کرو! قبول کی جائے گی۔“ حضور نبی اکرم ﷺ پھر سجدے میں گرنا چاہیں گے تو حضرت جبریل علیہ السلام: دونوں بازو تھام لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں وہ دعا ڈال دے گا جو آج تک کسی انسان کے دل میں نہیں ڈالی۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ عرض کریں گے: ”اے رب العزت! تو نے مجھے بنی آدم کا سردار بنایا اور اس پر میں کوئی فخر نہیں کرتا اور تو نے مجھے ایسا شخص بنایا جو قیامت کے دن زمین پھٹنے پر سب سے پہلے زمین سے اُٹھے گا اور اس پر بھی میں کوئی فخر نہیں کرتا حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پر اتنا بڑا مجمع آئے گا جو صنعاء اور ایلہ کے درمیانی فاصلہ سے بھی زیادہ ہوگا۔“

روز حشر حضور نبی اکرم ﷺ کی فضیلت:

یہ حدیث مبارکہ اس امر عظیم کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جس کا نبی اکرم ﷺ نے مشاہدہ فرمایا اور اس دن حضور نبی اکرم ﷺ پر دنیا اور آخرت میں پیش آنے والے جن واقعات کا انکشاف ہوا دراصل ان کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا وہ شخص جس کو حضور نبی اکرم ﷺ نے کچھ بتا دیا ہو۔ احادیث میں ان کا بہت کم ذکر آیا ہے۔

حضرت حذیفہ ابن الیمان اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی ایک روایت مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا۔ مومنین کھڑے ہوں گے اور جنت ان کے قریب آجائے گی تو مجمع حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے گا اور عرض کرے گا۔ ابا جان! ہمارے لئے جنت کھلوادیں تو وہ فرمائیں گے: ”یہ اختیار میرا نہیں ہے میرے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جو غلیل اللہ ہے۔“ اور حضرت

ابراہیم علیہ السلام کہیں گے: ”یہ میرا کام نہیں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے۔“ وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے تو وہ کہیں گے: ”یہ میرا کام نہیں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو کلمہ اللہ اور روح اللہ ہیں“ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے ”یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔“ پھر وہ لوگ سیدنا محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوں گے۔ پس آپ ﷺ کھڑے ہو جائیں گے اور آپ ﷺ کو اذن دیا جائے گا اور امانت اور صلہ رحمی کو بھیجا جائے گا پس وہ دونوں پل صراط کے دونوں طرف دائیں اور بائیں کھڑی ہو جائیں گی تو تمہارا پہلا شخص بجلی کی کوند کی طرح پل صراط سے گذر جائے گا۔ پھر ہوا کے چلنے کی طرح۔ پھر پرند کے اڑنے اور انسان کے دوڑنے کی طرح لوگ گذریں گے۔ ان کو ان کے عمل بے چلیں گے اور تمہارے نبی مکرم ﷺ پل صراط پر کھڑے ہوئے یا رب سلیم سلیم کہتے ہوں گے۔ یہاں تک کہ بندہ کے اعمال اس کو پل صراط سے گذارنے سے عاجز آجائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک شخص آئے گا وہ کھٹا ہوا گذرے گا اور پل صراط کے دونوں جانب سرے مڑی ہوئی لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہوں گی۔ وہ اٹکنے پر مامور ہوں گی جس کا انہیں حکم دیا جائے گا، پس کوئی گرتا ہوا بچ جانے والا ہوگا، کوئی زخمی جہنم میں گرنے والا ہوگا۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور بعض الفاظ میں متغرد ہیں۔ جیسے کہ ”امانت اور صلہ رحمی کو بھیجا جائے گا پس وہ دونوں پل صراط کے دونوں طرف دائیں اور بائیں کھڑی ہو جائیں گی“ باقی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی مفہوم میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ میں مذکور ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن اعلان کرنے والا اعلان کرے گا۔ ہر شخص اس کے پیچھے چلے جس کی وہ پوجا کرتا تھا پس جس قدر غیر اللہ کے پجاری ہونگے وہ جہنم میں گر جائیں گے صرف وہ رہ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار ہوں گے نیک اور بد اور کچھ بقایا اہل کتاب تو اللہ تعالیٰ یہود کو بلائیں گے اور ان سے کہا جائے گا۔ ”تم کس کی عبادت کرتے تھے؟“ وہ کہیں گے ”ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے عزیر کی عبادت کرتے تھے۔“

ان سے کہا جائے گا: ”تم جھوٹے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے نہ بچہ۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟“ وہ کہیں گے۔ ”ہم پیاسے ہیں۔ اے رب! ہمیں سیراب کر دے“ تو ان سے کہا جائے گا: ”گھاٹ پر اُترو“ اور جہنم کی طرف ان کو لے جایا جائے گا اور وہ جہنم میں گر پڑیں گے۔ پھر نصاریٰ کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا: ”تم کس کی عبادت کرتے تھے؟“ وہ کہیں گے۔ ”ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے تھے۔“ ان سے کہہ دیا جائے گا: ”تم جھوٹے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نہ بیوی ہے نہ بچہ۔“ پھر ان سے کہا جائے گا: ”تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے ”اے اللہ تعالیٰ! ہم پیاسے ہیں ہمیں سیراب کر دے“ تو اُن کو اشارہ کیا جائے گا جاؤ گھاٹ پر اُترو۔ ان کو جہنم کی طرف جمع کر دیا جائیگا اور وہ جہنم میں جا گریں گے۔ اب صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار تھے۔ خواہ وہ نیک ہوں یا بد، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی تجلی فرمائے گا۔ اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی منکشف فرمائیں گے۔ جو مومن مخلص ہونگے اللہ تعالیٰ ان کو سجدہ کی اجازت دے گا وہ سجدہ کریں گے جو ریاکار مسلمان ہونگے ان کی کمر ایک تختہ کی طرح بن جائے گی وہ سجدہ کرنا چاہیں گے لیکن گدی کے بل پیچھے کو گر پڑیں گے۔ پھر پل صراط قائم کر دی جائے گی اور شفاعت کا وقت آ جائے گا اور لوگ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ کہیں گے۔ دریافت کیا گیا پل صراط کیا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ایک پھسلن ہوگی اور اس میں دندانے دار کانٹے ہوں گے، وہ لوہے کے کانٹے سعدان نامی جھاڑی کے کانٹے کی طرح ہوں گے۔ مومنین پلک جھپکنے کی طرح بجلی کی کوند کی طرح، ہوا کی طرح، پرند کی اڑان کی طرح، عمدہ گھوڑے کی دوڑ کی طرح، سوار یوں کی طرح گذر جائیں گے۔ کچھ سالم نجات پانے والے ہوں گے، اور بعض مسلمان کانٹوں سے الجھتے ہوئے پار پہنچیں گے اور بعض مسلمان کانٹوں سے زخمی ہو کر جہنم میں گر جائیں گے۔ جب مومنین نجات پا جائیں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مومنین کے بارے میں تم مومنین سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے اصرار کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ مومنین اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے: ”اے ہمارے رب! جہنم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ہمارے ساتھ نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور حج کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ”

جن کو تم پہچانتے ہو ان کو جہنم سے نکال لو۔“ اور اللہ تعالیٰ ان کی صورتوں کو جہنم پر حرام کر دے گا۔ وہ بہت سے ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال لیں گے جو پنڈلیوں تک، گھٹنوں تک جھلس چکے ہوں گے۔ وہ پھر عرض کریں گے: اے ہمارے رب! جن کے بارے میں آپ نے اجازت دی تھی ان کو ہم نے جہنم سے نکال لیا اب کوئی جہنم میں باقی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”اچھا جاؤ اب ایسے لوگوں کو بھی نکال لو جن کے دل میں دینار کے وزن کی خیر ہے۔“ پھر وہ بہت سے لوگوں کو نکال لیں گے۔ اللہ تعالیٰ پھر فرمائے گا: ”جاؤ ان کو بھی نکال لو جن کے دل میں آدھے دینار کے وزن کی خیر ہے۔“ پھر وہ بہت سے لوگوں کو نکال لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”جاؤ ان کو بھی نکال لو جن کے دل میں ایک ذرہ کی برابر خیر ہے۔“ وہ عرض کریں گے اب کوئی شخص جہنم میں باقی نہیں رہا جس کے دل میں خیر ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ نبی شفاعت کر چکے، ملائکہ شفاعت کر چکے، مومنین شفاعت کر چکے۔ اب صرف اَرْحَمُ الرَّاحِمِینَ باقی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی مٹھی بھر جہنم سے ایسی قوم کو نکالیں گے جن کے دل میں کوئی خیر نہ ہوگی وہ جل کر کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو آب حیات کی نہر میں ڈال دیں گے۔ وہ وہاں سے موتی جیسے بن کر نکلیں گے۔ اُن کی گردنوں پر مہر لگی ہوگی جس سے جنتی ان کو پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں بغیر کسی نیک عمل کے داخل کیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: ”جنت میں چلے جاؤ جس چیز پر تمہاری نظر پڑے وہ تمہاری ہے۔“ اس پر وہ کہیں گے: اے رب العالمین! تو نے تو ہمیں وہ کچھ دے دیا جو کسی کو نہیں دیا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”تمہارے لئے میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے۔“ اس پر وہ کہیں گے: ”اے ہمارے رب! اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”وہ میری رضا ہے۔ اب میں تم سے کبھی خفا نہ ہوں گا۔“ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے مجھے خبر ملی ہے کہ بل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں اور بخاری کے الفاظ بھی اس کے قریب ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا پس ان سے کہا جائے گا جو جس چیز کی عبادت کرتا تھا وہ اس کے پیچھے چلا جائے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ پس بل صراط کو جھنم کے اوپر رکھا جائے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں اس دن اس حال میں ہوں گا کہ میری امت کو سب سے پہلے اجازت دی جائے گی۔ اور اس دن رسل عظام علیہم السلام کے علاوہ کوئی کلام نہیں کرے گا اور اس دن ان کا کلام بھی یہی ہوگا ”اللہم سلم سلم“

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ ”اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام کر دیا ہے کہ وہ چہرے پر سجدے کے نشانوں کو جلانے۔“ مگر اس کے مفہوم میں اختلاف ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن میں سب سے پہلا شخص ہوں گا جب لوگ اٹھائے جائیں گے، اور جب مخلوق اللہ تعالیٰ کی جناب میں وفد بنا کر جائے گی، میں ان کا خطیب ہوں گا اور جب لوگ مایوس ہوں گے تو میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا، حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اولادِ آدم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ہوں مگر میں اس پر فخر نہیں کرتا۔“ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حسن ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ”حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن میں نبیوں کا امام اور خطیب ہوں گا اور ان سب کی شفاعت کرنے والا ہوں گا مگر کوئی فخر نہیں ہے۔“ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حسن ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں قیامت کے روز بنی آدم کا سردار ہوں گا اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور کوئی فخر نہیں ہے اور جتنے بھی انبیائے کرام علیہم السلام ہیں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر وہ تمام اس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے“ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور اسے حسن قرار دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ”میں اللہ

تعالیٰ کا دوست ہوں اور کوئی فخر نہیں اور میں حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ میں سب سے پہلا سفارش کرنے والا اور مقبول الشفاعت ہوں گا اور کوئی فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا تو جنت کھلے گی۔ میں اور میرے ساتھ فقراء مومنین اس میں داخل ہوں گے۔ اور میں اکرم الاولین اور آخرین ہوں مگر اس پر فخر نہیں۔“ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیں۔ اس پر حضور نے فرمایا: ضرور کروں گا۔ میں نے عرض کیا۔ میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”سب سے پہلے پل صراط پر ڈھونڈنا۔“ میں نے عرض کیا: ”اگر میں وہاں آپ سے نہ مل سکوں تو؟“ فرمایا: ”میزان کے پاس تلاش کر لینا۔“ میں نے کہا: اگر وہاں بھی نہ مل سکوں تو؟ فرمایا: ”حوض پر تلاش کر لینا۔ میں ان تین مقامات پر کہیں نہ کہیں تمہیں ضرور مل جاؤں گا۔“ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا۔ قیامت میں آپ کی سفارش سے کون سب سے زیادہ سعادت مند بنے گا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ابو ہریرہ مجھے یہی خیال تھا کہ سب سے پہلے تم ہی یہ سوال کرو گے کیونکہ تم میری بات کے سب سے زیادہ حریص ہو۔ پھر فرمایا: ”میری شفاعت کی وجہ سے سب سے زیادہ سعادت مند وہ بنے گا جس نے خالص دل سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہوگا۔“ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”مومنین جہنم سے نجات پا جائیں گے تو وہ جنت اور دوزخ کے درمیان پل صراط پر روک دیئے جائیں گے۔ باہمی جو حقوق ایک دوسرے کے غضب کئے ہوئے ان کا بدلہ لیا جائے گا۔ جب ان سے پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں داخل ہونے کی

اجازت ملے گی۔“ اس حدیث کو صرف امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جہنم سے اس شخص کو نکال لیا جائے گا جس نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہوگا اور اس کے دل میں جو برابر خیر ہوگی پھر اس شخص کو نکالا جائے گا جس کے دل میں گیسوں کے دانہ کے وزن کی خیر ہوگی۔ پھر اس کو نکالا جائے گا جس کے دل میں ذرہ کی برابر خیر ہوگی۔“ اور اس باب کا عنوان رکھا ہے ”باب زیادة الايمان و نقصانه“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا ”جب قیامت ہوگی میں شفاعت کروں گا“ اے اللہ تعالیٰ! ان کو جنت میں داخل فرمادے جن کے دل میں رائی کے دانہ کی برابر خیر ہے۔ وہ داخل ہو جائیں گے۔ پھر کہوں گا۔ اے اللہ تعالیٰ! ان کو بھی داخل فرمادے جن کے دل میں تھوڑی سی بھی خیر ہے۔“ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایک قوم دوزخ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کے سبب نکلے گی اور جنت میں داخل ہو جائے گی۔“ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے باب صفة الجنة و النار میں روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں سب سے پہلے جنت میں شفاعت کروں گا اور میں انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے زیادہ امت والا ہوں گا۔“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں سب سے پہلا جنت میں شفاعت کرنے والا ہوں گا اور انبیائے کرام علیہم السلام میں سب سے زیادہ امت والا ہوں گا۔“ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قیامت کے روز ہم ایک ٹیلہ پر ہونگے

تمام مخلوق کو دیکھتے ہوں گے۔“ اس حدیث کو عبد الحق نے روایت کیا اور یہ مسلم میں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت ایک ٹیلہ پر چڑھے گی۔“ حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے دن سب انسان اٹھائے جائیں گے تو میں اور میری امت ایک ٹیلہ پر ہوگی اور اللہ تعالیٰ مجھے ایک سبز جوڑا پہنائیں گے پھر مجھے اجازت ملے گی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا میں کہوں گا۔ یہی مقام محمود ہے۔“

مسلم کی روایت میں اس پر یہ اضافہ ہے۔ ہر انسان کو خواہ وہ مومن ہوگا یا منافق نور عطا کیا جائے گا اور پل صراط پر کانٹے دار جھاڑیاں اور سعدان نامی جھاڑیاں ہوں گی جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا اس کو وہ پکڑ لیں گے پھر منافقوں کا نور بجھ جائے گا اور مومنین نجات پا جائیں گے۔ پہلا قافلہ جو نجات پائے گا ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہونگے اور وہ ستر ہزار ہوں گے جو بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔“

صحیح بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا لوگ گروہ درگروہ اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کے پیچھے ہوں گے اور یہ سوال کر رہے ہوں گے ہماری شفاعت فرمائیں ہماری شفاعت فرمائیں۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچے گا۔

شفاعت کی احادیث بکثرت ہیں جو تواتر کو اس طرح پہنچ گئی ہیں کہ ان میں شفاعت کا ذکر ہے اگرچہ الفاظ مختلف ہیں۔ ان احادیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں اور عظمتیں اور عمدہ نکتے بیان ہوئے ہیں۔ ان روایتوں میں سے ایک روایت میں ہے۔ ”اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں لوگوں کو جمع کرینگے“ دوسری روایت میں ہے ”میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ مومنین کو جمع فرمائیں گے۔“ بعض علماء کا خیال ہے کہ شفاعت کی درخواست کرنے والے صرف مومنین ہوں گے۔ لہذا جس روایت میں ”الناس“ کا لفظ ہے اس سے مراد مومنین ہی ہیں۔ دراصل درخواست کرنے والے صرف مومنین ہوں گے اور اس کی دو وجہیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ مومنین کا ہی انبیائے کرام علیہم السلام سے ایمان کی وجہ سے گہرا تعلق ہوگا۔ دوسرے یہ کہ شفاعت سے دراصل راحت مومنین ہی کو پہنچے گی اس لئے کہ فیصلہ کے بعد کفار پر تو مزید سختی شروع ہو جائے گی تو اس شفاعت عظمیٰ کا اصل مقصد مومنین کی راحت رسانی ہوگی۔ اس شفاعت سے کفار کو زیادہ فائدہ نہ پہنچے گا۔ اسی لئے قرآن پاک میں ہے ”فما تنفعهم شفاعۃ الشافعیین“ [المذثر: ۴۸] پھر نفع نہ دے گی ان کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول بھی حکایت نقل کیا ہے۔ ”فما لنا من شافعیین“ [الشعراء: ۱۰۰] پس کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مومنین اور کفار دونوں جماعتیں انبیائے کرام علیہم السلام سے شفاعت کی درخواست کریں گی۔

فصل اول:

قیامت میں انبیائے کرام علیہم السلام سے شفاعت چاہنا

توسل کی قوی دلیل ہے

قیامت کے دن لوگوں کا انبیائے کرام علیہم السلام سے شفاعت کی درخواست کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے ذریعہ دنیا و آخرت میں توسل کیا جاسکتا ہے۔ ہر گناہگار اللہ تعالیٰ کی طرف اس شخص کا وسیلہ پکڑتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے قریب ہے اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ اس کی تفصیل ہم استعانت کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ اب اس معاملہ کو چاہے تشفع (شفاعت) کہا جائے یا توسل یا استعانت۔ یہ اس طرح کا تقرب نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ سے مشرکین دوسروں کی عبادت کر کے چاہتے ہیں وہ تو کفر ہے۔ مسلمان جب نبی کریم ﷺ سے یا اللہ تعالیٰ کی کسی اور مقرب شخصیت سے توسل چاہتے ہیں تو وہ ان کی پرستش نہیں کرتے ہیں لہذا یہ توسل ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید سے خارج نہیں کرتا۔ اس لئے کہ نفع اور ضرر رسائی میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے اور جب یہ جائز ہے

تو ایک مومن یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ سے درخواست کرتا ہوں اس کے نبی کے وسیلہ سے، اس میں کوئی شرک نہیں اس لئے کہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر رہا ہے نہ کہ غیر اللہ سے۔

فصل دوم:

حشر میں حضور نبی اکرم ﷺ سے سب سے بعد میں شفاعت کی درخواست کرنے کی حکمت

قیامت کے میدان میں لوگوں کو الہام ہوا کہ ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے شفاعت کی درخواست کریں پھر دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے اور سب سے آخر میں حضور نبی اکرم ﷺ سے۔ لوگوں کے دل میں یہ کیوں الہام نہ ہوا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ سے ہی ابتداء شفاعت کی درخواست کریں؟ اس کا سبب یہ ہے کہ اگر ابتداء حضور نبی اکرم ﷺ سے ہی سوال کیا جاتا اور حضور نبی اکرم ﷺ یہ شفاعت کبریٰ فرما دیتے تو یہ احتمال باقی رہتا کہ ہو سکتا تھا کہ اگر دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام سے سوال کیا جاتا تو ان میں سے کوئی یہ شفاعت کر دیتا اور اس صورت میں اس شفاعت کی حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خصوصیت واضح نہ ہوتی۔ اب جبکہ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام سوال کیا گیا اور انہوں نے اپنا عجز ظاہر کر دیا تو واضح ہو گیا کہ یہ مقام صرف حضور نبی اکرم ﷺ کو حاصل تھا اور اس اعتبار سے حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور ملائکہ وغیرہ پر فوقیت اور فضیلت ثابت ہو گئی اور ثابت ہو گیا کہ اس مقام کے اصل حق وار سید الامم ﷺ ہی ہیں۔ لہذا ایسی شخصیت کی زیارت کے لئے قدم ہی سے نہیں سر کے بل جانا چاہیے۔

فصل سوم:

انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت کا بیان

انبیائے کرام علیہم السلام نے شفاعت سے معذرت کرتے وقت جن باتوں کا ذکر کیا ہے ان کے بارے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ واضح کرتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام ہر طرح کے صغیرہ و کبیرہ گناہ سے معصوم ہیں۔ اور جو کچھ انہوں نے اپنے حوالے سے فرمایا اس کی وضاحت اس طور پر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے بھول کر شجرہ کے کھانے کا ذکر کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا میں نے قوم کو بد دعا دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک کافر کے قتل کا عذر کیا جس کے قتل کا ان کا حکم نہ تھا اور یہ بھی نبوت سے پہلے کا قصہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کفار کی مدافعت میں جو کلام بطور قریض بولا تھا جس میں وہ ایک اعتبار سے سچے تھے بطور عذر کے پیش کیا۔ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اعذار کوئی گناہ نہ تھے وہ ان باتوں سے محض اس لئے ڈرے کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہ کی تھیں۔ اور بعض انبیائے کرام علیہم السلام پر انکے کسی فعل کے خلاف مثبت ایزدی ہونے پر ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے عتاب بھی ہوا تھا۔ اب اگر ان باتوں کے علاوہ اور عذر ہوتا تو انبیائے کرام علیہم السلام اس کو ذکر کرتے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ سب گناہوں سے معصوم تھے اور جس طرح وہ کبیرہ گناہوں سے معصوم تھے اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت صغیرہ گناہوں سے اگرچہ خوارج اور معتزلہ بھی مانتے ہیں لیکن وہ اس اعتبار سے مانتے ہیں کہ وہ صغیرہ گناہ کے مرتکب کو بھی کافر قرار دیتے ہیں اور یہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عقیدہ سے بچائے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کا تفصیلی بیان

یہ بات حضور نبی اکرم ﷺ سے صحت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کی امت کا دیگر لوگوں سے پہلے فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پس جب آپ ﷺ شفاعت کے لیے۔۔۔۔۔

فصل القضاء..... کے قریب ہوں گے اور آپ کو شفاعت کا

ختم شدہ چالیس سال تک کھڑے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر بھی نہ فرمائے گا اور نہ کوئی فیصلہ فرمائے گا۔ لوگ روئیں گے حتیٰ کہ آنسو خشک ہو جائیں گے پھر خون کے آنسو بہائیں گے، پسینہ میں ڈوب جائیں گے تو شور کریں گے اور کہیں گے کون ہے جو ہمارے رب سے ہماری سفارش کر دے اور وہ ہمارا فیصلہ کر دے؟ پھر وہ آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے وہ انکار کر دیں گے۔ پھر ایک ایک کر کے انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس پہنچیں گے وہ بھی انکار کر دیں گے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر وہ میرے پاس پہنچیں گے میں عرش کے سامنے سجدہ میں گر جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ میرے پاس ایک فرشتہ بھیجیں گے جو میرے بازو پکڑ کر سجدہ سے اٹھائے گا۔ جب وہ مجھے اٹھائے گا تو کہے گا۔ اے محمد! کیا بات ہے۔ حالانکہ وہ سب کچھ جانتا ہوگا پھر میں کہوں گا: اے رب! آپ نے مجھ سے میری شفاعت قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا اب لوگوں کے بارے میں میری شفاعت قبول کیجئے اور ان کا فیصلہ کر دیجئے۔ حضرت حق فرمائیں گے میں نے تمہاری شفاعت قبول کر لی۔ میں تمہارے پاس پہنچتا ہوں اور تمہارا فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں لوٹ کر جمع میں آ جاؤں گا۔ ہم کھڑے ہوئے ہونگے کہ آسمان سے ایک سخت آواز سنائی دے گی جو ہمیں خوفزدہ کر دے گی۔ اب آسمان دنیا والے اس مجمع سے دوگنا آ جائیں گے۔ پھر یہ پورا مجمع اور دوگنا کر دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنا عرش زمین کے جس حصہ پر چاہیں گے بچھا دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم آج ظلم کی وجہ سے کوئی شخص میرے قریب نہیں ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ جن و انس کے علاوہ اور مخلوق کا فیصلہ کر دیں گے پھر جن و انس کا فیصلہ کریں گے اور سب سے پہلے خون ناحق کا فیصلہ کریں گے۔ اسی روایت میں اس کے بعد ہے جب کسی کا حق کسی کے ذمہ باقی نہ رہے گا تو اعلان کرنے والا اعلان کرے گا۔ ہر قوم اپنے اپنے معبود کے پاس پہنچ جائے اور ایک فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں کر دیا جائے گا تو نصاریٰ اس کے پیچھے چل پڑیں گے اور اسی روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ جب صرف مومنین باقی رہ جائیں گے جن میں منافقین بھی ہوں گے اور اسی روایت میں اس کے بعد ہے کہ ہل صراط قائم کر دی جائے گی تو لوگ اس پر سے گذریں گے۔ جب

اہل جنت جنت کے پاس پہنچ جائیں گے تو آپس میں کہیں گے کون ہے جو ہمارے رب کی بارگاہ میں شفاعت کر دے؟ تاکہ وہ ہمیں جنت میں داخل کر دے۔ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے وہ کہیں گے نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ پھر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پھر میرے پاس آئیں گے اور میں اللہ تعالیٰ سے تین بار شفاعت کروں گا میں جنت کے دروازے پر پہنچوں گا اور اس کا حلقہ پکڑ لوں گا اور داخل ہونے کا اذن چاہوں گا تو جنت کا دروازہ میرے لیے کھول دیا جائے گا مجھے سلام کیا جائے گا اور مجھے خوش آمدید کہا جائیگا۔ جب میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا یہاں تک کہ میں تین مرتبہ کہوں گا ”اے میرے رب! آپ نے شفاعت قبول کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اہل جنت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تمہاری شفاعت قبول کر لی اور جنت میں داخلہ کی اجازت دیدی ہے۔ پھر میں کہوں گا: میری امت کے جو لوگ جہنم میں ہیں ان کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائیے اور میں شفاعت کر کے ان کو جہنم سے نکالوں گا۔

فصل پنجم:

حضور نبی اکرم ﷺ کا چوتھی بار شفاعت کرنا

اسی پہلی حدیث میں آیا ہے کہ چوتھی بار میں کہوں گا مجھے اجازت فرما ان لوگوں کے بارے میں بھی جنہوں نے صرف لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا ہے۔ یہ کون لوگ ہوں گے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض علمائے کرام کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس کوئی نیک عمل نہیں صرف ایمان ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو جہنم سے نکالنے کی اجازت حضور نبی اکرم ﷺ کو نہیں ملے گی۔

کیا صرف ایمان شفاعت کا مستحق بنا دیتا ہے؟

یہ روایات بتاتی ہیں کہ جہنم سے نکالنے کی اجازت ان لوگوں کے بارے میں ملے گی جن کے پاس مجرد ایمان کے علاوہ کوئی عمل بھی ہوگا اور انہوں نے ملائکہ اور انبیائے کرام علیہم السلام کو ان کے شافعین ہونے کو دلیل بنایا ہے۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق ہے کہ دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کا بھی علم ہونا اور رحمت کرنا اس شخص پر جس کے پاس ایمان کے علاوہ اور کوئی عمل نہیں۔ اور ذرہ کی مثل ایک مثال کے طور پر ہے جس سے مراد معمولی سی چیز مراد ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ خیر سے مراد وہ شے ہے جو ایمان سے زائد ہو کیونکہ مجرد ایمان جس کی صرف تصدیق ہے اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ پس یہ عمل صالح ہی ہوگا جو ایمان کے علاوہ ہوگا خواہ وہ نیت صادق ہو یا اللہ تعالیٰ کا خوف ہو اور ایک اور حدیث ہے جو اس کی تائید کرتی ہے جس میں اس طرح الفاظ ہیں کہ ”جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں خیر بھی تھی جو مثلاً فلاں شے کی مثل تھی۔“

اس بات کو جان لیں کہ اس کا یہ قول کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ بھی ایک عمل ہے اور اس سے پہلے حدیث میں گزرا ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاص سے ان لوگوں کو بھی جنت سے نکالیں گے جن لوگوں کے پاس کوئی نیک عمل نہیں ہوگا تو اس سے مراد قول لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے علاوہ اور کوئی عمل نہیں کیا ہوگا ہے یا مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا تلفظ نہیں کیا تھا بلکہ یہ بھی دل دل میں کہا تھا۔

فصل ششم:

سلف صالحین کا شفاعت کے لیے دعائیں کرنا

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شہرت اور تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ سلف صالحین اللہ تعالیٰ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کے حصول کی دعاء کرتے تھے اور شفاعت کے حصول کی ان کو بہت تمنائیں تھیں۔ اس بنیاد پر ان لوگوں کی بات ناقابل توجہ

ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت صرف گناہگاروں کے لئے ہوگی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ شفاعت صرف گناہگاروں کے لئے ہی نہیں بلکہ تخفیف حساب اور درجات کی بلندی کی شفاعت نیکوں کے لئے بھی ہوگی۔ پھر ہر نیک آدمی بھی اپنی کوتاہی کا معترف ہوتا ہے۔ اپنے نیک عمل پر بھی اسے گھمنڈ نہیں ہوتا۔ جو لوگ اس بنیاد پر شفاعت کی دعاء کے قائل نہیں ہیں کہ شفاعت صرف گناہگاروں کے لئے ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے مغفرت اور رحمت کی دعاء بھی نہ کریں اس لئے کہ مغفرت اور رحمت کا تعلق بھی گناہگاروں سے ہوتا ہے۔

فصل ہفتم:

مقام محمود کا بیان

قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام محمود یہی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ گناہگاروں کو جہنم سے نکالیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی اس طرز کی روایتیں منقول ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مقام محمود سے مراد حضور نبی اکرم ﷺ کا محشر میں شفاعت کرنا ہے اور یہی وہ دن ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ کو مقام محمود عطا ہوگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جس میں محشر کا تذکرہ ہے اور یہ ذکر ہے کہ سب لوگ خاموش ہوں گے۔ بغیر اجازت الہی کوئی شخص بات نہ کر سکے گا۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ کو پکارا جائے گا تو آپ عرض کریں گے: ”لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ لِي بِذَلِكَ“ اور یہی مقام محمود ہے۔

حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ لوگوں کا حشر ایک نیلہ پر ہوگا پھر اللہ تعالیٰ مجھے ایک سبز لباس پہنائیں گے پھر مجھے

اجازت ملے گی تو وہ سب کچھ کہوں گا جو اللہ تعالیٰ مجھ سے چاہے گا اور یہی مقام محمود ہے تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے روز حضرت آدم علیہ السلام اور ان سے بعد کے تمام لوگوں کا حضور نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونا، ابتداء سے لے کر لوگوں کے دخول جنت اور جو دوزخ میں داخل کیے جائیں گے ان کا دوزخ سے نکالا جانا اور آپ کا اپنے رب کی حمد و ثنا کرنا اور آپ کا شفاعت فرمانا، اور پھر آپ کی شفاعت کے سبب لوگوں کا بغیر حساب کتاب کے بخشا جانا، اور پھر لوگوں کو دوزخ سے نکالنا یہاں تک کہ وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا اس کا بھی دوزخ سے نجات پانا، اور اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم فرماتے ہوئے اس شخص کو بھی جس نے صرف لا الہ الا اللہ کہا تھا اس کو بھی دوزخ سے نکالنا، اور صرف دوزخ میں وہی رہیں گے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں اور حشر کے دن کی حضور نبی اکرم ﷺ کی دیگر خصوصیات سب مقام محمود ہیں۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا۔

فصل ہشتم

حضور نبی اکرم ﷺ کے خصائص

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے وہ پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔ اور ان میں سے ایک شفاعت ہے۔ اور اسی طرح ارشاد فرمایا: ”ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے اور میں نے اپنی یہ دعا قیامت کے روز اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھی ہوئی ہے۔“ ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ شفاعت جو کہ آپ ﷺ کو عطا فرمائی گئی اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی نسبت آپ کو خاص طور پر دی گئی ہے یہ اس شفاعت سے علیحدہ ہے جو آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے محفوظ فرمائی ہے کیونکہ عمومی شفاعت تو وہ دعا ہے جس میں وہ سب آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہیں۔ پس پہلی شفاعت یہ شفاعت عظمیٰ ہے پس اس سے مراد یا تو وہ شفاعت ہے جو حساب کتاب جلدی شروع کرنے کے حوالے سے ہوگی، یا اس سے

مراد عمومی شفاعت ہے جس کا ذکر پہلے گزرا ہے۔ اور آپ ﷺ ایسے صاحب شفاعت ہیں کہ تمام شفعاء آپ کی شفاعت میں داخل ہیں۔

اور دوسری شفاعت وہ ہے جو گناہگاروں کو دوزخ سے نکالنے کے بارے میں ہوگی جس طرف آپ ﷺ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے کہ ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ شفاعت مؤمنین متقین کے لیے ہوگی نہیں بلکہ یہ گناہگاروں اور خطاکاروں کے لیے ہوگی۔“

خاتمہ:

ہم اس کتاب کا اختتام صلاۃ و سلام پر کرتے ہیں اور ان الفاظ کو ذکر کرتے ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں۔ ان تمام کو ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن بن علی بن عبد الرحمن النمری نے اپنی کتاب ”الاعلام بفضل الصلاۃ علی النبی علیہ الصلاۃ والسلام“ میں جمع کیا ہے۔

۱۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرٰهیمَ اِنَّکَ حَمِیدٌ مَّجِیدٌ۔

۲۔ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرٰهیمَ اِنَّکَ حَمِیدٌ مَّجِیدٌ۔

۳۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی آلِ اِبْرٰهیمَ اِنَّکَ حَمِیدٌ مَّجِیدٌ وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرٰهیمَ اِنَّکَ حَمِیدٌ مَّجِیدٌ۔

۴۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰهیمَ اِنَّکَ حَمِیدٌ مَّجِیدٌ۔

۵۔ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی آلِ اِبْرٰهیمَ اِنَّکَ حَمِیدٌ مَّجِیدٌ۔

٦۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ
حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

٧۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ
وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

٨۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ
وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ
اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ.

٩۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ
وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

١٠۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

١١۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

١٢۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

١٣۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى
اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

١٤۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ
كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

۱۵۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اَزْوَاجِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ اَزْوَاجِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

۱۶۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ.

۱۷۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ.

۱۸۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ.

۱۹۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ.

۲۰۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ.

۲۱۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِي الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

۲۲۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ

إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٢٣- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ
إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ
إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٢٥- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٢٦- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ
مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٢٧- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى
آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ
مَجِيدٌ.

٢٨- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ.

٢٩- اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ.

٣٠- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ
مَجِيدٌ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ
إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

٣١- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى
إِبْرَاهِيمَ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ

مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

۳۲۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ
إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ وَ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

۳۳۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ
مَّجِيدٌ وَ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ
إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

۳۴۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ
مَّجِيدٌ وَ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

۳۵۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ آلِ
إِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَىٰ
إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

۳۶۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ
عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَ عَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

۳۷۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَ عَلَىٰ أَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَ
ذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلَ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

۳۸۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَ
عَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي
الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

۳۹۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَىٰ آلِ
إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ وَ بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
بَارَكْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

۳۰۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۳۱۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ
عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ
مَّجِيْدٌ۔

۳۲۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی
اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ اَرْحَمُ رَحْمٰتًا وَ آلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا رَحِمْتَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی
آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۳۳۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ بَيْتِهِ کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ
اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْنَا مَعَهُم۔

۳۵۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اَهْلِ بَيْتِهِ کَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ
اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَيْنَا مَعَهُم صَلَاةُ اللّٰهِ وَ صَلَوَاتُ
الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ ، السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ
بَرَكَاتُهُ۔

۳۶۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی
اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۳۷۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَكْتَ عَلٰی
اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۳۸۔ اَللّٰهُمَّ وَ تَحَنَّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰی
اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

۳۹۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَ اَرْوَاجِهِ

أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَ ذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلَ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

۵۰۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ رَحْمَتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ أَزْوَاجِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِ وَأُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

۵۱۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى أَزْوَاجِهِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَ ذُرِّيَّتِهِ وَأَهْلَ بَيْتِهِ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

۵۲۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

۵۳۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيمَ وَ فِي رَوَايَةٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

۵۴۔ عَنْ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: اَللّٰهُمَّ دَاخِيَ الْمَذْخُورَاتِ وَ بَارِي الْمَسْمُوكَاتِ وَ بَانِي الْمَنِيَّاتِ وَ مُرْسِي الْمُرْسِيَّاتِ وَ جَبَّارَ الْقُلُوبِ عَلَى فِطْرَتِهَا شَفِيهَا وَ سَعِيدِهَا وَ بَاسِطَ الرَّحْمَةِ لِلْمُسْتَقِيمِينَ اجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَ نَوَامِي زَكَوَاتِكَ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُولِكَ الْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَ الْفَاتِحِ لِمَا أُغْلِقَ الْمُغْلِقِينَ لِلْحَقِّ بِالْحَقِّ وَ الدَّامِغِ جَيْشَاتِ الْآبَاطِيلِ كَمَا حَمَلَ فَاضْطَلَعَ بِأَمْرِكَ لِطَاعَتِكَ مُسْتَوْفِزًا فِي مَرْضَاتِكَ بِغَيْرِ نَكْلِ فِي قَدَمٍ وَ لَا وَهْيٍ فِي عِزِّهِ وَاعِيًا لِرُوحِكَ حَافِظًا لِعَهْدِكَ مَاضِيًا عَلَى نَقَازِ أَمْرِكَ حَتَّى أَوْرِي قَبْسًا لِقَابِسٍ وَ آلَاءِ اللَّهِ تَصِلُ بِأَهْلِهِ اسْبَابُهُ بِهُدْيَةِ الْقُلُوبِ بَعْدَ خَوَاضَاتِ الْفِتَنِ وَالْإِثْمِ مَوْضِحَاتِ الْأَعْلَامِ وَ مُنِيرَاتِ الْإِسْلَامِ وَ

دَائِرَاتِ الْأَحْكَامِ فَهُوَ أَمِينُكَ الْمَأْمُونُ وَخَزَانُ عِلْمِكَ الْمَخْزُونُ وَ
شَهِيدُكَ يَوْمَ الدِّينِ وَبَعِيثُكَ نِعْمَةً وَرَسُولُكَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً ، اللَّهُمَّ
افسحْ لَهُ مَفْتَسِحًا فِي عَدْنِكَ وَأَجِزْهُ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ لَهُ
مِهْنَاتٍ غَيْرَ مُكَدَّرَاتٍ مِنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَضْنُونِ وَ جَزِيلِ عَطَائِكَ
الْمَحْلُولِ .

٥٥- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى بَنَاءِ الْبَنَاتَيْنِ بَنَاتِهِ وَأَكْرَامِ مَنَوَاهُ لَدَيْكَ وَ نَزَلِهِ
وَأَتَمِّمْ لَهُ نُورَهُ وَأَجِزْهُ مِنْ ابْتِغَائِكَ لَهُ مَقْبُولِ الشَّهَادَةِ مَرْضَى الْمَقَالَةِ ذَا
مَنْطِقٍ عَدْلٍ وَ خُطَّةِ فَضْلِ وَ حُجَّةٍ وَ بَرْهَانٍ عَظِيمٍ ، اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا سَامِعِينَ
مُطِيعِينَ وَ أَوْلِيَاءِ مُخْلِصِينَ وَ رُقَقَاءَ مَصَاحِبِينَ .

٥٦- اللَّهُمَّ أَيْلِفْهُ مِنَّا السَّلَامَ وَ ارْزُدْ عَلَيْنَا مِنْهُ السَّلَامَ .

٥٧- اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ وَ رَحْمَتِكَ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ
وَ إِمَامِ الْمُتَّقِينَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُولِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَ قَائِدِ الْخَيْرِ
رَسُولِ الرَّحْمَةِ .

٥٨- اللَّهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا يَغِيبُهُ بِهِ الْأَوَّلُونَ وَ الْآخِرُونَ .

٥٩- اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ
إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا
بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ .

٦٠- اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ وَ رَحْمَتِكَ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ وَ
إِمَامِ الْمُتَّقِينَ وَ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ عَبْدِكَ وَ رَسُولِكَ إِمَامِ الْخَيْرِ وَ قَائِدِ
الْخَيْرِ اللَّهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا يَغِيبُهُ بِهِ الْأَوَّلُونَ وَ الْآخِرُونَ وَ صَلِّ عَلَى
مُحَمَّدٍ وَ عَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ .

٦١- اللَّهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلَى أَحْمَدَ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلَى آلِ

اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

۶۲۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا

عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ السَّلَامُ عَلَيْكَ

اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ وَ مَغْفِرَةُ اللّٰهِ وَ رِضْوَانُ اللّٰهِ.

۶۳۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مُحَمَّدًا اَكْرَمَ عِبَادِكَ عَلَيْكَ وَ اَرْفَعَهُمْ عِنْدَكَ دَرَجَةً.

۶۴۔ اَللّٰهُمَّ اَتَّبِعْهُ مِنْ اُمَّتِهِ وَ ذُرِّيَّتِهِمَا تَقَرُّ بِهِ عَيْنُهُ وَ اَجْزُهُ عَنَّا خَيْرَ مَا

جَزَيْتَ نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهِ وَ اَجْزُ الْاَنْبِيَاءِ كُلِّهِمْ خَيْرًا ، السَّلَامُ عَلٰى الْمُرْسَلِيْنَ

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

۶۵۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِهِ وَ اَصْحَابِهِ وَ اَوْلَادِهِ وَ اَهْلِ بَيْتِهِ

وَ ذُرِّيَّتِهِ وَ مُحِبِّيهِ وَ اَتْبَاعِهِ وَ اَشْيَاعِهِ وَ عَلَيْنَا مَعَهُمْ اَجْمَعِيْنَ يَا اَرْحَمَ

الرَّاحِمِيْنَ.

قیامت کے دن مقرب مقام کے سوال کی فضیلت

حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ جس شخص نے مجھ پر صلاۃ بھیجا اور یہ

کہا "اَللّٰهُمَّ اعْطِهِ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (اے اللہ تعالیٰ قیامت کے

دن آپ ﷺ کو اپنے ہاں مقرب مقام عطا فرما) ایسے کہنے والے کے لیے میری شفاعت

واجب ہوگئی۔

ہمارا آخری کلام یہی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ صَلٰی اللّٰهُ عَلٰی سَيِّدِنَا

مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ صَحْبِهِ وَ التَّابِعِيْنَ وَ سَلَّمَ تَسْلِيْمًا وَ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نَعْمَ الْوَكِيلُ۔



مَنْ زَارَ قَبْرِي وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي

شفاء السقم



زيارة خير الكلام

للشيخ الإمام الفقيه المحدث تقي الدين السبكي الشافعي رحمه الله عليه



نُورِيَّةٌ ضَوْوِيَّةٌ بِمِلْكِيَّةٍ شَرْعِيَّةٍ
الشيخ نجش روض لاہو
© 042-7313885

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وہو حسبى ونعم الوكيل (۱)

الحمد لله الذى من علينا برسوله، وهدانا به الى سواء سبيله، وامرنا بتعظيمه وتكريمه وتبجيله، وفرض على كل مؤمن ان يكون احب اليه من نفسه وابوه وخليله، وجعل اتباعه سبيل المحبة الله وتفضيله، ونصب طاعته عاصمة من كيد الشيطان وتضليله، ويغنى عن جملة القول وتفصيله، رفع ذكره وما اتى عليه فى محكم الكتاب وتنزيله، صلى الله عليه وسلم صلوة دائمة بدوام طلوع النجم وأفوله .

أما بعد فهذا كتاب سميت (شفاء السقام فى زيارة خير الانام) ورتبه على عشرة ابواب .

الاول فى الاحاديث الواردة فى الزيارة، الثانى فى الاحاديث الدالة على ذلك وان لم يكن فيها لفظ الزيارة، الثالث فيما ورد فى السفر اليها، الرابع فى نصوص العلماء على استحبابها، الخامس فى تقرير كونها قرية، السادس فى كون السفر اليها قرية، السابع فى دفع شبه الخصم وتبع كلماته، الثامن فى التوسل والاستغاثة (۲) التاسع فى حياة

(۱) كذا فى خط المؤلف ۱۲ - هكذا فى النسخ القديمة (۲) لاستماعة .

الانبياء عليهم الصلاة والسلام، العاشر في الشفاعة لتعلقها بقوله (من زار قبري وجبت له شفاعتي) .

و ضمنت هذا الكتاب الرد على من زعم ان أحاديث الزيارة كلها موضوعة وان السفر اليها بدعة غير مشروعة، وهذه المقالة أظهر فسادا من ان يرد العلماء عليها، ولكني جعلت هذا الكتاب مستقلا في الزيارة وما يتعلق بها مشتملا من ذلك على جملة يعز جمعها على طالبها، وكنت سميت هذا الكتاب (شن القارة على من انكر سفر الزيارة) . ثم اخترت التسمية المقدمة واستغنت بالله تعالى وتوكلت عليه وهو حسي ونعم الوكيل .

الباب الاول

في الاحاديث الواردة في الزيارة نصا

الحديث الاول

(من زار قبري وجبت له شفاعتي) رواه الدارقطني واليهقي وغيرهما اخبرنا الحافظ ابو محمد عبد المؤمن بن خلف بن ابي الحسن بن شرف ابن الخضر بن موسى التوني الديماطي رحمه الله تعالى بجميع سنن الدارقطني سماعا، قال انا الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل بن عبد الله الدمشقي انا ابو الفتح ناصر بن محمد بن ابي الفتح ابوبرح (؟) القطان انا ابو الفتح اسمعيل بن الفضل بن الاخشيد السراج انا ابو طاهر محمد بن احمد بن محمد بن عبد الرحيم انا ابو الحسن علي بن عمر بن احمد بن مهدي الحافظ الدارقطني رحمه الله، قال حدثنا القاضي المحاملي ثنا عيد ابن

ابن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدی عن عید الله بن عمر (۱) عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم (من زار قبری وجبت له شفاعتی) .

هكذا فی عدة نسخ معتمدة من سنن الدارقطنی عید الله مصغرا منها نسخة كتبها عنه احمد بن محمد بن الحارث الاصفهانی وعليها طباق كثيرة علی ابن عبدالرحيم فمن بعده الى شيخنا ، وكذلك رواه الدارقطنی فی غیر السنن واتفقت روايته علی ذلك فی السنن وفي غيره من طريق ابن عبدالرحيم كما ذكرناه .

ومن طريق محمد بن عبد الملك بن بشران ، ومن طريق ابی النعمان تراب بن عید ايضا ، فاما رواية ابن بشران فاخبرنا بها عثمان ابن محمد فی كتابه الى من مكة شرفها الله تعالى قال : اخبرنا الحافظ ابوالحسن يحيى بن علی القرشي بمصر و ابوالعين بن عساكر بمكة بقراءتي عليها ، قالانا ابوالبركات الحسن بن محمد بن الحسن الشافعي العدل وهو جد ابی العين بدمشق قال ابوالحسن بقراءتي عليه وقال ابوالعين قراءة عليه ، قال انا عمي ابوالحسن هبة الله بن الحسن بن هبة الله الفقيه الاصولي الحافظ انا ابوطاهر عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر بن محمد ابن يوسف انا ابوبكر محمد بن عبد الملك بن بشران انا ابوالحسن علی

(۱) قال الدولابي فی الكافي فی ترجمة عبد الله الحمري حدثنا علي بن معبد بن نوح حدثنا موسى بن هلال ثنا عبد الله بن عمر ابو عبدالرحمن اخو عید الله عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من زار قبری وجبت له شفاعتی قال - وما بين قبری ومنبری ترعة من ترع الجنة - عن المولوی محمد حسن الزمان الحیدر آبادی .

ابن عمر بن مهدى الدارقطنى الحافظ ثنا القاضى المحاملى ثنا عبيدالله بن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (من زار قبرى وجبت له شفاعتى) .

هكذا أورده ابوالين ابن ابى الحسن بن الحسن فى (كتاب اتحاف الزائر واطراق المقيم للساتر) فى زيارة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو عندى عليه خط مصنفه وقراءة ابى عمرو عثمان بن محمد التوزرى لجمعه، عليه وكذلك أورده الحافظ ابوالحسن القرشى فى كتاب الدلائل المينة فى فضائل المدينة .

وقد قرأ عليه التوزرى ايضا وسمعه ايضا جماعة من شيوخنا على مصنفه المذكور رحمه الله تعالى، وإما رواية ابى النعمان ثراب بن عبيد قد ذكرها القاضى ابوالحسن على بن الحسن الخلقى فى فوائده وهى عشرون جزءا قرأت منها بئر الاسكندرية سنة أربع وسبعمائة على الشيخ الفاضل المقرئ ابى الحسين يحيى بن ابى الفضل أحمد بن عبدالعزيز ابن عبيدالله بن عبدالباقى بن الصواف الجزء الاول والثانى وبعض الثالث وحدثنى بهذا القدر كلمة كلمة فانه كان قد عمر وعمرى وثقل سمعه فصرت أقرأ عليه لفظة لفظة ويعيدها لآتمحقق سماعه وتاوتلى جميع الاجزاء الستة الاولى والسادس عشر والسابع عشر والتاسع عشر بسماعه لذلك من ابن عماد سنة عشرين وستمائة وقرأت منها بدمشق على المسند ابى عبادته محمد بن ابى العز بن مشرف بن بنان الانصارى القدر الذى يرويه منها باتصال السماع وهو من أول الجزء الثامن الى آخرها وذلك ثلاثة عشر جزءا بسماعه من ابى صادق الحسن بن يحيى بن صباح المخزومى

المخزومي المصري اخبرنا ابن رفاعه والحديث المذكور في السابع من الفوائد المذكورة، وانا به شيخنا ابن الصواف المتقدم ذكره والشريف ابوالحسن علي بن احمد بن عبدالمحسن الغرافي في كتابنا فيهما الى من الثغر .

قالا انا ابو عبدالله محمد بن عماد بن محمد الحراني قال ابن الصواف بقراءة والدي عليه وانا اسمع ستة عشرين، وقال الغرافي بقراءة والدي عليه وانا اسمع ستة ثلاثين وستمائة قال انا ابو محمد عبدالله بن رفاعه بن غدير السعدي الفرضي (ح) وكتب الى عثمان بن محمد من مكة شرفها الله تعالى انه قرأ على الحافظ ابي الحسين يحيى بن علي القرشي في تصنيفه المسمى بكتاب الدلائل المينة في مسائل المدينة .

قال انا القاضي ابو محمد عبدالله بن محمد الشافعي بقراءتي عليه بمصر و ابو عبدالله محمد بن ابي المعالي الحراني بالاسكندرية قالوا انا ابو محمد عبدالله ابن ابي الخير الشافعي الفرضي انا القاضي ابوالحسن علي بن الحسن بن الحسين بن محمد الشافعي المعروف بالخلعي انا ابوالنعمان تراب بن عمر ابن عبيد ثنا ابوالحسن علي بن عمر الدارقطني ثنا ابو عبدالله الحسين بن اسماعيل قال ثنا عبيد بن محمد الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (من زار قبري وجبت له شفاعتي) .

ومن رواها من طريق الخلعي الحافظ ابو القاسم بن عساكر في تاريخه في باب ان من زار قبره صلى الله عليه وسلم بعد وفاته كان كمن زار حضرته في حال حياته .

اخبرنا بذلك عبدالمؤمن بن خلف وعلي بن محمد وغيرهما مشافهة عن القاضي ابي نصر محمد بن هبة الله الشيرازي قال اذا لحافظ ابوالقاسم

ابن عساكر قال انا خالى ابوالمعالى محمد بن يحيى القرشى القاضى بدمشق
انا ابو الحسن على بن الحسن الخلعى انا تراب بن عمر بن عبيد ثنا
ابو الحسن الدارقطنى ثنا ابو عبد الله الحسين بن اسماعيل ثنا عبيد بن محمد
الوراق ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيد الله بن عمر عن نافع عن
ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (من زار قبرى وجبت
له شفاعتى) فقد اتفقت الروايات عن الدارقطنى عن المحاملى على عبيد الله
مصفرا وكذلك رواه غير الدارقطنى عن غير المحاملى عن عبيد بن محمد
انا بذلك عبد المؤمن بن خلف وغيره اذنا عن ابى نصر الشيرازى انا
ابن عساكر انا ابو القاسم الشحامى انا ابوبكر البيهقى انا ابو عبد الله الحافظ
انا ابو الفضل محمد بن ابراهيم ثنا محمد بن زنجويه العشيرى ثنا عبيد بن
محمد بن القاسم بن ابى مريم الوراق ، وكان نيسابورى الاصل سكن
بغداد ، ثنا موسى بن هلال العبدى عن عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن
عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (من زار قبرى وجبت له
شفاعتى) فقد ثبت عن عبيد بن محمد روايته على التصغير وعبيد بن
محمد ثقه قاله الخطيب رحمه الله تعالى ورواه عن موسى بن هلال عن
عبيد بن محمد جماعة منهم جعفر بن محمد البزورى قال العقلى فى كتابه
ثنا محمد بن عبد الله الحضرمى ثنا جعفر بن محمد البزورى ثنا موسى بن
هلال البصرى عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم (من زار قبرى فقد وجبت له شفاعتى) هكذا رآيه
فى نسخة عبيد الله .

ومنهم محمد بن اسماعيل بن سمره الاحمسي واختلف عليه فروى
عنه مصفرا كما رواه غيره اخبرنا بذلك عبد المؤمن وغيره اذنا عن
ابى

ابی نصر انا علی بن الحسن الحافظ انا اسماعیل بن محمد بن الفضل الحافظ
 انا احمد بن علی بن خلف انا ابوالقاسم بن حبيب حدثنا ابوبکر احمد
 ابن نصر بن نصر بن بکار البخاری انا ابو عبدالرحمن عبدالله بن عیدالله
 ثنا محمد بن اسماعیل الاحمسی عن موسى بن هلال عن عیدالله وروی عنه
 مکبرا انا بذلك اقسیان (؟) بن محفوظ بن محمود بن هلال بقراءتی علیه سنة
 ست و سبعمائة انا ابوسعید قایماز بن عبدالله المعظمی انا الحافظ ابوطاهر
 احمد بن محمد السلفی انا ابوسعید احمد بن الحسن بن احمد بن علی بن
 الخصب الخنساری انا ابوبکر احمد بن الفضل بن محمد المقری امام الجامع
 باصبهان ثنا ابوبکر محمد بن الحسن بن یوسف بن یعقوب الامام ثنا
 عیدالله بن محمد بن عبدالکرم الرازی ثنا محمد بن اسماعیل بن سمرة
 الاحمسی ثنا موسى بن هلال المبدی عن عبدالله بن عمر هكذا نقله
 من خط الحافظ ابی محمد عبدالعظیم المنذری رحمه الله .

وهكذا قاله ابو احمد بن عدی فی کتاب الکامل كما انبأنا عبدالمؤمن
 وآخرون عن ابی الحسن بن المقیر عن ابی الکریم بن الشهرزوری انا
 اسماعیل بن مسعدة الاسماعیلی (ح) وانا عبدالمؤمن وغيره أيضا عن
 ابن عجل (؟) انا علی بن الحسن الدمشقی انا ابوالقاسم الشحامی انا ابوبکر
 الیهقی انا ابوسعید المالینی (ح) قال الدمشقی وانا ابوالقاسم ابن السمرقند
 انا اسماعیل بن مسعدة انا حمزة بن یوسف قالوا انا ابو احمد بن عدی
 الحافظ حدثنا محمد بن موسى الحلوانی (ح) قال الدمشقی واخبرنا علی بن
 ابراهیم الخطیب انا رشا بن نظیف انا الحسن بن اسماعیل ثنا احمد بن
 مروان ثنا محمد بن عبدالعزیز الدینوری قالوا ثنا محمد بن اسماعیل
 ابن سمرة ثنا موسى بن هلال ثنا عبدالله بن عمر، وكذلك كتب الی

عثمان بن محمد من مكة شرفها الله تعالى انه قرأ على الحافظ يحيى بن علي
 انا الحافظ علي بن الفضل قراءة عليه غير مرة والقاضي ابو القاسم حمزة
 ابن علي بن عثمان المخزومي قال انا الحافظ ابو طاهر السلفي (ح)
 وانا انا جماعة عن جماعة عنه انا ابو ابراهيم الخليل بن عبد الجبار انا
 سليم بن ايوب انا احمد بن عبدالله المعدل بالري انا عبد الرحمن بن ابي
 حاتم الرازي ثنا محمد بن اسماعيل الاحمسي ثنا موسى بن هلال عن
 عبدالله بن عمر .

ومرض الحافظ يحيى بن علي القرشي هذه الرواية وذكر ان
 الصواب عبيد الله بالتصغير ورأيت في تاريخ ابن عساكر بخط ابي
 عبدالله البرزالي المحفوظ عن ابن سمرة (عبيد الله) وقال ابو احمد بن عدي
 في كتاب الكامل فيما انا جماعة بالاسناد المتقدم اليه عبدالله اصح
 وفيما قاله نظر، والذي ترجح ان يكون عبيد الله لتضافر روايات عبيد
 ابن محمد كلها وبعض روايات ابن سمرة ولما سذكره من متابعة مسلة
 الجهني لموسى بن هلال كما سيأتي في الحديث الثالث .

ويحتمل ان يكون الحديث عن عبيد الله وعبد الله جميعا ويكون
 موسى سمعه منها وتارة حدث به عن هذا وتارة عن هذا ومن رواه
 عن موسى عن عبدالله الفضل بن سهل فيما انا ابو محمد الدمياطي وغيره
 اذنا عن ابي نصر انا ابن عساكر انا ابو سعد احمد بن محمد البغدادي انا
 ابو نصر محمد بن احمد بن محمد انا ابو سعيد الصيرفي انا ابو عبدالله محمد
 ابن عبدالله بن احمد الصفار ثنا ابو بكر بن ابي الدنيا ثنا الفضل بن سهل
 ثنا موسى بن هلال ثنا عبدالله بن عمر، وهكذا قاله ابو الحسين يحيى بن
 الحسن الحسي في كتاب اخبار المدينة قال ثنا رجل من طلبة العلم ثنا الفضل

(۱) ابن

ابن سهل قد ذكره .

قال حفيد صاحب الكتاب الحسن بن محمد بن يحيى في موضع آخر منه يعني ابا بكر وكذلك رواه ابن الجوزي في (مثير العزم الساكن) ونقلته من خطه قال ابا نا الحريري انا الخياط انا ان درست ثنا ابن صفوان ثنا ابو بكر القرشي وهو ابن ابي الدنيا قد ذكره وهذه الطريق ان صحت تحمل على ان الحديث عنهما كما قد مناه فانه لا تنا في ذلك على ان عبدالله المكبر روى له مسلم مقرونا بغيره، وقال احمد رحمه الله صالح .

، وقال ابو حاتم رأيت احمد بن حنبل يحسن الثناء عليه وقال يحيى ابن معين ليس به بأس يكتب حديثه وقال انه في نافع صالح وقال ابن عدى لا بأس به صدوق، وقال ابن حبان كان ممن غلب عليه الصلاح حتى غلب عن ضبط الأخبار وجودة الحفظ والآثار تقع التاكير في روايته فلما فحش خطاؤه استحق الترك، وهذا الكلام من ابن حبان يعرفك انه لم يتكلم فيه لجرح في نفسه وانما هو لكثرة غلطه .

واما حكمه باستحقاقه الترك فنخالف لاجراجه مسلم رحمه الله تعالى له في المتابعات وليس هذا الحديث في مظنة ان يحصل فيه التباس على عبدالله لافي منده ولا في مته فانه في نافع كما سبق وخصيص به ومتن الحديث في غاية القصر والوضوح فاحتمال خطائه فيه بعيد والرواية جميعهم الى موسى بن هلال ثقات لاربية فيهم، وموسى بن هلال قال ابن عدى ارجوانه لا بأس به، واما قول ابي حاتم الرازي فيه انه مجهول فلا يضره فانه اما ان يريد جهالة العين او جهالة الوصف فان

أورد جهالة العين وهو غالب اصطلاح اهل هذا الشأن في هذا الاطلاق
فذلك مرتفع عنه لانه قد روى عنه احمد بن حنبل ومحمد بن جابر
المحاربى ومحمد بن اسمعيل الاحمسي وابوامية محمد بن ابراهيم الطرسوسى
وعبيد بن محمد الوراق والفضل بن سهل وجعفر بن محمد البزورى
وبرواية اثنين تتفق جهالة العين فكيف برواية سبعة .
وان أراد جهالة الوصف فرواية احمد عنه ترفع من شأنه لاسيما
مع ما قاله ابن عدى فيه .

ومن ذكره في مشايخ احمد رحمه الله تعالى ابو الفرج ابن الجوزى
وابو اسحاق الصريفي واحمد رحمه الله لم يكن يروى الا عن ثقة وقد
صرح الخصم بذلك في الكتاب الذى صنفه في الرد على البكرى بعد
عشر كراريس منه ، قال ان القائلين بالجرح والتعديل من علماء الحديث
نوعان منهم من لم يرو الا عن ثقة عنده كالك وشعبة ويحيى بن سعيد
وعبدالرحمن بن مهدى واحمد بن حنبل وكذلك البخارى وامثاله .
وقد كفانا الخصم بهذا الكلام مؤنة تبين ان احمد لا يروى
الا عن ثقة وحيث لا يبق له مطعن فيه .

واما قول العقلى انه لا يتابع عليه وقول اليهقى سواء أقال عبيد الله
أم عبد الله فهو منكر عن نافع عن ابن عمر لم يأت به غيره فهذا وما فى
معناه يدل على انه لاعلة لهذا الحديث عندم الاتفرد موسى به واتهم
لم يهتملوه له لخنفاء حاله والافكم من ثقة يتفرد بأشياء ويقبل منه ،
واما بعد قول ابن عدى فيه ما قال ووجود متابع فانه يتعين قبوله
وعدم رده ، ولذلك والله اعلم ذكره عبد الحق رحمه الله فى الاحكام
الوسطى والصغرى . سكت عنه وقد قال فى خطبة الاحكام الصغرى
انه

انه تخيرها صحيح الاسناد معروفة عند النقاد قد نقلها الآثبات و تداولها الثقات، وقال في خطبة الوسطى و هي المشهورة اليوم بالكبرى ان سكوتة عن الحديث دليل على صحته فيما يعلم وانه لم يتعرض لايخراج الحديث المقتل كله و اخرج منه يسيرا بما عمل به اوبأكثره عند بعض الناس و اعتمد و نزع اليه عند الحاجة اليه وانه انما يعلل من الحديث ما كان فيه امر ارنهى أو يتعلق به حكم، واما ما سوى ذلك فربما في بعضها سمح و ليس منها شيء عن متفق على تركه و سبقه الحافظ ابو علي بن السكن الى تصحيح الحديث الثالث كما سنذكره و هو متضمن لمعنى هذا الحديث .

و قول ابن القطان ان قول ابن عدى صدر عن تصنع روايات موسى بن هلال لاعن مباشرة احواله لا يضر ايضا لان كثيرا من جرح المحدثين و توثيقهم على هذا التحويل هو اولى من ثبوت العدالة المجردة من غير نظر في حديثه، و قد وجدنا لرواية موسى بن هلال متابعة و شواهد من وجوه سنذكرها، و بذلك تبين ان اقل درجات هذا الحديث ان يكون حسنا ان نوزع في دعوى صحته فان الحسن قسبان، أحدهما ما في اسناده مستور لم يتحقق أهلية و ليس مغفلا كثير الخطأ. و لا ظهر منه سبب مفسق و متن الحديث مع ذلك روى مثله او نحوه من وجه آخر، و اقل درجات موسى بن هلال رحمه الله تعالى ان يكون بهذه الصفة و حديثه بهذه المثابة .

و القسم الثانى للحسن ان يكون راويه مشهورا بالصدق و الامانة لم يبلغ درجة رجال الصحيح لقصوره في الحفظ و هو مع ذلك يرتفع عن حال من بعد ما ينفرد به من حديثه منكرا . و هذا الحديث قد يقتضى اطلاق اسم الحسن على بعض ما سنذكره من الاحاديث ايضا :

وليس لقائل ان يقول ان هذا يقتضى سلب اسم الحسن عن الحديث الذى من فيه فان ما ذكرناه ليس اختلافا فى حد الحسن بل هو تقسيم له والحديث الحسن صادق على كل من النوعين ، ثم ان الاحاديث التى جمعناها فى الزيارة بضعة عشر حديثا بما فيه لفظ الزيارة غير ما استدل به لنا من احاديث آخر و تضافر الاحاديث يزيد لها قوة حتى ان الحسن قد يترقى بذلك الى درجة الصحيح .

والضعيف قسمان قسم يكون ضعف راويه ناشئا من كونه متبها بالكذب ونحوه فاجتماع الاحاديث الضعيفة من هذا الجنس لا يزيد لها قوة ، وقسم يكون ضعف راويه ناشئا من ضعف الحفظ مع كونه من اهل الصدق والديانة فاذا رأينا ما رواه قد جاء من وجه آخر عرفنا انه لما قد حققه ولم يحتل فيه ضبطه له ، هكذا قاله ابن الصلاح رحمه الله وغيره .

فاجتماع الاحاديث الضعيفة من هذا النوع يزيد لها قوة وقد يترقى بذلك الى درجة الحسن أو الصحيح ، ولهذا لما تكلم النووى رحمه الله فى ان ميقات ذات عرق هل هو منصوص عليه او يجتهد فيه وصحح انه منصوص عليه وذكر عن جمهور اصحابنا تصحيحه للاحاديث الواردة فيه وان كانت اسانيد مفرداتها ضعيفة فجموعها يقوى بعضها بعضا و يصير الحديث حسنا ويحتج به ، هكذا ذكره فى (شرح المذهب) فى كتاب الحج .

فهذه مباحث فى اسناد هذا الحديث اولها تحقيق كونه من رواية عبيد الله المصنف وترجيح ذلك على من رواه عن عبد الله المكبر ، وثانيها القول بانه عنها جميعا ، وثالثها على تقدير التزلز و تسليم انه عن عبد الله المكبر وحده فانه داخل فى قسم الحسن لما ذكرناه ، ورابعها على تقدير ان يكون ضعيفا من هذا الطريق وحده وحاشى لله فان اجتماع الاحاديث الضعيفة

الضعيفة من هذا النوع يقويها ويوصلها الى رتبة الحسن .

وبهذا بل بأقل منه يتبين افتراء من ادعى ان جميع الاحاديث الواردة في الزيارة موضوعة فسبحان الله أما استحي من الله ومن رسوله في هذه المقالة التي لم يسبقه إليها عالم ولا جاهل لامن اهل الحديث ولا من غيرهم ولا ذكر أحد موسى بن هلال ولا غيره من رواة حديثه هذا بالوضع ولا اتهم به فيما علنا فكيف يستجيز مسلم ان يطلق على كل الاحاديث التي هو واحد منها انها موضوعة، ولم ينقل اليه ذلك عن عالم قبله ولا ظهر على هذا الحديث شيء من الأسباب المقتضية للحديث بالحكم بالوضع ولا حكم منه بما يخالف الشريعة فمن أي وجه يحكم بالوضع عليه لو كان ضعيفا فكيف وهو حسن أوصحيح .

ولنقتصر على هذا القدر بما يتعلق بسند هذا الحديث الاول، وأما مته قوله « وجبت » معناه حقت وثبتت ولزمت وأنه لا بد منها لوعده صلى الله عليه وسلم تفضلا منه .

وقوله صلى الله عليه وسلم له « أما ان يكون المراد له بخصوصه بمعنى ان الزائرين يخلصون بشفاعة لا تحصل لغيرهم عموما ولا خصوصا . وأما ان يكون المراد انهم يفردون بشفاعة عما يحصل لغيرهم ويكون افرادهم لذلك تشريفا وتوحيها بهم بسبب الزيارة ، وأما ان يكون المراد انه ببركة الزيارة يجب دخوله في عموم من تنبأ له الشفاعة .

وفائدة ذلك البشرى بأنه يموت مسلما، وعلى هذا التقدير الثالث يجب اجراء اللفظ على عمومته لأننا لو أضمرنا فيه شرط الوفاة على

الاسلام لم يكن لذكر الزيارة معنى لان الاسلام وحده كاف في نيل هذه الشفاعة وعلى التقديرين الاولين يصح هذا الاضمار .
 فالحاصل ان أثر الزيارة إما الوفاة على الاسلام مطلقا لكل زائر وكفى بها نعمة ، وإما شفاعة خاصة بالزائر أخص من الشفاعة العامة للأسلین ، وقوله « شفاعتي » في الاضافة اليه تشریف لها فان الملائكة والانبیاء والمؤمنین يشفعون والزائر لقبره صلى الله عليه وسلم له نسبة خاصة منه فيشفع فيه هو بنفسه والشفاعة تعظم بعظم الشافع فكما ان النبي صلى الله عليه وسلم افضل من غيره كذلك شفاعته افضل من شفاعته غيره ويحتاج هنا الى ذكر الشفاعة الاخرى ولكني أؤخر الكلام فيها لتلايل الناظر قبل كمال مقصوده من الزيارة .

الحديث الثاني

(من زار قبري حلت له شفاعتي) رواه الامام ابو بكر احمد بن عمرو بن عبدالحق البزار في مسنده ، قال : حدثنا قتيبة ثنا عبدالله بن ابراهيم ثنا عبدالرحمن بن زيد عن ابيه عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم : من زار قبري حلت له شفاعتي ، وهذا هو الحديث الاول بينه ولذلك عزاه عبدالحق رحمه الله الى الدارقطني والبزار جميعا الا ان في الحديث الاول دو جبت ، وفي هذا حلت ، فلذلك أفردته ، وقد نقله من نسخة معتمدة سمعها الحافظ القاضي ابو علي الحسين ابن محمد الصدفي على الشيخ الفقيه صاحب الأحكام ابو محمد عبدالله بن محمد بن اسماعيل بن فورث في ستة ثمانين واربعائة بسرقة وعليها خط ابي محمد عبدالله بن فورث بسامع للصدفي عليه وانه حدثه بها عن الشيخ ابي عمر احمد بن محمد المقرئ الطلمنكي اجازة انا ابو عبدالله محمد

محمد بن احمد بن يحيى بن معرج ثنا ابو الحسين محمد بن ايوب بن حبيب بن يحيى الرقى الصموت ثنا ابو بكر احمد بن عمرو بن عبد الحائق البزار .

وعلى هذه النسخة انها قوبلت باصل القاضي ابى عبدالله بن معرج الذى فيه سماعه على الرقى محمد بن ايوب واكثر اصل ابن معرج بخط الرقى وقد حدث القاضى ابو على الصدفى بهذه النسخة مرات وعليها الطباقي عليه ، ومن قرأها على الصدفى محمد بن خلف بن سليمان بن فيجون (؟) فى سنة ثلاث وخمس مائة وقد حدث بهذه النسخة أيضا الفقيه العالم المتقن ابو محمد بن حوط الله قرأها عليه محمد بن محمد بن سماعة فى سنة ست وستائة بمروية .

وفورث بضم الفاء بعدها واوسا كنة ثم راء سا كنة ثم تاء مشاة من فوق ثم شين معجمة ، و قية شيخ البزار هو ابن المرزبان روى عنه أحاديث غير هذا .

وعبدالله بن ابراهيم هو الغفارى يقال انه من ولد ابى ذر رضى الله عنه روى له ابوداود والترمذى قال ابوداود منكر الحديث ، وقال ابن عدى عامة مايرويه لا يتابعه عليه الثقات ، وقال البزار عقب ذكره هذا الحديث عبدالله بن ابراهيم حدث باحاديث لم يتابع عليها وانما يكتب من حديثه ما لا يحفظ الا عنه .

وعبدالرحمن بن زيد بن اسلم روى له الترمذى وابن ماجه وضعفه جماعة وقال ابن عدى انه له احاديث حسان وانه ممن احتمله الناس وصدقه بعضهم وانه ممن يكتب حديثه ، وصحح الحاكم رحمه الله تعالى حديثا من جهته سنذكره فى التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم واذكان

المقصود من هذا الحديث تقوية الأول به وشهادته له لم يضر ما قيل في هذين الرجلين اذ ليس راجعا الى تهمة كذب ولا فسق ومثل هذا يحتمل في المتابعات والشواهد .

الحديث الثالث

(من جاءني زائرا لا يعمل حجة الا زيارتي كان حقا علي ان اكون له شفيعا يوم القيامة) .

رواه الطبراني في معجمه الكبير والدارقطني في اما له وابوبكر ابن المقرئ في معجمه وصححه سعيد بن السكن وهو من رواية مسلبة الجهني عن عبيد الله العمري فيه متابعة لموسى بن هلال في شيخه ويان لانه لم يتفرد بالحديث وكان ينبغي لاجل ذلك ان تذكره مع الاول لكن لما تضمن زيادة معنى أفردناه، وقد ورد في بعض الروايات لا يعمل وفي بعضها لا ينزعه واختلف على مسلبة في عبيد الله وعبد الله كما اختلف على موسى بن هلال ، فرواه عبد الله بن محمد العبادي البصري عن مسلبة عن عبيد الله مصفرا عن نافع والعبادي بضم العين المهمة وفتح الباء المخففة المنقوطة بواحدة وفي آخره الدال نسبة الى عباد بن ضبيعة بن قيس بن ثعلبة بن عكابة بن صعب بن علي بن بكر ، قال ابوسعاد ابن السمعاني والمشهور بالنسبة اليهم عبد الله بن محمد العبادي يروي عن الحسن بن حبيب بن نذبة ، حدث عنه عبدان وغيره وقاله الصوري بتشديد الباء قال ابن ماكولا ما نعرفه الا مخففا .

اخبرنا ابو الفضل اسحاق بن ابي بكر بن ابراهيم ابن النحاس الاسدي بقراءتي عليه بجامع دمشق في عاشر صفر سنة ثمان وسبعائة قلت له اخبرك الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل بن عبد الله الدمشقي قراءة عليه (۲)

عليه و انت تسمع انا ابو عبدالله محمد بن ابى زيد بن حمد بن نصر الكراني
 انا ابو منصور محمود بن اسماعيل بن محمد الصيرفي انا ابو الحسين احمد
 ابن محمد بن الحسين بن فاذشاه انا ابو القاسم سليمان بن احمد بن ايوب
 ابن مطير اللخمي الطبراني ثنا عبدان بن احمد ثنا عبدالله بن محمد العبادي
 البصري ثنا مسلمة بن سالم الجهني حدثني عبيدالله بن عمر عن نافع عن
 سالم عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
 من جاءني زائرا لا تعله حاجة الا زيارتي كان حقا على أن اكون له
 شفيعا يوم القيامة . واخبرنا به ايضا علي بن احمد الغرافي في كتابه انا
 ابن عماد انا ابن رفاعه انا الحلبي (ح) و كتب الى عثمان بن محمد
 انه قرأ على الحافظ يحيى بن علي القرشي انا عبدالله بن محمد وابن عماد
 قالا انا ابن رفاعه انا الحلبي انا ابوالنعمان تراب بن عمر بن عبيد بن
 محمد بن عباس العسقلاني ثنا ابو الحسن علي بن عمر بن احمد بن مهدي
 الدارقطني البغدادي املاء بمصر ثنا يحيى بن محمد بن صاعد ثنا ابو محمد
 عبدالله بن محمد العبادي من بني عباد بن ربيعة في بني مرة بالبصرة سنة
 ثمانين ومائتين حدثنا مسلمة بن سالم الجهني امام مسجد بني حرام
 ومؤدبهم ثنا عبيدالله بن عمر عن نافع عن سالم عن ابيه قال قال رسول الله
 صلى الله عليه وسلم من جاءني زائرا لم تنزع حاجته الا زيارتي كان حقا
 على أن اكون له شفيعا يوم القيامة .

واخبرنا ايضا عبدالمؤمن وغيره اذنا عن ابى نصر انا ابن عساكر
 انا خالي ابو المعالي محمد بن يحيى بن علي انا علي بن الحسن بن الحسين الحلبي
 قد ذكره باسناده ومته وفي هذين الطريقين اعنى طريق عبدان وطريق
 يحيى بن محمد بن صاعد نافع عن سالم ورواه غيرهما فقال فيه عن نافع

وسالم كذلك قرى على ابي الفضل اسحاق بن ابي بكر بن ابراهيم بن هبة الله
ابن طارق بن سالم بن النحاس الاسدي الحنفي في معجم ابن المقرئ وانا
اسمع بدمشق ان الحافظ ابا الحجاج يوسف بن خليل الدمشقي اخبره قراءة
عليه وهو يسمع بحلب انا ابو مسلم المؤيد بن عبدالرحيم بن احمد ابن الاخوة
وزوجه عين الشمس بنت ابي سعيد بن الحسن قالوا انا ابو الفرج سعيد
ابن ابي الرجاء الصيرفي قال المؤيد سمعا وقالت زوجته اجازة قال
انا الشيخان ابو طاهر احمد بن محمود الثقفي و ابو الفتح منصور بن
الحسين بن علي بن القاسم قالوا انا ابو بكر محمد بن ابراهيم بن علي بن عاصم
ابن المقرئ (ح) واخبرنا عبد المؤمن بن خلف وغيره اذنا عن ابي
نصر انا علي بن الحسن بن هبة الله اخبرناه ابو الفرج سعيد بن ابي
الرجاء الاصبهاني انا منصور بن الحسين و ابو طاهر بن محمود قالوا انا ابو بكر
ابن المقرئ ثنا محمد بن احمد بن محمد الشطوي بغداد ثنا عبدالله بن
يزيد الحمصي ثنا عبدالله بن محمد حدثني مسلمة بن سالم الجهني امام مسجد
بنی حرام ومؤديهم بالبصرة قال حدثني عبيدالله بن عمر العمري عن
نافع وسالم عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من
جاءني زائرا لا ينزعه الا يبارتي كان حقا على الله عز وجل ان اكون
له شفعا يوم القيامة، وفي رواية ابن عساكر حق بالرفع وهذه الطرق
كلها متفقة عن عبدالله بن محمد العبادي عن مسلمة عن عبيدالله مصفرا .
ورواه مسلم بن حاتم الانصاري عن مسلمة عن عبدالله اخبرنا
بذلك ابن خلف وغيره اذنا عن ابن هبة الله انا الدمشقي انا ابو علي الحداد
في كتابه حدثني عبدالرحيم بن علي ابو مسعود عنه انا ابو نعيم الحافظ
حدثنا ابو محمد بن حيان ثنا محمد بن احمد بن سليمان الهروي ثنا مسلم بن
حاتم

حاتم الانصارى ثنا مسلمة ابن سالم الجهنى حدثنى عبد الله يعنى العمري
حدثنى نافع عن سالم عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
من جاءنى زائرا لم تنزع حاجته الا يبارق كان حقا على أن اكون له
شفيعا يوم القيامة :

هذه طرق هذا الحديث وقد ذكره الامام الحافظ ابو على سعيد
ابن عثمان بن سعيد بن السكن البغدادى المصرى البزار فى كتابه المسمى
بالسنن الصحاح المأثورة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو كتاب
محدوف الاسانيد قال فى خطبته :

اما بعد فانك سألتنى ان اجمع لك ما صح عندى من السنن
المأثورة التى نقلها الائمة من اهل البلدان الذين لا يطعن عليهم طاعن
فيما نقلوه فتدبرت ما سألتنى عنه فوجدت جماعة من الائمة قد تكلفوا
ما سألتنى من ذلك ، وقد وعيت جميع ما ذكروه ، حفظت عنهم اكثر
ما نقلوه واقتديت بهم واجبتك الى ما سألتنى من ذلك وجعلته ابوابا
فى جميع ما يحتاج اليه من احكام المسلمين ، قاول من نصب نفسه لطلب
صحيح الآثار البخارى وتابعه مسلم وابوداود والنسائى وقد تصفحت
ما ذكروه وتدبرت ما نقلوه فوجدتهم مجتهدين فيما طلبوه فما ذكرته
فى كتابى هذا مجملا فهو مما اجمعوا على صحته ، وما ذكرته بعد ذلك
مما يختاره احد من الائمة الذين سميتهم فقد ينسب حجة فى قبول ما ذكره
ونسبته الى اختياره دون غيره ، وما ذكرته مما يتفرد به احد من اهل
النقل للحديث فقد ينسب علته ودلت على انفراده دون غيره ، وبالله
التوفيق .

قال فى هذا الكتاب فى آخر كتاب الحج باب ثواب من زار

قبر النبي صلى الله عليه وسلم ، عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من جاني زائرالم تنزعه حاجة الا زيارتي كان حقا على ان اكون له شفيعا يوم القيامة ، صلى الله عليه وسلم ويذكر ابن السكن في هذا الباب غير هذا وذلك منه حكم بانه مجمع على صحته بمقتضى الشرط الذى شرطه في الخطبة وابن السكن هذا امام حافظ ثقة كثير الحديث واسع الرحلة سمع بالعراق و الشام و مصر و خراسان و ما وراء النهر من خلائق و هو بغدادى سكن مصر و مات بها في النصف من المحرم سنة ثلاث و خمسين و ثلاثمائة و تبويب ابن السكن يدل على انه فهم منه ان المراد بعد الموت او ان ما بعد الموت داخل في العموم و هو صحيح .

الحديث الرابع

(من حج فزار قبرى بعد وفاتى فكأنما زارنى فى حياتى) رواه الدارقطنى فى سته و غيرها و رواه غيره ايضا .
 اخبرنا عبد المؤمن بن خلف الحافظ انا يوسف بن خليل الحافظ انا ناصر بن محمد ابو برج انا اسماعيل بن الفضل بن الاخشىد انا ابو طاهر بن عبد الرحيم انا على بن عمر الحافظ الدارقطنى قال حدثنا عبد الله بن محمد بن عبدالعزيز ثنا ابو الربيع الزهرانى (ح) و قرأت على ابى محمد اسحاق بن يحيى بن اسحاق بن ابراهيم الأمدى و اللفظ له اخبرك يوسف بن خليل الحافظ انا محمد بن ابى زيد الكرانى انا محمود الصيرفى انا ابن قاذشاه انا الطبرانى ثنا الحسين بن اسحاق التستري ثنا ابو الربيع الزهرانى ثنا حفص بن ابى داؤد عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : من حج فزار قبرى بعد وفاتى كان

كان كمن زارني في حياتي .

و كتب الى عثمان بن محمد من مكة انه قرأ على الحافظ ابى الحسين بمصر قال انا ابو البركات الحسن بن محمد بن الحسن الشافعي انا ابو طاهر عبدالرحمن بن احمد بن عبدالقادر بن يوسف البغدادي انا ابو بكر محمد بن عبدالملك بن بشران انا ابو الحسن الدارقطني حدثنا عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز ثنا ابو الربيع ثنا حفص بن ابى داود عن ليث بن ابى سليم : عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حج فزار قبري بعد وفاتي فكاتما زارني في حياتي .

واخبرناه عبدالؤمن وغيره اذنا عن الشيرازي انا الحافظ الدمشقي (۴) انا ابو عبدالله الخلال انا ابراهيم بن منصور انا ابو بكر ابن المقرئ انا ابو يعلى الموصلي ثنا ابو الربيع ثنا حفص بن ابى داود عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من حج فزارني بعد وفاتي كان كمن زارني في حياتي ، وكذلك رواه ابو احمد بن عدى في الكامل .

اخبرناه ابو محمد التوني ، هو الحافظ الديماطي ، وآخرون اذنا عن ابى الحسن النجار عن ابى الكرم المبارك بن الحسن الشهرزوري انا اسماعيل بن مسعدة الاسماعيلي انا حمزة بن يوسف السهمي انا ابو احمد عبدالله بن عدى الجرجاني انا الحسن بن سفيان ثنا علي بن حجر ، وثنا عبدالله بن محمد البغوي ثنا ابو الربيع الزهراني ، قال علي ثنا حفص بن سليمان وقال ابو الربيع ثنا حفص بن ابى داود وقالوا عن ليث عن مجاهد عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني في

حیاتی وصحبتی واللفظ لابن سفیان.

و ذکر ابوبکر البیهقی فی السنن روایت ابن عدی هذه من الطریقین
عن ابی سعد المالینی عن ابن عدی و ذکر ابن عدی ذلك فی ترجمة
حفص بن سلیمان الاسدی الغاضری القاری و ذلك حکم منه بانه حفص
ابن ابی داود المذكور فی الاستاد و قال اغنی ابن عدی ان ابا الریبع
الزهرانی یسمیه حفص بن ابی داود لضعفه و هو حفص بن سلیمان،
و قال البیهقی تفرد به حفص و هو ضعیف و كذلك حکم الحافظ ابن
عساکر و رواه مسمی .

اخبرنا الدمیاطی اذا انبأنا ابن هبة الله الشیرازی انا ابن عساکر انا
الخلال انا ابراهیم بن منصور السلی انا ابوبکر ابن المقرئ انا ابوسعید
المفضل بن محمد بن ابراهیم الجندی ثنا مسلة و هو ابن شیب ثنا
عبدالرزاق ثنا ابو عمر حفص بن سلیمان (ح) قال ابن عساکر و انا
ابوالقاسم ابن السمرقندی انا ابوالقاسم اسماعیل بن مسعدة انا حمزة بن
یوسف السهمی قالوا انا ابو احمد بن عدی انا الحسن بن سفیان ثنا
علی بن حجر (ح) قال ابن عساکر و انا ابوالقاسم الشحامی انا ابوبکر
البیهقی انا علی بن احمد بن عبدان ثنا احمد بن عیید حدثنی محمد بن
اسحاق الصفار ثنا ابن بکار ثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاهد
عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : من حج فزار قبری
بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی .

زاد السهمی ، ، وصحبتی ، ، و رواه البیهقی فی السنن بدون هذه
الزیادة عن عبدالله بن یوسف انا محمد بن نافع الخزاعی ثنا المفضل
الجندی فذكره سنداً و متناً كما ذكره ابن عساکر من طریق ابن المقرئ .
و کتب

وكتب الي عثمان بن محمد التوزري من مكة شرفها الله تعالى انه قرأ
على ابي اليمن ابن عساكر بها قال انا الحسن بن محمد انا علي بن الحسن
انا ابوالقاسم اسماعيل بن محمد انا احمد بن عبدالغفار بن اشته انا ابوسعيد
النقاش انا ابوبكر محمد بن عبدالله بن ابراهيم الجوزجاني ثنا الحسن بن
الطيب البلخي ثنا علي بن حجر ثنا حفص بن سليمان عن ليث عن
بجاهد عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من زار قبري
بعد موتي كان كمن زارني في حياتي .

وقال ابن النجار الحافظ البغدادي في كتاب (الدرة الثمينة في
أخبار المدينة) انبأنا عبدالرحمن بن علي انا ابوالفضل الحافظ عن ابي
علي الفقيه انبأنا ابوالقاسم الازهرى انا القاسم بن الحسن ثنا الحسن بن
الطيب ثنا علي بن حجر ثنا حفص بن سليمان عن ليث عن بجاهد عن
ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من حج فزار قبري بعد
موتي كان كمن زارني في حياتي وصحبي ، قال ابواليمن بن عساكر
رحمه الله بالاسناد المتقدم اليه : وقد روى هذا الحديث الحسن بن الطيب
عن علي بن حجر فزاد فيه زيادة منكورة قال فيه : من حج فزار قبري
بعد موتي كان كمن زارني في حياتي وصحبي ، تفرد بقوله « وصحبي »
الحسن بن الطيب وفيه نظر ، قلت وقد ذكرنا هذه الزيادة من طريق
الحسن بن سفيان فلا تفرد فيها وعبدالرحمن الذي روى عنه ابن النجار
هو ابن الجوزي رحمه الله وقد رأيت بخطه في كتابه (مثير العزم الساكن
الى اشرف الاماكن) بالاسناد المذكور وقد روى هذا الحديث من
وجه آخر عن حفص بن سليمان عن كثير بن شظير عن ليث بن
ابي سليم .

اخبرنا بذلك الحافظ ابو محمد الدمياطي اجازة أنانا ابونصر مكاتبه
انا ابن عساكر سماعا انا الشحامى انا الجزرودى انا ابن حمدان انا
ابو يعلى الموصلى ثنا يحيى بن ايوب ثنا حسان بن ابراهيم ثنا حفص بن
سليمان عن كثير بن شظير عن ليث بن ابي سليم عن مجاهد عن ابن
عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من حج فرارنى بعد وفائى
عند قبرى فكأنما زارنى فى حياتى، وأشار ابن عساكر الى ان الصواب
الاول ، ،

أما كون حفص بن سليمان القارى الغاضرى هو حفص بن ابي
داود فكذلك قال البخارى وابن ابي حاتم وابن عدى وابن حبان
وغیرهم، واما كونه هو الراوى لهذا الحديث فكذلك قاله ابن عدى
وابن عساكر وأشار اليه البيهقى وهو السابق الى الذهن لكن ابن
حبان فى كتاب الثقات ذكر ما يقتضى التوقف فى ذلك فانه قال حفص
ابن سليمان البصرى المنقرى يروى عن الحسن مات سنة ثلاثين ومائة
وليس هذا بحفص بن سليمان البزار ابي عمر القارى، ذاك ضعيف وهذا
ثبت، ثم قال فى الطبقة التى بعد هذه حفص بن ابي داود يروى عن
الهيثم بن حبيب عن عون بن ابي جحيفة روى عنه ابوربيع الزهرانى،
هذا كلام ابن حبان ومقتضاه ان حفص بن ابي داود المذكور فى
الطبقة الاخيرة ثقة وانه غير القارى الضعيف المذكور فى الطبقة التى
قبله على سبيل التمييز بين المنقرى البصرى، ولعل ابا الربيع
الزهرانى روى عنهما جميعا اعنى حفص بن سليمان المنقرى وحفص
ابن ابي داود وان اختلفت طبقتهما .

وقد ذكر ابن حبان حفص بن سليمان المنقرى فى كتاب المحروحين

(۳) وذكر

و ذکر ضعفه و قال انه ابن ابی داود و یعد القول بانه اشتبه علیه و جعلها اثنين احدهما ثقة و الآخر ضعیف علی ان هذا الاستبعاد مقابل بان ابن عدی ذکر فی ترجمة حفص القاری حدیثا من رواية ابی الریبع الزهرانی عن حفص بن ابی داود عن الهیثم بن حبیب عن عون بن ابی جحيفة عن ایه قال مر النبی صلی الله علیه وسلم برجل یصلی قد سدل ثوبه فمطفه علیه .

و یعد ایضا ان یكونا اثنين و یشبه علی ابن عدی فی جعلهما واحدا و الموضع موضع نظر فان صح مقتضى کلام ابن حبان زال الضعف فیہ، و لا ینا فی هذا کونه جاء مسمی فی رواية هذا الحدیث لجواز ان یكون قد وافق حفصا القاری فی اسم ایه و کنته . و ان کان هو القاری کما حکم به ابن عدی و غیره و هو ابن امرأة عاصم فقد اکثر الناس الکلام فیہ و بالغوا فی تضعیفه حتی قیل عن عبد الرحمن بن یوسف بن خراش انه کذاب متروک یضع الحدیث، و عندی ان هذا القول سرف فان هذا الرجل امام قراءة، و کیف یعتقد انه یقدم علی وضع الحدیث و الکذب و یتفق الناس علی الاخذ بقراءته، و انما غایته انه لیس من اهل الحدیث فلذلك وقعت المنکرات و الغلط الكثير فی روايته .

و قد قال عبد الله بن احمد بن حنبل : سأله یعنی اباه عن حنص ابن سلیمان المقری فقال هو صالح و روی عثمان بن احمد الدقاق عن حنبل بن اسحاق قال قال ابو عبد الله و ما کان بحفص بن سلیمان المقری بأس و حسبک بهذين القولین من احمد رحمه الله و هما مقدمان علی من روی عن احمد خلاف ذلك فیہ و لو ثبت ضعفه کما هو المشهور فانه

لم يتفرد بهذا الحديث، وقول السيوطي رحمه الله تعالى انه تفرد به بحسب ما اطلع عليه . وقد جاء في معجم الطبراني الكبير والاوسط متابعته .
 اخبرنا به في المعجم الكبير ابو محمد اسحاق بن يحيى الآمدی بقراءتي عليه بسفح قاسيون في يوم السبت رابع عشر صفر سنة ثمان وسبع مائة قلت له اخبرك الحافظ ابو الحجاج قراءة عليه وانت تسمع انا ابن ابي زيد الكراني انا محمود الصيرفي انا ابن فاذا شاه انا الطبراني رحمه الله ثنا احمد بن رشد بن ثنا علي بن الحسن بن هارون الانصاري ثنا الليث بن بنت الليث بن ابي سليم قال حدثني جدتي عائشة بنت يونس امرأة الليث عن ليث بن ابي سليم عن مجاهد عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من زار قبري بعد موتي كان كمن زارني في حياتي ، واخبرناه أيضا عبد المؤمن وغيره اذا عن ابن ميم (؟) انا الحافظ علي بن الحسن انا ابو الفتح احمد بن محمد بن احمد ابن سعيد الحداد في كتابه انا عبد الرحمن بن محمد بن حفص الحمداني ثنا سليمان بن ايوب وهو الطبراني - قد ذكره .

وقد روى بعضهم هذا الحديث فقال فيه جعفر بن سليمان الضبي كذلك وقع في جزء ابي بكر محمد بن السري ، اخبرنا به عبد المؤمن الحافظ اذا عن يوسف بن خليل الحافظ انا ابو الفتح نصر بن ابي الفرج بن علي الحصري انا ابو محمد محمد بن احمد بن عبد الكريم التميمي انا ابو نصر محمد بن محمد بن علي الزيني (ح) وانا عبد المؤمن أيضا قال انا ابو نصر انا ابن عساكر انا ابو الفرج عبد الخالق بن احمد بن عبد القادر بن محمد بن يوسف انا الزيني (ح) وانا عليا ابو جعفر محمد بن علي بن الحسين بن سالم السلي المردي ابن الموازني مكاتبة و مشافهة

و مشافهة قال انبأنا ابو القاسم الحسين بن هبة الله بن محفوظ بن صفري
انا عبد الخالق بن يوسف و ابو المظفر بن التريكي كلاهما عن الزيني
(ح) و وجدته بخط اسماعيل ابن الانماطى انا محمد بن علوان انا سعيد
ابن محمد ثنا ابو سعد ابن السمعاني املاء بهراة انا المظفر بن احمد و محمد
ابن القاسم قالوا انا الزيني انا ابو بكر محمد بن عمر بن خلف بن زنبور
الكاغذى انا ابو بكر محمد بن السرى بن عثمان التمار ثنا نصر بن شبيب
مولى العبدین ثنا ابی ثنا جعفر بن سليمان الضبعی عن لیث عن مجاهد
عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من
حج بعد وفاتی و زار قبری كان كن زارنی فی حیاتی .
قال ابن عساكر كذا قال جعفر بن سليمان الضبعی و هو و هم
وانما هو خص بن سليمان ابو عمر الاسدى القاضى القارى .

الحديث الخامس

(من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني)

رواه ابن عدى فى الكامل وغيره . أخبرناه إذنا و مشافهة عبد المؤمن
و آخرون عن ابى الحسن ابن المقير البغدادى عن ابى الكرم ابن
الشهرزورى انا اسماعيل بن مسعدة الاسماعلى انا حمزة بن يوسف السهمى
انا ابو احمد بن عدى ثنا على بن اسحاق ثنا محمد بن محمد بن النعمان حدثنى
جدى قال حدثنى مالك عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني .
و ذكر ابن عدى احاديث النعمان ثم قال هذه الاحاديث عن نافع
عن ابن عمر يحدث بها النعمان بن شبل عن مالك و لا اعلم رواه عن
مالك غير النعمان بن شبل و لم ارفى أحاديثه حديثا غريبا قد جاوز الحد

فاذكره وروى في صدر ترجمته عن عمران بن موسى الزجاجي انه ثقة وعن موسى بن هارون انه متهم وهذه التهمة غير مفسرة فالحكم بالتوثيق مقدم عليها، وذكر ابو الحسن الدارقطني رحمه الله هذا الحديث في احاديث مالك بن انس الغرائب التي ليست في الموطا وهو كتاب ضخم. قال ثنا ابو عبدالله الايلي وعبد الباقي قال ثنا محمد بن محمد بن النعمان ابن شبل ثنا جدي ثنا مالك عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني، قال الدارقطني تفرد به هذا الشيخ وهو منكر هذه عبارة الدارقطني، والظاهر ان هذا الانكار منه بحسب تفرد وعدم احتماله بالنسبة الى الاسناد المذكور ولا يلزم من ذلك ان يكون المتن في نفسه منكرا ولا موضوعا وقد ذكره ابن الجوزي في الموضوعات وهو سرف منه ويكنى في الرد عليه ما قاله ابن عدي، وقال ابن الجوزي عن الدارقطني ان الحمل فيه على محمد بن محمد بن النعمان لا على جده وكلام الدارقطني الذي ذكرناه محتمل لذلك ولان يكون المراد تفرد النعمان كما قاله ابن عدي.

واما قول ابن حبان ان النعمان يأتي عن الثقات بالطامات فهو مثل كلام الدارقطني الا انه بالغ في الانكار، وقد روى ابن حبان في كتاب المجروحين عن احمد بن عبيد عن محمد بن محمد، وقول ابن الجوزي في كتاب الضعفاء ان الدارقطني طعن في محمد بن محمد بن النعمان فالذي حكيناه من كلام الدارقطني رحمه الله هو الانكار لا التضعيف فتصل من هذا ابطال الحكم عليه بالوضع لكنه غريب كما قال الدارقطني وهو لاجل كلام ابن عدي صالح لان يعتضد به غيره وهذا الحديث كان ينبغي

ينبغي تقديمه بعد الاول لكونه من طريق نافع ولكننا اخبرناه لاجل ما وقع فيه من الكلام .

ومما يجب ان يتنبه له ان حكم المحدثين بالانكار والاستغراب قد يكون بحسب تلك الطريق فلا يلزم من ذلك رد متن الحديث بخلاف اطلاق الفقيه ان الحديث موضوع فانه حكم على المتن من حيث الجملة فلا جرم قبلنا كلام الدارقطني ورددنا كلام ابن الجوزي والله اعلم .

وحدیث آخر

من رواية ابن عمر رضي الله عنهما ذكره الدارقطني في العلل في مسند ابن عمر في حديث: من استطاع ان يموت بالمدينة فليفعل. قال: ثنا جعفر بن محمد الواسطي ثنا موسى بن هارون ثنا محمد بن الحسن الخثلي ثنا عبدالرحمن بن المبارك ثنا عون بن موسى عن ايوب عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله وسلم من زارني الى المدينة كنت له شفيعا وشهيدا، قيل للختلي انما هو سفيان بن موسى قال اجعلوه عن ابن موسى، قال موسى بن هارون ورواه ابراهيم بن الحجاج عن وهب عن ايوب عن نافع مرسلا عن النبي صلى الله عليه وسلم فلا ادري اسمه من ابراهيم بن الحجاج اولا، وانما لم افرد هذا الحديث بترجمة لان نسخة العلل للدارقطني التي نقلت منها سقيمة .

الحديث السادس

(من زار قبري - او من زارني - كنت له شفيعا - او شهيدا) رواه ابوداود الطيالسي في مسنده وقد سمعت المسند المذكور كله متفرقا على اصحاب ابن خليل .

اخبرنا ابوبكر احمد بن محمد بن ابي القاسم بن بدران بن ابان

الدثنی بقراءتی علیہ بالشام سنة سبع و سبعمائة قال انا الحافظ ابو الحجاج
یوسف بن خلیل بن عبدالله الدمشقی بحلب سنة ثلاث و اربعین و ستمائة
قال انا القاضی ابو المکارم احمد بن محمد بن محمد بن عبدالله بن محمد بن
عبدالرحمن بن محمد بن قیس اللبان قراءة علیہ و انا اسمع غیر مرة باصبهان
فی سنة احدى و تسعین و خمس مائة قیل له اخبرکم ابو علی الحسن بن
احمد بن الحسن الحداد المقرئ قراءة علیہ و انت تسمع فی محرم سنة
اثنی عشرة و خمسمائة فآقرنه قال انا الامام ابونعیم احمد بن عبدالله بن
أحمد بن اسحاق الحافظ قراءة علیہ و انا اسمع انا ابو محمد عبدالله بن جعفر
ابن احمد بن فارس ثنا ابوبشر یونس بن حبيب ثنا ابوداود الطیالسی
ثنا سوار بن میمون ابو الجراح العبدي قال حدثنی رجل من آل عمر عن
عمر رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من
من زار قبری - او قال - من زارنی - كنت له شفیعاً - او شهیداً ، و من
مات فی أحد الحرمین بعث الله عزوجل فی الامنین یوم القيامة .

و ذکر الیهقی هذا الحدیث فی السنن الکبیر من جهة الطیالسی
رجحه الله و ذکره الحافظ ابن عساکر من جهة ، أنبأنا عبد المؤمن
و غیره عن ابن الشیرازی انا ابن عساکر انا ابو علی الحداد اجازة ثم
انا ابن السمرقندی انا یوسف بن الحسن التفکری ؟ قال انا ابونعیم ثنا
ابن فارس (ح) . و به الی ابن عساکر قال و اخبرنا الشحامی انا
ابوبکر الیهقی انا ابن فورك انا ابن فارس - قد ذکره . و سوار بن
میمون روی عنه شعبة لما سئله فی الحدیث السابع و رواية شعبة
عنه دلیل علی ثقته عنده ، فلم یبق فی الاسناد من ینظر فیہ الا الرجل الذی
من آل عمر و الامر فیہ قریب لاسیما فی هذه الطبقة التي هی طبقة
التاسع

التابعين، واما قول البيهقي هذا اسناد مجهول فان كان سيبه جهالة الرجل الذي من آل عمر فصحيح وقد يينا قرب الامر فيه، وان كان سيبه اعدم عليه بحال سوار بن ميمون فقد ذكرنا رواية شعبة عنه وهي كافية .

وقد روى البيهقي ايضا رواية شعبة عنه في غير السنن كما سنذكره في الحديث السابع وذكر البيهقي في موضع آخر انه اختلف قليل سوار بن ميمون و قيل ميمون بن سوار من رواية وكيع عنه .

الحديث السابع

(من زارني متعمدا كان في جوارى يوم القيامة) رواه ابو جعفر العقيلي وغيره من رواية سوار بن ميمون المتقدم على وجه آخر غير ما سبق .

اخبرنا الحافظ ابو محمد اذنا انا ابن الشيرازي في كتابه انا ابن عساكر سمعا انا الشحامي انا البيهقي انا ابو عبد الله الحافظ اخبرني على ابن عمر الحافظ ثنا احمد بن محمد الحافظ حدثني داود بن يحيى (ح) قال ابن عساكر وانا ابو البركات ابن الانماطي انا ابو بكر الشامي انا ابو الحسن انا ابو الحسن العتيق انا ابن الدخيل ثنا ابو جعفر محمد بن عمر والعقيلي ثنا محمد بن موسى قالوا ثنا احمد بن الحسن الترمذي ثنا عبد الملك بن ابراهيم الجدي ثنا شعبة عن سوار بن ميمون عن (۱) . وفي حديث الشحامي ، ثنا هارون بن قزعة عن رجل من آل الخطاب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : من زارني متعمدا كان في جوارى يوم القيامة . زاد الشحامي : ومن سكن المدينة وصبر على بلائها (۱) كذا في الاصل .

كنت له شهيدا و شفيعا يوم القيامة ، قالاه ومن مات في احد الحرمين بعثه الله في الآمنين . . وقال الشحامى : من الآمنين يوم القيامة و هارون بن قزعة ذكره ابن حبان في الثقات و العقيلي لما ذكره في كتابه لم يذكر فيه اكثر من قول البخارى انه لا يتابع عليه فلم يبق فيه الا الرجل المبهم و ارساله و قوله فيه من آل الخطاب ، كذا وقع في هذه الرواية و هو يوافق قوله في رواية الطيالسى من آل عمر و قد أسنده الطيالسى عن عمر كما سبق لكنى اخشى ان يكون الخطاب تصحيفا من حاطب فان البخارى لما ذكره في التاريخ قال هارون ابو قزعة عن رجل من ولد حاطب عن النبي صلى الله عليه وسلم من مات في احد الحرمين . روى عنه ميمون بن سوار . لا يتابع عليه ، وقال ابن حبان ان هارون ابن قزعة يروى عن رجل من ولد حاطب المراسيل ، و على كلا التقديرين فهو مرسل جيد .

و اما قول الازدى ان هارون متروك الحديث لا يحتج به فاعل مستنده فيه ما ذكره البخارى و العقيلي و بالغ في اطلاق هذه العبارة لانها انما تطلق حيث يظهر من حال الرجل ما يستحق به الترك و قد عرفت ان ابن حبان ذكره في الثقات و ابن حبان اعلم من الازدى و اثبت و قد روى عن هارون بن قزعة ايضا مسندا بلفظ آخر و هو (۱) .

الحديث الثامن

(من زارنى بعد موتى فكأ نما زارنى فى حياتى) ، رواه الدرر قطنى وغيره ، اخبرناه الحافظ ابو محمد الدمياطى سمعا عليه فى كتاب السنن للدارقطنى قال انا الحافظ ابو الحجاج يوسف بن خليل انا الويرج انا

(۱) كذا .

(۴) الاخشىد

الاخشيذ انا ابن عبدالرحيم انا الدارقطني ثنا ابو عبيد و القاضي ابو عبد الله
و ابن مخلد قالوا ثنا محمد بن الوليد البصري ثنا وكيع ثنا خالد بن ابي خالد
و ابو عون عن الشعبي و الأسود بن ميمون عن هارون بن قزعة عن رجل
من آل حاطب عن حاطب رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم « من زارنى بعد موتى فكأنما زارنى فى حياتى و من مات باحد
الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة » .

هكذا هو فى سنن الدارقطني و انبأنا به أيضا عبدالمؤمن انبأنا ابن
الشيرازى انا ابن عساكر انا فرائكين التركى انا الجوهرى انا على بن محمد
ابن لؤلؤ انا زكريا الساجى (ح) قال ابن عساكر و انا احمد بن محمد
البغدادى انا ابن شكرويه و محمد بن احمد السمسار قالوا انا ابراهيم بن
عبدالله انا المحاملى قالوا ثنا محمد بن الوليد البصري ثنا وكيع ثنا خالد بن
ابى خالد و ابن عون عن الشعبي و الاسود بن ميمون عن هارون بن
قزعة - به .

و انبأناه عبدالمؤمن أيضا انبأنا ابو نصر انا ابن عساكر انا على
ابن ابراهيم الحسينى انا رشا بن تظيف المقرئ انا الحسن بن اسماعيل
الفراتى ثنا احمد بن مروان المالكى ثنا زكريا بن عبدالرحمن البصرى
ثنا محمد بن الوليد ثنا وكيع بن الجراح عن خالد و ابن عون عن هارون
ابن قزعة مولى حاطب عن حاطب رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم « من زارنى بعد موتى فكأنما زارنى فى حياتى و من مات فى
احد الحرمين بعث يوم القيامة من الآمنين » كذا وقع فى رواية احمد
ابن مروان المالكى و هو صاحب المجالسة عن هارون عن حاطب و الذين
رووا عن رجل عن حاطب كما تقدم اولى بان يكون الصواب مدهم .

الحديث التاسع

(من حج حجة الاسلام وزار قبري وغزا غزوة و صلى على في بيت المقدس لم يسأله الله عزوجل فيما اقترض عليه) رواه الحافظ ابو الفتح الازدي في الثاني من فوائده . اخبرنا به ابو النجم شهاب بن علي المحنّي قراءة عليه وانا اسمع بالقراءة الصغرى في سنة سبع و سبعمائة و ابو الفتح ابن ابراهيم بقراءتي عليه سنة ثلاث و عشرين قالانا ابو محمد عبد الوهاب ابن ظافر بن علي بن فتوح الازدي المعروف بابن رواج قال الاول سماعا وقال الثاني اجازة قال انا الحافظ ابو طاهر بن احمد بن محمد بن احمد ابن ابراهيم بن سلفه السلقى الاصبهاني قراءة عليه وانا اسمع انا ابو طالب عبد القادر بن محمد بن يوسف بغداد ثنا ابو اسحاق بن ابراهيم بن عمر ابن احمد البرمكي انا ابو الفتح محمد بن الحسين بن احمد الازدي الحافظ ثنا النعمان بن هارون بن ابي الدلهات ثنا ابو سهل بدر بن عبد الله المصيصي ثنا الحسن بن عثمان الرمادي ثنا عمار بن محمد حدثني خالي سفيان عن منصور عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما . قال قال رسول الله عليه وسلم : من حج حجة الاسلام وزار قبري وغزا غزوة و صلى على في بيت المقدس لم يسأله الله عزوجل فيما اقترض عليه . عمار بن محمد ابن اخت سفيان الثوري روى له مسلم ، والحسن بن عثمان الرمادي قال الخطيب : كان احد العلماء الافاضل من اهل المعرفة والثقة والامانة ولى قضاء الشرقية في خلافة المتوكل و روى عنه طلبة ابن جعفر وذكره غير الخطيب ايضا وكان صالحا دينافها قد عمل الكتب كانت له معرفة بايام الناس وله تأريخ حسن وكان كريما واسما مفضالا . و ابو سهل بدر بن عبد الله المصيصي ما علمت من حاله

شينا

شيئا، والنعمان بن هارون بن ابي الدلهات حدث يغداد عن جماعة كثيرين وروى عنه محمد بن المظفر وعلي بن عمر السكري .

قال الخطيب: وما علمت من حاله الا خيرا. وصاحب الجزء ابو الفتح محمد بن الحسين بن احمد بن الحسين بن عبد الله بن يزيد بن النعمان الازدي الموصلی من اهل العلم والفضل كان حافظا صنف كتابا في علوم الحديث ذكره الخطيب في التاريخ وابن السمعاني في الانساب ، اثنى عليه محمد بن جعفر بن علان وذكره بالحفظ وحسن المعرفة بالحديث ، وقال ابو النجيب الازدي رأيت اهل الموصل يوهنونه جدا ولا يبعدونه شيئا وسئل البرقاني عنه فأشار الى انه كان ضعيفا وذكر غيره كلاما اشد من هذا .

الحديث العاشر

(من زارني بعد موتي فكأنما زارني وانا حي) رواه ابو الفتح سعيد بن محمد بن اسماعيل البغدادي في جزء له فيه فوائد مشتملة على بعض شمائل سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وآثاره وما ورد في فضل زيارته ودرجة زواره ، وهذا الجزء رواية المحدث اسماعيل بن عبد الله بن عبد المحسن الانصاري المالكي المشهور بابن الانماطي ونقلت من خطه قال انا ابو محمد عبد الله بن علوان بن هبة الله بن ربحان الحوطي التكريتي الصوفي قراءة عليه وانا اسمع بالحرم الشريف على دكة الصوفية بجانب باب بني شية تجاه الكعبة المعظمة زادها الله شرفا .

قال ثنا ابو الفتح سعيد بن محمد بن اسماعيل البغدادي في ربيع الاول سنة اثنتين وخمسين وخمسمائة قال ثنا الامام ابن السمعاني ثنا ابو سعيد احمد بن محمد بن احمد بن الحسن الحافظ املاء في الروضة بين قبر

البي صلى الله عليه وسلم ومنبره في الزورة الثانية انا ابو الحسن احمد بن
عبدالرحمن الذكواني انا احمد بن موسى بن مردويه الحافظ ثنا الحسن
ابن محمد السوسي ثنا احمد بن سهل بن ايوب ثنا خالد بن يزيد ثنا
عبدالله بن عمر العمرى قال سمعت سعد المقبرى يقول سمعت ابا هريرة
رضي الله عنه يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زارني بعد
موتي فكأنما زارني وانا حي، ومن زارني كنت له شهيدا وشفيعا
يوم القيامة .

خالد بن يزيد إن كان هو العمرى فقد قال ابن حبان انه منكر
الحديث و احمد بن سهل بن ايوب أهوازي قال الصريفي مات بالاهواز
يوم التروية سنة احدى وتسعين ومائتين .

الحديث الحادى عشر

(من زارنى بالمدينة محتسبا كنت له شفيعا وشهيدا) وفي
رواية من زارنى محتسبا الى المدينة كان في جوارى يوم القيامة، أنا أنا
الديماطى وابن هارون وغيرهما قالوا أنا أنا محمد بن هبة الله قال أنا على
ابن الحسن الحافظ سمعا أنا زاهر أنا اليهنى أنا ابوسعيد بن ابى عمرو
(ح) قال الحافظ وأنا ابوسعيد ابن البخداوى أنا ابونصر محمد بن احمد
ابن شويه أنا ابوسعيد الصير فى أنا محمد بن عبد الله الصفار ثنا ابن ابى
الدنيا حدثنى سعيد بن عثمان الجرجاني ثنا محمد بن اسماعيل بن ابى فديك
اخبرنى ابو المثنى سليمان بن يزيد العكي - وفي حديث زاهر : العتكى ،
(ح) قال الحافظ وأنا ابن السمرقندى أنا بن مسعدة أنا حمزة ثنا
ابو بكر بن محمد بن احمد بن اسماعيل بجرجان ثنا ابو عوانة موسى بن
يوسف القطان ثنا عباد بن موسى الحنلى ثنا ابن ابى فديك عن سليمان
ابن

ابن یزید الکعبی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من زارنی بالمدينة محتسبا کنت له شفيعا وشهيدا. وفي حديث عبادة: کنت له شهيدا - او شفيعا. وقالوا: يوم القيامة.

وذكره ابن الجوزی فی (شير العزم الساكن) ومن خطه نقلت بسنده الى ابن ابی الدنيا باسنادہ المذكور.

وبالاسناد الى اليهقي انا ابو عبدالله الحافظ ثنا علي بن عيسى ثنا احمد بن عبدوس بن حمدويه الصفار النيسابوري ثنا ايوب بن الحسن ثنا محمد بن اسماعيل بن ابی فديك بالمدينة ثنا سليمان بن يربد الكعبی عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عن انس بن مالك رضي الله عن مات في احد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة - ومن زارني محتسبا الى المدينة كان في جوارى يوم القيامة، هذه الاسانيد الثلاثة دارت على محمد بن اسماعيل بن ابی فديك وهو مجمع عليه وسليمان بن يزيد ذكره ابن حبان في الثقات وقال ابو حاتم الرازي انه منكر الحديث ليس بقوى.

الحديث الثاني عشر

(ما من أحد من امتي له سعة ثم لم يزرنى فليس له عذر) قال الحافظ ابو عبدالله محمد بن محمود ابن النجار في كتاب (الدرة الثمينة في فضائل المدينة) انا ابو محمد بن علي انا ابو يعلى الازدي انا ابو اسحاق البجلي انا سعيد بن ابی سعيد النيسابوري انا ابراهيم بن محمد المؤدب انا ابراهيم بن محمد ثنا محمد بن محمد ثنا محمد بن مقاتل ثنا جعفر ابن هازون ثنا سيمان بن المهدي عن انس رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من زارني ميتا فكأنما زارني حيا ومن

زار قبری وجبت له شفاعتی يوم القيامة۔ و ما من احد من امتی له سعة
ثم لم یزرنی فلیس له عذر۔

الحديث الثالث عشر

(من زارنی حتی ینتهی الی قبری كنت له يوم القيامة شهيدا)
أوقال : شفیعا، ذكره الحافظ ابو جعفر العقيلي في كتاب الضعفاء في
ترجمة فضالة بن سعيد بن زميل المازني قال : ثنا سعيد بن محمد الحضرمي
ثنا فضالة بن سعيد بن زميل المازني ثنا محمد بن يحيى المازني عن ابن
جريج عن عطاء عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله
صلى الله عليه وسلم : من زارني في عماتي كان كمن زارني في حياتي ومن
زارني حتى ينتهي الى قبري كنت له يوم القيامة شهيدا، أوقال : شفیعا،
و ذكره الحافظ ابن عساكر من جهة ايضا، أنا أنا به ابو محمد
الدمياطي عن ابن هبة الله بسامعه منه أنا ابو البركات عبد الوهاب بن
المبارك الانماطي أنا ابو بكر محمد بن المظفر الشامي أنا ابو الحسن احمد
ابن محمد العتيقي أنا يعقوب بن يوسف بن احمد الصيدلاني ثنا ابو جعفر
محمد بن عمرو العقيلي۔ قد ذكره بإسناده الا انه قال : من رآني في المنام كان
كمن رآني في حياتي، والباقي سواء، و وقع في روايته ايضا شعيب بن
محمد الحضرمي و لعله تصحيف، و فضالة بن سعيد قال العقيلي في ترجمته حديثه
غير محفوظ لا يعرف الاب به هكذا رأيته في كتاب العقيلي . و ذكر الحافظ
ابن عساكر عنه انه قال : لا يتابع على حديثه من جهة ثبت و لا يعرف
الابه . و محمد بن يحيى المازني ذكره ابن عدي في الكامل و قال ان
احاديثه مظالة منكورة، و لم يذكر ابن عدي هذا الحديث في احاديثه
و لم يذكر فيه و لا العقيلي في فضالة شيئا من الجرح سوى التفرد و النكارة،

الحديث

الحديث الرابع عشر

(من لم يزِرْ قبري فقد جفاني) قال ابو الحسن يحيى بن الحسن بن جعفر الحسنى (۱) في كتاب (اخبار المدينة) ثنا محمد بن اسماعيل حدثني ابو احمد الهمداني ثنا النعمان بن شبل ثنا محمد بن الفضل ، مديني ، سنة ست وسبعين عن جابر عن محمد بن علي عن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زار قبري بعد موتي فكأنما زارني في حياتي ومن لم يزرنى فقد جفاني . وقال الحافظ ابو عبد الله ابن النجار في (الدرة الثمينة) : روى عن علي رضي الله عنه انه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من لم يزِرْ قبري فقد جفاني . وقال ابو سعيد عبد الملك بن محمد بن ابراهيم النيسابوري الخركوشي الواعظ في كتاب (شرف المصطفى) صلى الله عليه وسلم : روى عن علي بن ابي طالب رضي الله عنه قال : قال نبي الله صلى الله عليه وسلم من زار قبري بعد موتي فكأنما زارني في حياتي ومن لم يزِرْ قبري فقد جفاني .

وهذا الكتاب في ثمان مجلدات ومصنفه عبد الملك النيسابوري صنف في علوم الشريعة كتباً توفي سنة ست واربع مائة بنيسابور وقبره بها مشهور يزار ويتبرك به وشيخه في الفقه ابو الحسن الماسرجسي وقد روى حديث علي رضي الله عنه من طرق اخرى ليس فيها تصريح بالرفع ذكرها ابن عساكر .

أنا عبد المؤمن وآخرون عن ابن الشيرازي أنا ابن عساكر أنا ابو العز احمد بن عبيد الله أنا ابو محمد الجوهري أنا علي بن محمد بن احمد بن نصير بن عرفة ثنا محمد بن ابراهيم الصلحي ثنا منصور بن قدامة الواسطي ثنا المصنف

(۱) يأتي فيما بعد «الحسيني»

ابن ابی الجارود ثنا عبد الملك بن هارون بن عنترة عن ابيه عن جده عن علي بن ابی طالب قال من سأل لرسول الله صلى الله عليه وسلم الدرجة الوسيلة حلت له شفاعتي (١) يوم القيامة ومن زار قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم كان في جوار رسول الله صلى الله عليه وسلم . عبد الملك بن هارون بن عنترة فيه كلام كثير . رماه يحيى بن معين وابن حبان وقال البخاري منكر الحديث وقال احمد : ضعيف .

الحديث الخامس عشر

(من أتى المدينة زائراً) قال يحيى الحسيني (٢) في (اخبار المدينة) في ما جاء في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وفي السلام عليه ، ثنا محمد بن يعقوب ثنا عبدالله بن وهب عن رجل عن بكر بن عبدالله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ، من أتى المدينة زائراً الى وجبت له شفاعتي يوم القيامة ومن مات في احد الحرمين بعث آمناً .

وقد وردت أحاديث اخر في ذلك فيها من لم يمكنه زيارتي فليزر قبر ابراهيم الخليل عليه الصلاة والسلام ، وسأذكر ذلك ان شاء الله تعالى في الكلام على زيارة سائر الانبياء والصالحين .

الباب الثاني

فيما ورد من الاخبار و الأحاديث دال على فضل الزيارة و ان لم يكن فيه لفظ الزيارة .

روينا في سنن ابی داود السجستاني عن ابی هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : ما من احد يسلم على الاراد الله على (١) كذا ولعله « شفاعته » (٢) مرسابقا « الحسنی »

(٥) روحی

روحي حتى أرد عليه السلام .

انا بذلك وجميع سنن ابي داود شيخنا الحافظ ابو محمد الدمياطي
بقراءتي عليه لبعضها وقراءة عليه وانا اسمع لباقيها قال انا بجميعها ابو الحسن
ابن ابي عبدالله بن ابي الحسن البغدادي قراءة عليه وانا اسمع عن ابي
المعالى الفضل بن سهل بن بشر الاسفرائيني عن الخطيب ابي بكر احمد بن
علي بن ثابت الحافظ . قال شيخنا : وانا ايضا : ابو الحسن عن الحافظ ابي
الفضل محمد بن ناصر بن محمد بن علي الفارسي الاصل السلامي قال اخبر
الشيخان ابو عبدالله محمد بن احمد بن عمر بن السمرقندي المقرئ والعدل
الفقيه ابو اسين محمد بن محمد بن الحسين بن محمد الفراء الحنيلي قالوا انا
الخطيب ، وفات ابن السمرقندي الجزء السابع والعشرون فرواه عن الخطيب
بالاجازة . قال ابن ناصر وقرأت هذا الكتاب مرارا على الشيخ
الصالح ابي غالب محمد بن الحسن بن علي البصري الماوردي قالوا انا
ابو علي علي بن احمد بن علي التستري قالوا انا ابو عمر القاسم بن جعفر
ابن عبدالواحد الهاشمي انا ابو علي محمد بن احمد بن عمرو اللؤلؤي ثنا
ابو داود سليمان بن الاشعث بن اسحاق السجستاني قال ثنا محمد بن
عوف ثنا المقرئ ثنا حيوة عن ابي صخر حميد بن زياد عن يزيد بن
عبدالله بن قسيط عن ابي هريرة فذكره بلفظه ، وهذا اسناد صحيح
فان محمد بن عوف شيخ ابي داود جليل حافظ لا يثقل عنه وقد رواه معه
عن المقرئ عباس بن عبدالله الترقني رواه من جهة ابو بكر الليهقي
والمقرئ وحيوة ويزيد بن عبدالله بن قسيط متفق عليهم وحميد بن
زياد روى له مسلم وقال احمد ليس به بأس وكذلك قال ابو حاتم
وقال يحيى بن معين ثقة ليس به بأس وروى عن ابن معين فيه رواية انه

ضعيف ورواية التوثيق ترجح عليها لموافقتهما احمد و ابا حاتم وغيرهما
وقال ابن عدى هو عندى صالح الحديث و انما انكرت عليه حديثين المؤمن
يألف. وفي القدرية، و سائر حديثه ارجو أن يكون مستقيما و اما قول
الشيخ زكى الدين فيه انه انكر عليه شئ من حديثه فقد ينا عن ابن
عدى تعيين ما انكر عليه وليس منه هذا الحديث و بمقتضى هذا يكون
هذا الحديث صحيحا ان شاء الله تعالى، وقد اعتمد جماعة من الائمة
على هذا الحديث فى مسألة الزيارة و صدر به ابو بكر الیهقى باب زيارة قبر
النبي صلى الله عليه وسلم و هو اعتماد صحيح و استدلال مستقيم لان
الزائر المسلم على النبي صلى الله عليه وسلم يحصل له فضيلة رد النبي
صلى الله عليه وسلم السلام عليه و هى رتبة شريفة و منقبة عظيمة ينبغى
التعرض لها و الحرص عليها لينال بركة سلامه صلى الله عليه وسلم، فان
قيل ليس فى الحديث تخصيص بالزائر فقد يكون هذا حاصل لكل
مسلم قريبا كان او بعيدا و حيثئذ تحصل هذه الفضيلة بالسلام من غير
زيارة و الحديث عام، قلت قد ذكره ابن قدامة من رواية احمد
و لفظه ما من احد يسلم على عند قبرى و هذه زيادة مقتضاها التخصيص
فان ثبت فذاك و ان لم يثبت فلا شك ان القريب من القبر يحصل له
ذلك لانه فى منزلة المسلم بالتحية التى يستدعى الرد كما فى حال الحياة فهو
بحضوره عند القبر قاطع بنيل هذه الدرجة على مقتضى الحديث متعرض
لخطاب النبي صلى الله عليه وسلم له برد السلام عليه و فى المواجهة
بالخطاب فضيلة زائدة على الرد على الغائب .

و اعلم ان السلام على النبي صلى الله عليه وسلم على نوعين ،
أحدهما المقصود به الدعاء كقولنا صلى الله عليه وسلم فهذا دعاء مناله

بالصلاة

بالصلاة والتسليم من الله تعالى، ويقال للعبد مسلم لدعائه بالسلام كما يقال له مصل اذا دعا بالصلاة قال الله تعالى (ان الله وملائكته يصلون على النبي يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما) و سئل صلى الله عليه وسلم كاثبت في الصحيحين وغيرهما قيل قد عرفنا السلام عليك فكيف الصلاة عليك قال (قولوا اللهم صلى على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل ابراهيم في العالمين انك حميد مجيد) والسلام كما قد علمتم .

قال العلماء معناه كما قد علمتم في التشهد السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، وقد يأتي هذا القسم بلفظ الغيبة كما روى عن فاطمة بنت النبي صلى الله عليه وسلم ورضي عنها قالت قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخلت المسجد فقولي بسم الله والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم صل على محمد وعلى آل محمد واغفر لنا وسهل لنا ابواب رحمتك، فاذا فرغت فقولي مثل ذلك غير أن قولي وسهل لنا ابواب فضلك، رواه القاضي اسماعيل بهذا اللفظ ورواه ابن ماجه في سننه عن فاطمة رضي الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل المسجد يقول بسم الله والسلام على رسول الله اللهم اغفر لي ذنوبي واقطع لي ابواب رحمتك، واذا خرج قال بسم الله والسلام على رسول الله اللهم اغفر لي ذنوبي واقطع لي ابواب فضلك.

والاسناد الى فاطمة رضي الله عنها من الطريقين فيه انقطاع والمختار أن يقول في ذلك ايضا السلام عليك ايها النبي كما في التشهد والمقصود من هذه الاحاديث بيان هذا النوع من السلام على النبي صلى الله عليه وسلم بلفظ الخطاب والغيبة جميعا ولا فرق في ذلك بين

الغائب عنه والحاضر عنده صلى الله عليه وسلم وهذا النوع هو الذي قيل باختصاصه بالنبي صلى الله عليه وسلم عن الامة حتى لا يسلم على غيره من الامة الاتبع له كما لا يصل على غيره من الامة الاتبع له .

النوع الثاني ما يقصد به التحية كسلام الزائر اذا وصل الى حضرته الشريفة عليه صلى الله عليه وسلم في حياته وبعد وفاته وهذا غير محص بل هو عام لجميع المسلمين ولهذا كان عبدالله بن عمر رضي الله عنهما يأتي الى القبر ويقول السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا ابا بكر السلام عليك يا ابتاه وورد عنه بلفظ الخطاب و بلفظ الغيبة ، اذا عرف هذان النوعان فالنوع الثاني لاشك في استدعائه الرد وان النبي صلى الله عليه وسلم يرد على المسلم عليه كما اقتضاه الحديث سواء أ وصل بنفسه الى القبر أم ارسل رسولا كما كان عمر بن عبدالعزيز سل البريد من الشام الى المدينة ليسلم على النبي صلى الله عليه وسلم ، ففي هذين القسمين من هذا النوع يحصل الرد من النبي صلى الله عليه وسلم كما هو عادة الناس في السلام .

واما النوع الاول فانه أعلم فان ثبت الرد فيه ايضا وجذا تشمنا بركة ذلك كلما سلمنا فلاشك ان الحاضر عند القبر له منزلة القرب والخطاب وان كان الرد مختصا بالنوع الثاني حرم من لم يزد هذه الفضيلة لاحرم الله مؤمنا خيرا ، وقد روى عنه صلى الله عليه وسلم انه قال أتاني ملك فقال يا محمد ربك يقول « أما يرضيك ان لا يصل عليك احد من امتك الاصليت عليه عشرا ولا يسلم عليك الاصليت عليه عشرا ، روا القاصي العمري والظاهر ان هذا في السلام بالنوع الاول .

فصل

فصل

في علم النبي صلى الله عليه وسلم بمن يسلم عليه

روى عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : ان الله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني من امي السلام . رواه النسائي و اسماعيل القاضي و غيرهما من طرق مختلفة باسناد صحيحة لا ريب فيها الى سفيان الثوري عن عبد الله بن السائب عن زاذان عن عبد الله و صرح الثوري بالسماع فقال حدثني عبد الله بن السائب هكذا في كتاب القاضي اسماعيل . و عبد الله بن السائب و زاذان روى لهما مسلم و وثقهما ابن معين فالاسناد اذا صحيح .

ورواه ابو جعفر محمد بن الحسن الاسدي عن سفيان الثوري عن عبد الله بن السائب عن زاذان عن علي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : ان الله ملائكة يسيحون في الارض يبلغون صلاة من صلى على من امي .

قال الدارقطني المحفوظ عن زاذان عن ابن مسعود يبلغوني عن امي السلام .

و قال بكر بن عبد الله المزني قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حياتي خير لكم تحدثون و يحدث لكم فاذا امت كانت و فاني خيرا لكم تعرض علي اعمالكم فان رأيت خيرا حمدت الله و ان رأيت غير ذلك استغفرت الله لكم .

قال ايوب السخيتاني بلغني و الله أعلم ان ملكا موكل بكل من صلى على النبي صلى الله عليه وسلم حتى يبلغه النبي صلى الله عليه وسلم . و في كتاب فضل الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم للقاضي

اسماعيل عن النبي صلى الله عليه وسلم « لا تجعلوا بيوتكم قبورا و صلوا على و صلوا حيث كنتم فسيبلغني سلامكم و صلاتكم » وهذا الحديث في سنن ابى داود من غير ذكر السلام و في هذه الرواية زيادة السلام .

و روى ابن عساكر من طرق مختلفة عن نعيم بن ضمضم العامري [عن عمران] بن حمير الجعفي قال سمعت عمار بن ياسر رضى الله عنهما يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ان الله اعطاني ملكا من الملائكة يقوم على قبرى اذا مات فلا يصلى على عبد صلاة الا قال يا احمـد فلان بن فلان بن فلان يصلى عليك ، يسميه باسمه و اسم ابيه فيصلى الله عليه مكانها عشرا . و في رواية ان الله اعطى ملكا من الملائكة اسماء الخلائق و في رواية اسماع الخلائق فهو قائم على قبرى الى يوم القيامة و ذكر الحديث .

و عن ابن عباس رضى الله عنهما قال ليس احد من امة محمد صلى الله عليه وسلم يصلى عليه صلاة الا وهى تبلغه يقول له الملك فلان يصلى عليك كذا و كذا صلاة .

و ما تضمنته هذه الاحاديث والآثار من تبلغ الملائكة للنبي صلى الله عليه وسلم تبين ما ورد من كون الصلاة عليه صلى الله عليه وسلم تعرض عليه كما جاء ذلك فى احاديث ، منها فى سنن ابى داود و النسائى و ابن ماجه عن اوس بن اوس رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فأكثرُوا على من الصلاة فيه فان صلاتكم معروضة على ، قال فقالوا يا رسول الله وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد ارميت ؟ قال يقولون بليت ، قال ان الله حرم على الارض أحساد الانبياء .

قال

قال الشيخ الحافظ زكي الدين المنذرى رحمه الله وله علة دقيقة اشار اليها البخارى وغيره وقد جمعت طرقه فى جزء الحديث المذكور من رواية حسين الجعفى عن عبدالرحمن بن يزيد بن جابر عن ابى الاشعث الصنعانى عن اوس بن اوس وهؤلاء ثقات مشهورون وعلة ان حسين بن على الجعفى لم يسمع من عبدالرحمن بن يزيد بن جابر واما سمع من عبدالرحمن بن يزيد بن تميم وهو ضعيف فلما حدث به الجعفى غلط فى اسم الجد فقال ابن جابر .

قلت وقد رواه احمد فى مسنده عن حسين الجعفى عن عبدالرحمن ابن يزيد بن جابر هكذا بالنعنة وروى حديثين آخرين بعد ذلك قال فيها حسين ثنا عبدالرحمن بن يزيد بن جابر وذلك لائنا فى الغلط ان صح انه لم يسمع منه ، وروى ابن ماجه الحديث المذكور من طريق آخر ذكره فى آخر كتاب الجنائز وفى متنه زيادة :

انا اقضى القضاة ابوبكر محمد بن عبدعظيم بن على الشافعى المعروف بابن السقطى بقراءته عليه بجميع سنن ابن ماجه قال انا ابوبكر عبدالعزيز ابن احمد بن ابى الفتح بن ياقا اجازة قال انا ابوزرعة طاهر بن محمد طاهر المقدسى سمعا الامام عيسى فى الكتاب باجازته من ابى زرعة وهذا الحديث من المسموع ، قال انا ابومنصور محمد بن الحسين ابن احمد بن الهيثم المقومى اجازة ان لم يكن سمعا - ثم ظهر سماعه منه - انا ابو طلحة القاسم بن ابى المنذر الخطيب انا ابو القاسم على بن ابراهيم بن سلة بن بحر القطان ثنا ابو عبد الله محمد بن يزيد بن ماجه ثنا عمرو بن سوار المقرئ ثنا عبد الله بن وهب عن عمرو بن الحارث (١)

(١) فى الاصل « عمرو بن ابى الحرب » .

عن سعيد بن ابى هلال عن زيد بن ايمن عن عبادة بن نسي عن ابى الدرداء رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اكثروا الصلاة على يوم الجمعة فانه مشهود تشهده الملائكة وان احدا لن يصلى على الاعرضت على صلاته حتى يفرغ منها قال قلت : بعد الموت ؟ قال وبعد الموت ، ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء عليهم السلام فنبى الله حتى يرزق .

هذا لفظ ابن ماجه وفيه زيادة قوله حين يفرغ منها وفي الاصل (حتى) التى هى حرف غاية وعليه تضييب وفي الحاشية (حين) التى هى ظرف زمان فان كانت هى الثانية استفيد منها ان وقت عرضها على النبى صلى الله عليه وسلم والسلام حين الفراغ من غير تأخير وان كان الثابت (حتى) كما فى الاصل دل على عدم التأخير ايضا وفيه زيادة ايضا وهى قوله (وبعد الموت) بحرف العطف وذلك يقتضى ان عرضها عليه صلى الله عليه وسلم فى حالتى الحياة والموت جميعا . وفي اسناد الحديث المذكور زيد بن ايمن عن عبادة بن نسي مرسل الا انه يتقوى باعتضاده بغيره . وقد روينا من جهة القاضى اسماعيل عن الحسن عن النبى صلى الله عليه وسلم مرسلًا قال اكثروا على الصلاة يوم الجمعة فانها تعرض على . وروى الامام ابو بكر احمد بن محمد بن اسحاق بن النى فى كتاب عمل يوم وليلة عن انس بن مالك رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثروا الصلاة على يوم الجمعة .

وأنا عبدالمؤمن وآخرون ابانا ابن الشيرازى انا ابن عساكر انا ابو الحسين انا جدى ابو بكر الیهقى انا على بن احمد الكاتب ثنا احمد ابن عبيد ثنا الحسين بن سعيد ثنا ابراهيم بن الحجاج ثنا حماد بن سلة

عن (٦)

عن برد بن سنان عن مكحول الشامي عن ابي امامة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : أكثرُوا على من الصلاة في كل يوم جمعة فان صلاة امتي تعرض على في كل يوم جمعة فمن كان اكثرهم على صلاة كان اقربهم منى منزلة .

وهذا اسناد جيد، وعن حصين بن عبدالرحمن عن يزيد الرقاشي قال ان ملكا موكل يوم الجمعة بمن صلى على النبي صلى الله عليه وسلم يبلغ النبي صلى الله عليه وسلم يقول ان فلانا من امتك صلى عليك . وعن ابي طلحة رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اتاني جبرئيل صلى الله عليه وسلم قال بشر امتك ، من صلى عليك صلاة كتب الله له بها عشر حسنات وكفر عنه بها عشر سيئات ورفع له بها عشر درجات ورد الله عليه مثل قوله وعرضت على يوم القيامة ، رواه ابن عساکر . ولا تنافي بين هذه الاحاديث فقد يكون العرض عليه مرات وقت الصلاة ويوم الجمعة ويوم القيامة . وحديث ابي هريرة وحديث ابن مسعود مصرحان بانه يبلغه سلام كل من سلم عليه وهما صحيحان ان شاء الله ، وحديث اوس بن اوس وما في معناه يدل على ان الموت غير مانع من ذلك وكان مقصودنا بجمع هذه الاحاديث بيان العرض على النبي صلى الله عليه وسلم وان مراده التبليغ من الملائكة له صلى الله عليه وسلم كما تضمنه حديث ابي هريرة وحديث ابن مسعود وهذا في حق الغائب بلا اشكال واما في حق الحاضر عند القرع هل يكون كذلك او يسمعه صلى الله عليه وسلم بغير واسطة ورد في ذلك حديثان . احدهما : من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى على ثانيا

بلغته ، وفي رواية ناثيا منه ابلغت ؟ وفي رواية ناثيا من قبري ، وفي رواية عن قبري .

والحديث الثاني : ما من عبد يسلم على عند قبري الا وكل بهاملك ليلغني وكفي امر آخرته ودنياه وكنت له شهيدا وشفيعا يوم القيامة . وفي رواية ، من صلى على عند قبري وكل الله بهاملكا ليلغني وكفي امر دنياه وآخرته وكنت له شهيدا وشفيعا يوم القيامة . وفي رواية : ما من عبد صلى على عند قبري الا وكل الله به ، وفيها شفيعا وشهيدا . وهذان الحديثان من رواية محمد بن مروان السدي الصغير وهو ضعيف ، عن الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم ، اما الحديث الاول الذي فيه من صلى على عند قبري سمعته ، فرواه احمد بن علي الخبراني ويوسف بن الضحاك الفقيه ومحمد بن عثمان ابن ابي شيبة واحمد بن ابراهيم بن ملحان وعيسى بن عبد الله الطيالسي وليث بن نصر الصاغانى والحسين بن عمر بن ابراهيم الثقفي كلهم عن العلاء بن عمرو الحنفي عن محمد بن مروان السدي بالسند المذكور ، وفي رواية عيسى الطيالسي ثنا العلاء بن عمرو الحنفي ثنا ابو عبد الرحمن عن الاعمش قال ابن عساكر قال لنا ابو الحسن سبط البيهقي قال لنا جدي ابوبكر : ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان السدي فيما ارى ، وفيه نظر ، القائل وفيه نظر هو البيهقي ، كذا رأيت في جزء حياة الانبياء من تصنيفه . واما الحديث الثاني فرواه محمد بن عبدالله بن ابراهيم الشافعي وابو الحسين احمد بن عثمان الآدمي وابو عبدالله الصغار ومحمد بن عمر ابن حفص النيسابوري كلهم عن محمد بن يونس بن موسى الكديمي ، وفي بعض هذا عن محمد بن موسى نسبة الى جده عن الاصمعي عبد الملك

ابن قریب عن محمد بن مروان السدی عن الاعمش بالسند الاول وهذا الحديث اضعف من الاول لانه انضم فيه ضعف الكدیمی الى ضعف السدی و الاول ليس فيه الاضعف السدی خاصة فان ثبت ذلك فكفى بها شرفا وان لم يثبت فهو مرجو فينبغي الحرص عليه والتعرض لاسماعه صلى الله عليه وسلم وذلك بالحضور عند قبره والقرب منه .

وسنذكر من الاحاديث والآثار والأدلة ما يدل على انه صلى الله عليه وسلم يسمع من يسلم عليه عند قبره ويرد عليه عالما بحضوره عنده وكفى هذا فضلا حقيقا ان يتفق فيه ملك الدنيا حتى يتوصل اليه من اقطار الارض ، وسنورد بابا بالحياة والانبياء عليهم السلام بعد تمام المقصود من اقامة الدلائل على الزيارة وبإثبات الحياة تأكد الزيارة ولكن رأيت ذكره بعد ثلثا يجادل فيه جدل متطرق به الى المجادلة في الزيارة .

عن سليمان بن بحيم قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم في النوم قلت يا رسول الله هؤلاء الذين يأتونك ويسلمون عليك أتسلم سلامهم؟ قال نعم وارد عليهم .

وعن ابراهيم بن بشار قال حججت في بعض السنين فحجت المدينة فتقدمت الى قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فسلمت عليه فسمعت من داخل الحجرة وعليك السلام . فان قيل ما معنى قوله صلى الله عليه وسلم الاراد الله على روحى؟ قلت فيه جوابان احدهما ذكره الحافظ ابوبكر البيهقي ان المعنى الاوقد رد الله على روحى يعنى ان النبي صلى الله عليه وسلم بعد ما مات ودفن رد الله عليه روحه لأجل سلام من يسلم عليه واستمرت في جسده صلى الله عليه وسلم . والثاني يحتمل ان يكون ردا معنويا وان يكون روحه الشريفة مشغولة بشهود الحضرة الالهية

والملا الأعلى من هذا العالم فإذا سلم عليه أقبلت روحه الشريفة على هذا العالم فيدرك سلام من يسلم عليه ويرد عليه .

الباب الثالث

فيما ورد في السفر إلى زيارته صلى الله عليه وسلم صريحاً وبيان أن ذلك لم يزل قديماً وحديثاً .

ومن روى ذلك عنه من الصحابة بلال بن رباح مؤذن رسول الله صلى الله عليه وسلم سافر من الشام إلى المدينة لزيارة قبره صلى الله عليه وسلم رويناه ذلك بإسناد جيد إليه وهو نص في الباب ومن ذكره الحافظ أبو القاسم ابن عساكر رحمه الله بالإسناد الذي سنذكره وذكره الحافظ أبو محمد عبد القوي المقدسي رحمه الله في الكمال في ترجمة بلال فقال ولم يؤذن لأحد بعد النبي صلى الله عليه وسلم فيما روى الأميرة واحدة في قبة قدمها المدينة لزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم طلب إليه الصحابة ذلك فأذن ولم يتم الأذان وقيل أنه أذن لأبي بكر الصديق رضي الله عنه في خلافته. ومن ذكر ذلك أيضاً الحافظ أبو الحجاج المزي أبقاه الله وها أنا أذكر إسناد ابن عساكر في ذلك .

أنا عبد المؤمن بن خلف وعلي بن محمد بن هارون وغيرهما قالوا أنا القاضي أبو نصر بن هبة الله بن محمد بن عميل الشيرازي أذا أنا الحافظ أبو القاسم علي بن الحسين بن هبة الله بن عساكر الدمشقي قراءة عليه وأنا اسمع قال أنا أبو القاسم زاهر بن طاهر قال أنا أبو سعيد محمد بن عبد الرحمن قال أنا أبو أحمد محمد بن محمد أنا أبو الحسن محمد بن الفيض الغساني بدمشق ، قال ثنا أبو اسحاق إبراهيم بن محمد بن سليمان بن بلال بن أبي الدرداء حدثني أبي محمد بن سليمان عن أبيه سليمان بن بلال عن

ام الدرداء عن ابي الدرداء قال لما دخل (۱) عمر بن الخطاب رضي الله عنه من فتح بيت المقدس فصار الى الجالية سأل بلال ان يقره بالشام ففعل ذلك قال وأخي ابو رويحة الذي أخى بيني وبينه رسول الله صلى الله عليه وسلم فزل داريا في خولان فأقبل هو وأخوه الى قوم من خولان فقال لهم قد أتيناكم خاطبين وقد كنا كافرين فهدانا الله وعلو كين فاعتقنا الله و فقيرين فاعانانا الله فان تزوجونا فالحمد لله وان تردونا فلاحول ولا قوة الا بالله. فزوجوهما .

ثم ان بلالا رأى في منامه رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقول له ما هذه الجفوة يا بلال أما أن لك ان تزورني يا بلال فاتبته حزينا وجلا خاتما فركب راحته وقصد المدينة فأتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم فجعل يبكي عنده ويمرغ وجهه عليه فأقبل الحسن والحسين رضي الله عنهما فجعل يضمهما ويقبلهما فقالا له نشتهى نسمع اذانك الذي كنت تؤذن به لرسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد ففعل فعلا سطح المسجد فوق موقفه الذي كان يقف فيه فلما ان قال الله اكبر الله اكبر ارتجت المدينة فلما ان قال أشهد أن لا اله الا الله ازداد رجتها فلما ان قال أشهد أن محمدا رسول الله خرجت العواتق من خدورهن وقالوا أبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟ فاروئي يوم اكبر يا كيا ولا باكية بالمدينة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذلك اليوم .

كذا ذكره ابن عساكر في ترجمة بلال رضي الله عنه وذكره ايضا في ترجمة ابراهيم بسند آخر الى محمد بن الفيز أنبا جماعة عن ابن عساكر قال أنبا ابو محمد ابن الاكفاني ثنا عبد العزيز بن احمد ثنا تمام

(۱) لعله رحل .

ابن محمد ثنا محمد بن سليمان ثنا محمد بن الفيض فذكره سواء الا انه سقط منه من فتح بيت المقدس وقال اخي ربه ويني ولم يقل خاطين .

ابو رويحة اسمه عبدالله بن عبدالرحمن الحثمي وفي الطبقات ان مؤاخاته لبلال لم يشتها محمد بن عمر واثبتها ابن اسحاق وغيره و اخبار انس ان يجعل ديوانه معه فضمه عمر اليه وضم ديوان الحبشة الى خشم لمكان بلال منهم . وسليمان بن بلال بن ابي الدرداء روى عن جدته و ابيه بلال روى عنه ابته محمد و ايوب بن مدرك الحنفى ذكر له ابن عساكر حديثا ولم يذكر فيه تجريحا . وابته محمد بن سليمان بن بلال ذكره مسلم فى الكنى و ابو بشر الدولابى و الحاكم ابو احمد وابن عساكر كنيته ابو سليمان قال ابن ابي حاتم سألت ابي عنه فقال : ما بحديثه بأس . وابته ابراهيم ابن محمد بن سليمان ابو اسحاق ذكره الحاكم ابو احمد وقال كناه لنا محمد ابن الفيض وذكره ابن عساكر وذكر حديثه . ثم قال قال ابن الفيض توفى سنة اثنتين وثلاثين ومأتين ومحمد بن الفيض بن محمد ابن الفيض ابو الحسن الفسافى الدمشقى روى عن خلائق و روى عنه جماعة منهم ابو احمد بن عدى و ابو احمد الحاكم و ابو بكر ابن المقرئ فى معجمه وذكره ابن زبر وابن عساكر فى التاريخ توفى سنة خمس عشرة وثلاث مائة ومولده سنة تسع عشرة ومأتين ومدار هذا الاسناد عليه فلاحاجة الى النظر فى الاسناد بن الذين رواه ابن عساكر بهما وان كان رجالهما معروفين مشهورين وليس اعتمادنا فى الاستدلال بهذا الخبر على رؤيا المنام فقط بل على فضل بلال وهو صحابى لاسيما فى خلافة عمر رضى الله عنه و الصحابة متوافرون ، ولا يخفى عنهم هذه القصة و منام بلال و رؤياه للنبي صلى الله عليه وسلم الذى لا يمثل

لا يتمثل به الشيطان وليس فيه ما يخالف ما ثبت في اليقظة فتأكد به فعل الصحابي وقد استفاض عن عمر بن عبدالعزيز رضي الله عنه انه كان يبرد البريد من الشام يقول سلم لي على رسول الله صلى الله عليه وسلم .
وعن ذكر ذلك ابن الجوزي ونقله من خطه في كتاب (مثير العزم الساكن) وقد ضبطه باسكان الباء الموحدة وكسر الراء المخففة وهو كذلك يقال ابرد فهو مبرد وذكره ايضا الامام ابوبكر احمد بن عمرو بن ابي عاصم النبيل ووفاته سنة سبع وثمانين ومائتين في مناسك له لطيفة جردها من الاسانيد ملتزما فيها الثبوت ، قال فيها وكان عمر بن عبدالعزيز يبعث بالرسول قاصدا من الشام الى المدينة ليقري النبي صلى الله عليه وسلم السلام ثم يرجع وهذه المناسك رواية شيخنا الدمياطي .

انا ابن خليل انا الطرطوشي والكراني انا الصيرفي ثنا ابوبكر محمد بن عبدالله بن شاذان ثنا القباب ثنا ابن ابي عاصم ، فسر بلال في زمن صدر الصحابة ورسول عمر بن عبدالعزيز في زمن صدر التابعين من الشام الى المدينة لم يكن الا للزيارة والسلام على النبي صلى الله عليه وسلم ولم يكن الباعث على السفر غير ذلك لامن امر الدنيا ولامن امر الدين لامن قصد المسجد ولامن غيره ، وانما قلنا ذلك لثلا يقول بعض من لاعلم له ان السفر لمجرد الزيارة ليس بسنة وستكلم على بطلان ذلك في موضعه .

واما من سافر الى المدينة لحاجة وزار عند قدومه أو اجتمع في سفره قصد الزيارة مع قصد آخر فكثير ، وقد ورد عن يزيد بن ابي سعيد مولى المهري قال قدمت على عمر بن عبدالعزيز فلما ودعته قال لي اليك حاجة اذا اتيت المدينة ستري قبر النبي صلى الله

عليه وسلم فأقرته مني السلام ، وورد هذا عن غير عمر بن عبد العزيز
ايضا قال ابوالليث السمرقندي الحنفى فى الفتاوى فى باب الحج قال
ابوالقاسم لما اردت الخروج الى مكة قال القاسم بن غسان ان لى اليك
حاجة اذا اتيت قبر النبي صلى الله عليه وسلم فأقرته مني السلام ، فلما
وضعت رجلى فى مسجد المدينة ذكرت .

قال الفقيه فيه دليل ان من لم يقدر على الخروج فأمر غيره ليسلم
عنه فانه ينال فضيلة السلام ان شاء الله تعالى انتهى ، وفى فتوح الشام انه
لما كان ابوعبيدة منازل بيت المقدس ارسل كتابا الى عمر مع ميسرة
ابن مسروق رضى الله عنه يستدعيه الحضور فلما قدم ميسرة مدينة
رسول الله صلى الله عليه وسلم دخلها ليلا ودخل المسجد وسلم على قبر
رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلى قبر ابى بكر رضى الله عنه . وفيه
ايضا ان عمر لما صالح اهل بيت المقدس وقدم عليه كعب الاحبار
واسلم وفرح عمر باسلامه ، قال عمر رضى الله عنه له هل لك ان تسير معى
الى المدينة وتزور قبر النبي صلى الله عليه وسلم وتمتع بزيارته ، فقال
لعمر يا امير المؤمنين انا افضل ذلك ولما قدم عمر المدينة اول ما بدأ
بالمسجد وسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وقد ذكر المؤرخون
والمحدثون منهم ابو عمر بن عبد البر فى الاستيعاب واحمد بن يحيى البلاذرى
فى تاريخ الاشراف وابن عبد ربه فى العقد - ان زياد بن ايه اراد الحج
فاتاه ابوبكرة رضى الله عنه وهو لا يكله فأخذ ابنه فأجلسه فى حجره
ليخاطبه ويسمع زيادا فقال ان اباك فعل وفعل وانه يريد الحج وام
حياة زوج رسول الله صلى الله عليه وسلم هناك فان اذنت له فأعظم
بها مصيبة وخيانة لرسول الله صلى الله عليه وسلم وان هى حجتبه
(۷) فأعظم

فأعظم بها حجة عليه . فقال زياد ما تدع النصيحة لأخيك ، وترك الحج تلك السنة . هكذا حكاه البلاذري . وحكى ابن عبد البر ثلاثة اقوال احدها انه حج ولم يزر من اجل قول ابى بكرة ، والثانى انه دخل المدينة و اراد الدخول على ام حبيبة رضى الله عنها فذكر قول ابى بكرة فانصرف عن ذلك ، والثالث ان ام حبيبة حجته ولم تأذن له .

والقصة على كل تقدير تشهد لان زيارة الحاج كانت معهودة من ذلك الوقت والافكان زياد يمكنه ان يحج من غير طريق المدينة بل هي اقرب اليه لانه كان بالعراق والاتيان من العراق الى مكة اقرب ولكن كان اتيان المدينة عندهم امرا لا يترك .

واختلف السلف رحمهم الله في ان الافضل البداءة بالمدينة قبل مكة او بمكة قبل المدينة وعن نص على هذه المسئلة وذكر الخلاف فيها الامام احمد رحمه الله في كتاب المناسك الكبير من تليفه وهذه المناسك رواها الحافظ ابو الفضل محمد بن ناصر عن الحاجب ابى الحسن على بن محمد الملاف عن ابى الحسن على بن احمد بن عمر الحمادى عن اسماعيل بن على الخطيب عن عبدالله بن احمد عن ابيه . في هذه المناسك سئل عن يدا بالمدينة قبل مكة فذكر باسناده عن عبدالرحمن بن يزيد وعطاء ومجاهد قالوا اذا قضيت حجتك فامرر بالمدينة ان شئت . وذكر باسناده عن الاسود قال احب ان يكون نفقى وجهازى وسفرى ان ابدأ بمكة . وعن ابراهيم النخعي : اذا اردت مكة فاجعل كل شىء لها تبعا . وعن مجاهد : اذا اردت الحج او العمرة فابدأ بمكة واجعل كل شىء لها تبعا . وعن ابراهيم قال اذا حججت فابدأ بمكة ثم مر بالمدينة بعد . وذكر الامام احمد ايضا باسناده عن عدى بن ثابت ان نفرا من

اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا يبدؤن بالمدينة اذا حجوا يقولون نهل من حيث أحرم رسول الله صلى الله عليه وسلم. وذكر ابن أبي شيبة في فضيلة هذا الامر ايضا وذكر باسناده عن علقمة والاسود وعمرو بن ميمون انهم بدؤوا بالمدينة قبل مكة. وقال الموفق بن قدامة قال -يعنى احمد-: و اذا حج الذى لم يحج قط يعنى من غير طريق الشام لا يأخذ على طريق المدينة لاني اخاف ان يحدث به حدث فينبغى ان يقصد مكة من اقصى الطرق ولا يتشاغل بغيره. قلت وهذا في العمرة متجه لانه يمكنه فعلها متى وصل الى مكة واما الحج فله وقت مخصوص فاذا كان الوقت متسعا لم يفت عليه بمروره بالمدينة شيء. ومن نص على هذه المسئلة من الائمة ابو حنيفة رحمه الله وقال الاحسن ان يبدأ بمكة روى ذلك الحسن بن زياد عنه فيما حكاه ابو الليث السمرقندي. فانظر كلام السلف والخلف في اتيان المدينة اما قبل مكة واما بعدها ومن أعظم ما توتى له المدينة الزيارة ألا ترى ان بيت المقدس لا يأتيه إلا القليل من الناس؟ وان كان مشهودا له بالفضل والصلوة فيه مضاعفة فتوفر اللهم خلفا عن سلف على اتيان المدينة انما هو لأجل الزيارة وان اتفق معها قصد عبادات اخر فهو مغفور بالنسبة اليها.

واما ما نقل من تعليل بعض الصحابة بالاهلال من ميقات النبي صلى الله عليه وسلم فذلك امر مقصود وليس هو كل المقصود ولعلمهم رضى الله عنهم رأوا انه ميقاتهم الاصلى لما كانوا بالمدينة مع نبيهم صلى الله عليه وسلم فأحبوا ان لا يغيروا ذلك والا فالنبي صلى الله عليه وسلم وقت لاهل كل بلد ميقاتا ولعل الاحرام منه أولى الا ان يعارضه معارض والتابعون الكوفيون الذين اختاروا

البداء

البداءة بالمدينة لم ينقل عنهم تعليل فلعل سنة (۱) عندهم اثار الزيارة ولو كانت العلة الاحرام من ميقات النبي صلى الله عليه وسلم لم يأتوها اذا اتفق لهم البداءة بمكة لفوات الاحرام فلما اتفقوا على اتيانها وانما اختلفوا في البداءة دل على ان العلة غيره وهي ما فيها من المشاهد واعظمتها الزيارة وهي اما كل المقصود او معظمه وغيرها منصرف فيها. ومن اختار البداءة بمكة ثم اتيان المدينة والقبر الامام ابو حنيفة كما سنحكيه عنه في الباب الرابع .

وقال ابو بكر محمد بن الحسين الأجرى في كتاب الشريعة في باب دفن ابي بكر وعمر رضي الله عنهما مع النبي صلى الله عليه وسلم : ما احد من اهل العلم قديما ولا حديثا ممن رسم لنفسه كتابا نسبة اليه من فقهاء المسلمين فرسم كتاب المناسك الا وهو يامر كل من قدم المدينة ممن يريد حجا او عمرة اولا يريد حجا ولا عمرة واراد زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم والمقام بالمدينة لفضلها الا وكل العلماء قد امروه ورسموه في كتبهم وعلوه كيف يسلم على النبي صلى الله عليه وسلم وكيف يسلم على ابي بكر وعمر رضي الله عنهما علماء الحجاز قديما وحديثا وعلماء اهل العراق قديما وحديثا وعلماء اهل الشام قديما وحديثا وعلماء اهل خراسان قديما وحديثا وعلماء اهل اليمن قديما وحديثا وعلماء اهل مصر قديما وحديثا. الله الحمد على ذلك .

وقال قريبا من هذا الكلام ابو عبد الله عبيد الله بن محمد بن محمد ابن حمدان بن بطة العكبري الحنبلي في كتاب الابانة عن شريعة الفرقة الناجية ومجانبة الفرق المذمومة في باب دفن ابي بكر وعمر

(۱) لعله « لاداءة » .

رضى الله عنهما مع النبي صلى الله عليه وسلم ايضاً قال : بحسبك دلالة على اجماع المسلمين واتفاقهم على : دفن ابي بكر وعمر مع النبي صلى الله عليه وسلم ان كل عالم من علماء المسلمين وفقهه من فقائهم الف كتاباً في المناسك ففصله فصولاً وجعله ابواباً يذكر في كل باب فقهه ولكل فصل علمه وما يحتاج الحاج الى علمه والعمل به قولاً وفعلًا من الاحرام والطواف والسعي والوقوف والنحر والحلق والرمي وجميع ما لا يسع الحاج جهله ولا غنى بهم عن علمه حتى يذكر زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم ، فيصف ذلك فيقول ثم تأتي القبر فتستقبله وتجعل القبلة وراء ظهرك وتقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته حتى يصف السلام والدعاء ثم يقول وتقدم على يمينك قليلاً وتقول السلام عليك يا ابا بكر وعمر وان الناس يحجون البيت من كل فج عميق وبلد صحيح فاذا اتوا البيت لا يشكون انه بيت الله المحجوج اليه وكذلك ما يأتونه من اعمال المناسك وفرائض الحج وفضائله يلغوا بعضه بعضاً حتى يأتوا قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فيسلمون عليه وعلى صاحبيه ابي بكر وعمر رضي الله عنهما ، وبعد ادركنا الناس ورأيتهم وبلغنا عن لم نره ان الرجل اذا اراد الحج فسلم عليه أهله وصحابه قالوا له وتقرأ على النبي صلى الله عليه وسلم وابي بكر وعمر ما السلام ، فلا يسكر ذلك احد ولا يخالفه ، هذا كلام ابن بطّة رحمه الله تعالى . وقد انبأنا به جماعة من شيوخنا عن الحافظ ابي الحجاج يوسف ابن خليل بسنده الى ابن بطّة .

ومقصوده ومقصود الأجرى الرد على بعض الملحدة في انكار دفن ابي بكر وعمر رضي الله عنهما مع النبي صلى الله عليه وسلم واما زيارته

زيارته صلى الله عليه وسلم فلم ينكرها احد وانما جاءت في كلامها على سبيل التبع لانه لم يظن أحد ان يقع فيها أو في السفر اليها نزاع في قرن الثمان مائة، واستفيد من كلامها ان سفر الحجيج اليها لم يزل في السلف والخلف وانها تابعة للناسك. وابوبكر الأجرى هذا قديم توفي في المحرم سنة ستين و ثلاثمائة وكان ثقة صدوقا دينا وله تصانيف كثيرة وحدث ينفاد قبل سنة ثلاثين و ثلاثمائة. انتقل الى مكة فسكنها حتى توفي بها. وابن بطة المذكور توفي في المحرم سنة سبع وثمانين و ثلاثمائة بعكبرى من فقهاء الحنابلة كان اماما فاضلا عالما بالحديث وفقه اكثر من الحديث، وصنف التصانيف المفيدة. وهكذا قال غيرهما .

قال القاضي عياض قال اسحاق بن ابراهيم الفقيه ومالم يزل من شأن من حج المرور بالمدينة والقصد الى الصلوة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم والتبرك برؤية روضته ومنبره وقبره ومجلسه وملامسه يديه ومواطئ قدميه والعمود الذي كان يستند اليه وينزل جبرئيل بالوحى فيه عليه وبين عمره وقصده من الصحابة وائمة المسلمين والاعتبار في ذلك كله .

وقد ذكرنا في باب نصوص العلماء على استحباب الزيارة قول الباجي المالكي ان الغرياء قصدوا ذلك يعنى قصدوا المدينة من اجل القبر والتسليم ذكر هذا في معرض الفرق بين اهل المدينة والغرياء لما فرق مالك رحمه الله بينهم كما سبق. وسنذكر في الباب الرابع من كلام العبدى المالكي في شرح الرسالة ان المسير الى المدينة لزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم فضل من الكعبة ومن يستو المقدس . وأكثر عبارات الفقهاء اصحاب المذاهب من حكينا كلامهم في

باب الزيارة يقتضى استحباب السفر لانهم استحبوا للحاج بعد الفراغ من الحج الزيارة ومن ضروريها السفر، وحكاية الاعراب المشهورة التى ذكر المصنفون فى مناسكهم وفى بعض طرقها ان الاعراب ركب راحلته وانصرف وذلك يدل انه كان مسافرا والحكاية المذكورة ذكرها جماعة من الائمة واسمه محمد بن عبيد الله بن عمرو بن معاوية ابن عمرو بن عتبة بن ابي سفيان صخر بن حرب، كان من افصح الناس صاحب اخبار ورواية للآداب حدث عن ابيه وسفيان بن عتبة توفى سنة ثمان وعشرين ومائتين يكنى ابا عبد الرحمن وذكرها ابن عساكر فى تاريخه وابن الجوزى فى (مثير العزم الساكن) وغيرهما باسانيدهم الى محمد بن حرب الهلالى قال دخلت المدينة فأتيت قبر النبي صلى الله عليه وسلم فزرتة وجلست بمحذائه فجاء اعرابي فزاره ثم قال يا خير الرسل ان الله انزل عليك كتابا صادقا قال فيه (ولوانهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيمًا) وانى جئتك مستغفرا ربك من ذنوبى مستشفعا فيها بك، وفى رواية وقد جئتك مستغفرا من ذنبي مستشفعا بك الى ربى، ثم بكى وانشأ يقول ياخير من دفنت بالقاع اعظمه فطالب من طيهن القاع والاكم نفسى الفداء لقبر انت ساكنه فيه النصف وفيه الجود والكرم ثم استغفر وانصرف فرقدت فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم فى نومي وهو يقول الحق الرجل وبشره ان الله قد غفر له بشفاعتى فاستيقظت فخرجت أطلبه فلم أجده .

وقد نظم ابو الطيب احمد بن عبد العزيز بن محمد المقدسى رحمه الله ، سألهم الزيادة على هذين البيتين وتضمنتها فقال ورواها ابن عساكر

عساكر رحمه الله عنه .

اقول والدمع من عيني منسجم لما رأيت جدار القبر يستلم
والناس يغشونه باك ومنقطع من المهابة اوداع فلتزم
فما تمالك ان ناديت من حرق في الصدر كادت لها الاحشاء تضطرب
ياخير من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طيهن القاع والام
نفسى القداء لقبر انت ساكنه فيه العفاف وفيه الجود والكرم
وفيه شمس التقى والدين قد غريب من بعد ما اشرقت من نورها الظلم
حاشى لوجهك ان يلى وقد هديت في الشرق والغرب من انواره الامم
وان تمسك ايدى الترب لامة وانت بين السموات العلى علم
لقت ربك والاسلام صارمه ماض وقد كان بحر الكفر يلتطم
فقتت فيه مقام المرسلين الى ان عز فهو على الاديان يحتم
لئن رأيتاه قبرا ان باطنه لروضة من رياض الخلد تبسم
طافت به من نواحيه ملائكة تغشاه في كل ما يوم وتزدحم
لو كنت ابصرته حيا لقلت له لا تمس الا على خدي لك القدم
هدى به الله قوما قال قائلهم يطن يثرب لما ضمه الرجم
ان مات احمد فالرحمن خالقه حتى ونعبده ما اوراق السلم
قال الجوهرى رحمه الله الرجم بالتحريك القبر والله تعالى اعلم .

الباب الرابع

في نصوص العلماء على استحباب زيارة قبر سيدنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم ويان ان ذلك مجمع عليه بين المسلمين .
قال القاضي عياض رحمه الله وزيارة قبره صلى الله عليه وسلم سنة
بين المسلمين مجمع عليها وفضيلة مرغوب فيها، وقال القاضي ابوالطيب

و يستحب ان يزور النبي صلى الله عليه وسلم بعد ان يحج ويعتمر .
 وقال المحاملي في التجريد ويستحب للحاج اذا فرغ من مكة ان يزور
 قبر النبي صلى الله عليه وسلم . وقال ابو عبد الله الحسين بن الحسن الحلبي
 في كتابه المسمى بالمنهاج في شعب الايمان في تعظيم النبي صلى الله عليه
 وسلم فذكر جملة من ذلك ثم قال وهذا كان من الذين رزقوا
 مشاهدته وصحبته فاما اليوم فمن تعظيمه زيارته ، وقال الماوردي في
 الحاوي اما زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم فأمور بها ومندوب
 اليها ، وذكر الماوردي في الاحكام السلطانية بابا في الولاية على الحجيج
 قال ولاية الحج ضربان احدهما على تسيير الحجيج والثاني على اقامة
 الحج .

فاما الاول فشرط المتولي ان يكون مطاعا ذا رأى وشجاعة وعلمه
 في هذه الولاية عشرة اشياء - فذكرها ثم قال فاذا قضى الناس حجهم
 أمهلهم الايام التي جرت عاداتهم بها فاذا رجعوا سار بهم على طريق
 مدينة رسول الله صلى الله عليه وسلم ليجمع لهم بين حج بيت الله وزيارة
 قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم رعاية لحرمة وقيام بحق طاعته .
 وذلك وان لم يكن من فروض الحج فهو من مندوبات الشرع المستحبة
 وغادات الحجيج المستحبة .

وقال صاحب المذهب ويستحب زيارة قبر رسول الله صلى الله
 عليه وسلم . وقال القاضي حسين اذا فرغ من الحج قالسنة ان يقف
 بالملتزم ويدعو ثم يشرب من ماء زمزم ثم يأتي المدينة ويزور قبر
 النبي صلى الله عليه وسلم . وقال الروياني يستحب اذا فرغ من حجه ان
 يزور قبر النبي صلى الله عليه وسلم . ولا حاجة الى تتبع كلام الاصحاب

في ذلك مع العلم باجماعهم واجماع سائر العلماء عليه، والخفية قالوا ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم من افضل المتدويات والمستجابات بل تقرب من درجة الواجبات ممن صرح بذلك منهم ابو منصور محمد ابن مكرم الكرماني في مناسكه وعبد الله بن محمود بن بلدجي في شرح المختار. وفي فتاوى ابي الليث السمرقندي في باب اداء الحج، روى الحسن ابن زياد عن ابي حنيفة انه قال: الاحسن للحاج ان يبدأ بمكة فاذا قضى نسكه مر بالمدينة وان بدأ بها جاز فيأتي قريبا من قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فيقوم بين القبر والقبلة فيستقبل القبلة ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم وعلى ابي بكر وعمر رضي الله عنهما ويترحم عليهما. وقال ابو العباس السروجي في الغاية، اذا انصرف الحاج والمعمرون من مكة فليتوجهوا الى طيبة مدينة رسول الله صلى الله عليه وسلم وزيارة قبره فانها من انجح المساعي. وكذلك نص عليه الحنابلة ايضا.

قال ابو الخطاب محفوظ بن احمد بن الحسين الكلوزاني الحنبلي في كتاب الهداية في آخر باب صفة الحج، واذا فرغ من الحج استحب له زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وقبر صاحبيه. وقال ابو عبد الله محمد بن عبد الله بن الحسين بن احمد بن القاسم بن ادريس السامري في كتاب المستوعب: باب زيارة قبر الرسول صلى الله عليه وسلم، واذا قدم مدينة الرسول عليه السلام استحب له ان يغتسل لدخولها ثم يأتي مسجد الرسول عليه الصلاة والسلام ويقدم رجله اليمنى في الدخول ثم يأتي حائط القبر فيقف ناحية ويجعل القبر تلقاء وجهه والقبلة خلف ظهره والمنبر عن يساره. وذكر كيفية السلام والدعاء الى آخره. منه. اللهم انك قلت في كتابك لنبيك عليه السلام، (ولو أنهم اذ ظلموا

انفسهم جاؤك) الآية واني قد آتيت نبيك مستغفرا فأسألك ان توجب لي المغفرة كما اوجبتها لمن آتاه في حياته - اللهم اني اتوجه اليك بنبيك صلى الله عليه وسلم . و ذكر دعاء طويلا . ثم قال واذا اراد الخروج عاد الى قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فودع .

وانظر هذا المصنف من الجنابة الذين الخصم متمذهب بمذهبهم كيف نص على التوجه بالنبي صلى الله عليه وسلم وكذلك ابو منصور الكرماني من الحنفية قال : ان كان احد اوصاك بتبليغ السلام تقول : السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان يستشفع بك الى ربك بالرحمة والمغفرة فاشفع له . وسنعتقد لذلك بابا في هذا الكتاب ان شاء الله تعالى .

وقال نجم الدين بن حمدان الحنبلي في الرعاية الكبرى : ويسن لمن فرغ من نسكه من زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وقبر صاحبه رضي الله عنهما وله ذلك بعد فراغ حجه وان شاء قبل فراغه .

وقد عقد ابن الجوزي في كتابه المسمى (مثير العزم الساكن الى اشرف الاماكن) بابا في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وذكر فيه حديث ابن عمر وحديث أنس رضي الله عنهم .

وقال الشيخ موفق الدين بن قدامة المقدسي في كتابه المغني وهو من اعظم كتب الجنابة التي يعتمدون عليها : فصل - يستحب زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وذكر حديث ابن عمر من طريق الدارقطني ومن طريق سعيد ابن منصور عن حفص وحديث ابي هريرة رضي الله عنه من طريق احمد . ما من احد يسلم على عند قبري . .

وكذلك نص عليه المالكية وقد تقدم حكاية القاضي عياض وكذلك

الاجماع . وفي كتاب تهذيب المطالب لعبدالحق الصقلي عن الشيخ ابي
عمر ان المالكي ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم واجبة ، قال عبدالحق
يعنى من السنن الواجبة . وقال عبدالحق ايضا في هذا الكتاب رأيت في
بعض المسائل التي سئل عنها الشيخ ابو محمد بن ابي زيد ، قيل له في
رجل استوجر بمال ليحج به وشرطوا عليه الزيارة لم يستطع تلك السنة
ان يزور لعذر منه من تلك ، قال يرد من الاجرة بقدر مسافة الزيارة
قال الحاكم عنه ذلك .

وقال غيره من شيوخنا عليه ان يرجع نائبه حتى يزور ، قال
عبدالحق انظر ان استوجر للحج لسنة بعينها فها هنا يسقط من الاجرة
ما يخص الزيارة وان استوجر على حجة مضمونة في ذمته فها هنا يرجع
ويزور وقد اتفق النقلان . وعبدالحق هذا هو عبدالحق بن محمد
ابن هارون السهمي القروي صقلي تفقه بشيوخ القيروان وتفقه بالصقليين ،
ايضا منهم ابو عمران وغيره وحج ولقي عبدالوهاب رحمه الله وحج
ثانيا فلقى امام الحرمين فباحثه في اشياء وسأله عن مسائل اجابه عنها
وكان مليح التأليف الف كتابا كثيرة في مذهب مالك توفي بالاسكندرية
سنة ست وستين واربعائة ، وهذا الفرع الذي ذكره في الاستجار على
الزيارة فرع حسن .

والذي ذكره اصحابنا ان الاستجار على الزيارة لا يصح لانه
عمل غير مضبوط ولا مقدر بشرع ، والجمالة ان وقعت على نفس
الوقوف لم يصح ايضا لان ذلك مما لا يصح فيه النيابة عن الغير وان
وقعت الجمالة على الدعاء عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم كانت صحيحة
لان الدعاء مما يصح النيابة فيه والجهل بالدعاء لا يبطؤها - قال ذلك

الماوروى فى الحاوى فى كتاب الحج .

وبقى قسم ثالث لم يذكره الماوروى وهو ابلاغ السلام ولا شك فى جواز الاجارة والجمالة عليه كما كانت عمر بن عبد العزيز يفعل والطاهر أن مراد المالكية هذا والا فجرد الوقوف من الاجير لا يحصل للمستأجر غرضا وسيأتى فى كتاب ابن المواز من نص مالك ما يقتضى أنه يقف ويدعو عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم كما يفعل عند وداع البيت .

وفى كتاب النوادر لابن ابى زيد بعد أن حكى فى زيارة القبور من كلام ابن حبيب وعن المجموعة عن مالك ومن كلام ابن القرظى (؟) ثم قال عقبه ويأتى قبور الشهداء بأحد ويسلم عليهم كما يسلم على قبره صلى الله عليه وسلم وعلى ضجيعيه . وفيه أيضا من كلام ابن حبيب ويدل على التسليم على اهل القبور ما جاء من الستة فى التسليم على النبي صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وعمر مقبورين .

وقال ابوالوليد محمد بن رشد المالكى فى شرح القية المسى بكتاب البيان والتحصيل فى كتاب الجامع فى سلام الذى يمر بقبر النبي صلى الله عليه وسلم وسئل عن المار بقبر النبي صلى الله عليه وسلم أتراه أن يسلم كلما مر؟ قال نعم أرى ذلك عليه أن يسلم عليه إذا مر به وقد أكثر الناس من ذلك، فاما إذا لم يمر به فلا أرى ذلك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم لا تجعل قبرى وثنا يعبد، اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد ، فقد أكثر الناس من هذا فإذا لم يمر عليه فهو فى سعة من ذلك . قال وسئل عن الغريب يأتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم كل يوم فقال ما هذا من الامر ولكن إذا اراد

الخروج. قال محمد بن رشد للمعنى فى هذا انه يلزمه ان يسلم عليه كلما مر به متى مامر وليس عليه ان يمر به ليس عليه الا للوداع عند الخروج ويكره له ان يكثر المرور به والسلام عليه والأتیان كل يوم اليه لئلا يجعل القبر بفعله ذلك كالمسجد الذى يؤتى كل يوم للصلاة فيه وقد نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك لقوله : اللهم لا تجعل قبرى وثنا يعبد. اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد، انتهى كلام ابن رشد .

وانظر كيف جعل عليه ان يأتیه للوداع وبطريق الاولى السلام، وانما كراهة الاكثار لما ذكره وأصل الاستحباب متفق عليه، وقد روى القاضى عياض فى الشفاء قال ثنا القاضى ابو عبدالله محمد بن عبدالرحمن الاشعرى وابو القاسم احمد بن يحيى وغير واحد فيما اجازوا به قالوا ثنا احمد بن عمر بن دهاك ثنا علي بن فھر ثنا محمد بن احمد بن الفرج ثنا عبدالله بن السائب ثنا يعقوب بن اسحاق بن ابى اسرائيل ثنا ابن حميد قال ناظر ابو جعفر امير المؤمنين مالكا فى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال له مالك يا امير المؤمنين لا ترفع صوتك فى هذا المسجد فان الله تعالى ادب قوما فقال (ان الذين ينفسون اصواتهم عند رسول الله) الآية ودم قوما فقال (ان الذين ينادونك من وراء الحجرات) الآية وان حرمة ميتا كرمته حيا، فاستكان لها ابو جعفر، وقال يا ابا عبدالله استقبل القبلة وادعوا ام استقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال ولم تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك ووسيلة ابيك آدم عليه السلام الى الله تعالى يوم القيامة، بل استقبله واستشفع به فيشفعك الله تعالى، قال الله تعالى

(ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله) الآية فانظر هذا الكلام من مالك رحمه الله وما اشتمل عليه من الزيارة والتوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم وحسن الأدب معه .

وقال القاضي عياض قال ابن حبيب ويقول اذا دخل مسجد الرسول (بسم الله وسلام على رسول الله . السلام علينا من ربنا و صلى الله وملائكته على محمد ، اللهم اغفر لي ذنوبي واقطع لي ابواب رحمتك وجنتك واحفظني من الشيطان الرجيم) ثم اقص الى الروضة وهي ما بين القبر والمنبر فاركع فيها ركعتين قبل وقوفك بالقبر ثم تقف بالقبر متواضعا متواقرا فتصلي عليه وتنتي بما يحضرك وتسلم على ابي بكر وعمر رضي الله عنهما وتدعولها ولا تدع ان تأتي مسجد قبا وقبور الشهداء .

وقال مالك في كتاب محمد ويسلم على النبي صلى الله عليه وسلم اذا دخل وخرج يعني في المدينة وفيما بين ذلك . وقال محمد واذا خرج جبل آخر هذه الوقوف بالقبر وكذلك من خرج مسافرا . وقال مالك في المبسوط وليس يلزم من دخل المسجد او خرج منه من اهل المدينة الوقوف بالقبر وانما ذلك للقرباء . وقال فيه ايضا لا بأس لمن قدم من سفر او خرج الى سفر ان يقف على قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيصلي عليه ويدعوه ولا يبي بكر وعمر قبيل له فان ناسا من اهل المدينة لا يقدمون من سفر ولا يريدونه يخطون ذلك في اليوم مرة او اكثر وربما وقفوا في الجمعة او في الايام المرة والمرتين او اكثر عند القبر فيسلمون ويدعون ساعة . قال لم يلقني هذا عن احد من اهل الفقه يلحنا وتركه واسع ولا يصلح آخر هذه الامة الا ما اصلح اولها ولم يلقني عن اول هذه الامة وصدرها انهم كانوا يخطون ذلك . ويكره الا لمن جاء من سفر

سفر او اراده . قال ابن القاسم ورأيت اهل المدينة اذا خرجوا منها او دخلوها اتوا القبر فسلموا قال وذلك رأيي . قال الباجي ففرق بين اهل المدينة والغرباء لان الغرباء قصدوا لذلك واهل المدينة مقيمون بها لم يقصدوها من اجل القبر والتسليم . انتهى ما حكاه القاضي عياض .

وانظر قول الباجي ان الغرباء قصدوا لذلك ودلالته على ان الغرباء قصدوا المدينة من اجل القبر والتسليم ، والمتلخص من مذهب مالك رحمه الله ان الزيارة قربة ولكنه على عادته في سد الذرائع يكره منها الاكثر الذي قد يفضي الى محذور . والمذاهب الثلاثة يقولون باستجابها واستجاب الاكثر منها لان الاكثر من الخير خير وكلهم مجمعون على استجاب الزيارة ، وفي كتاب النوادر ويأتي قبور الشهداء بأحد ويسلم عليهم كما يسلم على قبره صلى الله عليه وسلم وعلى ضجيعيه .

وقال ابو محمد عبد الكريم بن عطاء الله بن عبدالرحمن بن عبدالله ابن محمد بن عيسى بن الحسن المالكي في مناسكه التي التزم فيها مشهور مذهب مالك - فصل - اذا كل لك حبك وعمرتك على الوجه المشروع لم يبق بعد ذلك الا اتيان مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم والسلام على النبي صلى الله عليه وسلم والدعاء عنده والسلام على صاحبه والوصول الى البقيع وزيارة ما فيه من قبور الصحابة والتابعين والصلاة في مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم فلا ينبغي للقادر على ذلك تركه .

وقال العبدى في شرح الرسالة : واما التذر الى المسجد الحرام او المشى الى مكة فله اصل في الشرع وهو الحج والعمرة والى المدينة لزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم افضل من الكعبة ومن بيت المقدس

وليس عندهما حج ولا عترة فاذا نذر المشى الى هذه الثلاثة لزمه
 فالكعبة متفق عليها واختلف اصحابنا وغيرهم في المسجدين الآخرين .
 قلت الخلاف الذى أشار اليه في نذر اتيان المسجدين لا في
 الزيارة ، فهذه تقول المذاهب الاربعة وكذلك غيرهم من الصحابة
 والتابعين ومن بعدهم قد صح من وجوه كثيرة عن عبدالله بن
 عمر رضى الله عنهما انه كان يأتى القبر فيسلم على النبي صلى الله عليه وسلم .
 انا عبدالمؤمن بن خلف انا ابراهيم بن ابى الخير وابوعبدالله محمد بن
 المنى منفردين في الرحلة الاولى ، قالا انا شهدة انا الحسن بن احمد بن
 سليمان انا الحسن بن احمد بن شاذان انا دعلج انا محمد بن على بن
 زيد الصائغ ثنا سعيد بن منصور ثنا مالك بن انس عن نافع عن ابن
 عمر انه كان يأتى القبر فيسلم على النبي صلى الله عليه وسلم وعلى ابى بكر .
 وعمر . وقال دعلج هذا الحديث فى الموطأ عن عبدالله بن دينار عن ابن
 عمر و انا به اسحاق بن النحاس من طريق آخر الى سعيد بن منصور ثنا
 مالك به . وروى عن ابن عون قال سأل رجلاً ناقضاً هل كان ابن عمر يسلم
 على القبر؟ قال نعم لقد رأيته مائة مرة او اكثر من مائة مرة كان يأتى القبر
 فيقوم عنده فيقول السلام على النبي السلام على ابى بكر السلام على ابى .
 وفى الموطأ من رواية يحيى بن يحيى الليثى عن ابن عمر كان يقف على
 قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيصلى على النبي صلى الله عليه وسلم وعلى ابى بكر
 وعمر . وعند ابن القاسم والقعنبي : ويدعوا لابى بكر وعمر . وقال فى رواية
 ابن وهب يقول المسلم : السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته . قال فى
 المبسوط ويسلم على ابى بكر وعمر . قال القاضى ابو الوليد الباجى وعندى
 انه يدعو للنبي صلى الله عليه وسلم بلفظ الصلوة ولا بى بكر وعمر كما فى

حديث

(۹)

حديث ابن عمر من الخلاف .

وقال عبدالرزاق في مصنفه باب السلام على قبر النبي صلى الله عليه وسلم وروى فيه آثارا منها باسناد صحيح ان ابن عمر كان اذا قدم من سفر أتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم فقال السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا ابا بكر السلام عليك يا ابناء . وروى عبدالرزاق في هذا الباب ايضا ان سعيد بن المسيب رأى قوما يسلون على النبي صلى الله عليه وسلم فقال مامكت نبى في الارض اكثر من اربعين يوما . ثم روى عبدالرزاق فيه قوله صلى الله عليه وسلم مررت بموسى ليلة أسرى بي وهو قائم صلى في قبره . كأنه قصد بذلك رد ما روى عن ابي المسيب وهو رد صحيح ، وما ورد عن ابن المسيب ورد فيه حديث تذكره في باب حياة الانبياء ، وقد روى عن عثمان بن عفان رضى الله عنه انه لما حصر اشار بعض الصحابة عليه بان يلحق بالشام فقال لن افارق دار هجري ومجاورة رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها . وهو مخالف لما قال ابن المسيب رحمه الله وهو الصحيح وكذلك ما ذكرناه عن ابن عمر ثم لوصح قول ابن المسيب لم يمنع من استعجاب زيارة القبر لشرفه بحلوه فيه ونسبه اليه كما قال الشاعر .

أمر على الديار ديار ليل أقبل ذا الجدار وذا الجدارا
وما حب الديار شغل قلبي ولكن حب من سكن الديارا
وابن المسيب رحمه الله لم ينكر التسليم وإنما ذكر عنده الفائدة
وقال القاضي عياض في الشفاء قال بعضهم رأيت انس بن مالك
أتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم فوقف فرفع يديه حتى ظنت انه افتح
الصلوة فلم على النبي صلى الله عليه وسلم ثم انصرف .

وفي مستند الامام ابي حنيفة رحمه الله تصنيف ابي القاسم طلحة ابن محمد بن جعفر الشاهد العدل قال ثنا محمد بن مخلد حدثني محمد بن يعقوب بن اسحاق بن حكيم حدثني احمد بن الحليل حدثني الحسن ثنا ابن المبارك ثنا وهب عن ابي حنيفة قال جاء ايوب السخيتاني فدنا من قبر النبي صلى الله عليه وسلم فاستدبر القبلة وأقبل بوجهه الى القبر فبكى بكاء غير متباك .

وقال ابراهيم الحربي في مناسكه تولى ظهرك القبلة وتستقبل وسطه - يعني القبر وتقول السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته وقال ابن بطال في شرح البخاري قوله صلى الله عليه وسلم ما بين يتي ومنبري روضة من رياض الجنة بعد أن حكى القولين المشهورين، قال واستدل الثاني بقوله ارتعوا في رياض الجنة يعني حلق الذكر والعلم، قال ويكون معناه التحريض على زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم والصلاة في مسجده انتهى .

ولوا ستوعبنا الآثار وأقاويل العلماء في ذلك لخرجنا الى حد الطول والملل، فان قلت قد ذكره مالك رحمه الله ان يقال زرنا قبر النبي صلى الله عليه وسلم، قلت قال القاضي عياض قد اختلف في معنى ذلك قيل كراهية الاسم لما ورد من قوله صلى الله عليه وسلم لعن الله زوارات القبور وهذا يردده قوله كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها وقوله من زار قبري، فقد اطلق اسم الزيارة وقيل لان ذلك لما قيل ان الآثار افضل من المزارع وهذا ايضا ليس بشيء اذ ليس كل زائر بهذه الصفة وليس عموما، وقد ورد في حديث اهل الجنة لزيارتهم لربهم ولم يمنع هذا اللفظ في حقه، والاولى عندي ان منعه وكراهية مالك له لاضافته الى

الى قبر النبي صلى الله عليه وسلم وانه لو قال زرنا النبي صلى الله عليه وسلم لم يكرهه لقوله صلى الله عليه وسلم اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد، فحى اضافة هذا اللفظ الى القبر والتسليّة بفعل اولئك قطعاً للذريعة وحسباً للباب والله اعلم .

د . كلام القاضى وما اختاره يشكل عليه قوله من زار قبرى فقد اضاف الزيارة الى القبر الا ان يكون هذا الحديث لم يبلغ مالكا فحينئذ يحسن ما قاله القاضى فى الاعتذار عنه لافى اثبات هذا الحكم فى نفس الامر ولعله يقول ان ذلك من قول النبي صلى الله عليه وسلم لا محذور فيه والمحذور انما هو فى قول غيره .

وقد قال عبدالحق الصقلى عن ابى عمران المالكى انه قال انما كره مالك ان يقال زرنا قبر النبي صلى الله عليه وسلم لان الزيارة من شاء فعلها ومن شاء تركها وزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم واجبة قال عبدالحق يعنى من السنن الواجبة، ينبغى ان لا تذكر الزيارة فيه كما تذكر فى زيارة الاحياء الذين من شاء زارهم ومن شاء ترك والنبي صلى الله عليه وسلم اشرف واعلى من ان يسمى انه يزار، وهذا الجواب بينه وبين جواب القاضى بون فى شيئين أحدهما انه يقتضى تأكيد نسبة معنى الزيارة الى القبر وان تجنب لفظها وجواب القاضى يقتضى عدم نسبتها الى القبر، والثانى انه يقتضى التسوية فى كراهية اللفظ بين قوله زرت القبر وقوله زرت النبي صلى الله عليه وسلم، وجواب القاضى يقتضى الفرق بينهما .

وقد قال ابو الوليد محمد بن رشد فى البيان والتحصيل قال مالك اكره ان يقال الزيارة لزيارة البيت الحرام واكره ما يقول الناس

زرت النبي واعظم ذلك ان يكون النبي صلى الله عليه وسلم يزار قال محمد بن رشد ما كره مالك هذا والله اعلم الامن وجه ان كلمة اعلى من كلمة فلما كانت الزيارة تستعمل في الموتى وقد وقع فيها من الكراهة ما وقع كره ان يذكر مثل هذه العبارة في النبي صلى الله عليه وسلم كما كره ان يقال ايام التشریق واستحب ان يقال الايام المعدودات كما قال الله تعالى، وكما كره ان يقال العتمة ويقال العشاء الاخيرة ونحو هذا، وكذلك طواف الزيارة كأنه يستحب ان يسمى بالافاضة كما قال الله تعالى في كتابه (فاذا أنضم من عرفات) فاستحب ان يشتق له الاسم من هذا وقيل انه كره لفظ الزيارة في الطواف بالبيت والمضي الى قبر النبي صلى الله عليه وسلم لان المضي الى قبره عليه السلام ليس ليصله بذلك ولا لينغمه به، وكذلك الطواف بالبيت وانما يفعل باديه لما يلزمه من فعله ورغبته في الثواب على ذلك من عند الله عز وجل وبالله التوفيق انتهى كلام ابن رشد .

وقد وقع فيه كراهية مالك قول الناس زرت النبي صلى الله عليه وسلم وهو يرد ما قاله القاضي عياض فاما كراهية اسناد الزيارة الى القبر فيحتمل ان تكون العلة فيه ما قاله القاضي عياض، ويحتمل ان تكون العلة ما قاله ابو عمران وابن رشد، واما اضافة الزيارة الى النبي صلى الله عليه وسلم ان ثبت ذلك عن مالك فيتعين ان تكون العلة فيه ما قاله ابو عمران وابن رشد .

والمختار في تأويل كلام مالك رحمه الله ما قاله ابن رشد دون ما قاله القاضي عياض لان ابن المواز حكى في كتابه في كتاب الحج في باب ما جاء في الوداع قال اشهب قيل لمالك فيمن قدم معتمرا ثم اراد

اراد ان يخرج الى رباط أعليه ان يودع؟ قال هو من ذلك في سعة ثم قال انه لا يعجبنى ان يقول أحد الوداع وليس هو من الصواب وانما هو الطواف قال الله تعالى (وليطوفوا بالبيت العتيق) قال واكره ان يقال الزيارة. واكره ما يقول الناس زرت النبي صلى الله عليه وسلم واعظم ذلك ان يكون النبي صلى الله عليه وسلم يزار، وقال مالك في وداع البيت ما يعرف في كتاب الله ولا سنة رسوله عليه السلام الوداع انما هو الطواف بالبيت، قلت لمالك أفترى هذا الطواف الذى يودع به أهوالا تزام؟ قال بل الطواف وانما قال فيه عمر آخر النسك الطواف بالبيت، قيل لمالك قالذى يلتزم أترى له ان يتعلق باستار الكعبة عند الوداع؟ قال لا ولكن يقف ويدعو. قيل له وكذلك عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم؟ قال نعم، انتهى ما اردت نقله من الموازية وهى من اجل كتب المالكية القديمة المعتمد عليها.

وسياقة حكاية اشهب عن مالك ترشد الى المراد وان مالكا رحمه الله انما كره اللفظ كما كرهه في طواف الوداع أفترى يتوهم مسلم أو عاقل ان مالكا كره طواف الوداع؟ وانظر فى آخر كلام مالك كيف اقتضى انه يقف ويدعو عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم كما يقف ويدعو عند الكعبة في طواف الوداع فأى دليل أبين من هذا فى ان اتيان قبر النبي صلى الله عليه وسلم والوقوف والدعاء عنده من الامور المعلومة التى لم تزل قبل مالك وبعده ولوعرف مالك رحمه الله ان احدا يتوهم عليه ذلك من هذا اللفظ لما نطق به ولا لوم على مالك فان لفظه لا ايهام فيه وانما يتلبس على جاهل او متجاهل، والمختار عندنا انه لا يكره اطلاق هذا اللفظ ايضا لقوله: من زار قبرى وقد تقدم

الاعتذار عن مالك فيه ولا يرد عليه قوله « زوروا القبور » لان زيارة قبور غير الانبياء لينفعهم ويصلهم بها وبالدعاء والاستغفار ، ولهذا قال قال ابو محمد عبدالله بن عبدالرحمن المالكي المعروف بالشارح في كتاب (تلخيص محصول المدونة) من الاحكام الملقب بنظم الدر في كتاب الجامع في الباب الحادي عشر في السفر ان قصد الاتفاغ بالميت بدعة الا في زيارة قبر المصطفى صلى الله عليه وسلم وقبور المرسلين صلوات الله عليهم اجمعين وهذا الذي ذكره في الاتفاغ بقبور المرسلين صحيح وكذلك سائر الانبياء . واما ما ذكره في غير الانبياء فتكلم عليه ان شاء الله تعالى في قبور غير الانبياء .

واما زيارة اهل الجنة لله تعالى فان صح الحديث فيها فلا ترد على شيء من المعاني التي قالها عبدالحق وابن رشد لانها ليست واجبة فان الآخرة ليست دار تكليف وقد انقطع الالحاق بزيارة الموتى في يوم الكراهة ، فقد بان لك بهذا وجه كلام مالك رحمه الله وانه على جواب القاضي عياض انما ذكره زيارة القبر لازيارة النبي صلى الله عليه وسلم وعلى جواب غيره انما ذكره اللفظ فيها دون المعنى وكذلك اكثر ما حكيناه من كلام اصحابه الوافية بمعنى الزيارة دون لفظها فن قل عن مالك ان الحضور عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم لمزيارة المصطفى صلى الله عليه وسلم والسلام عليه والدعاء عنده ليس بقربة فقد كذب عليه ، ومن فهم عنه ذلك فقد اخطأ في فهمه وضل وحاشى مالكا وسائر علماء الاسلام بل وعوامهم ممن قرأوا الايمان في قلبه .

فان قلت فقد روى عبدالرزاق في مصنفه بسنده الى الحسن بن الحسن ابن علي انه رأى قوما عند القبر فهمهم ، وقال ان النبي صلى الله عليه وسلم قال

قال لاتخذوا قبري عيدا ولا تتخذوا يوتكم قبورا وصلوا علي حيث ما كنتم فان صلواتكم تبلغني ، قلت قد روى القاضي اسماعيل في كتاب فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم بسنده الى علي بن الحسين ابن علي ، وهو زين العابدين ، ان رجلا كان يأتي كل غداة فيزور قبر النبي صلى الله عليه وسلم ويصلي عليه ويصنع من ذلك ما انتهره عليه علي بن الحسين فقال له علي بن الحسين ما يحملك على هذا قال احب التسليم على النبي صلى الله عليه وسلم فقال له علي بن الحسين هل لك ان احدثك حديثا عن ابي قال نعم ، فقال له علي بن الحسين اخبرني ابي عن جدي انه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تجعلوا قبري عيد اولاتجعلوا يوتكم قبورا وصلوا علي وسلموا حيث ما كنتم فيبلغني سلامكم وصلاتكم ، وهذا الاثرين لنا ان ذلك الرجل زاد في الحد وخرج عن الامر المسنون فيكون كلام علي بن الحسين موافقا لما تقدم عن مالك وليس انكار اصل الزيارة ، او يكون اراد تعليمه ان السلام يبلغ من الغيبة لما رآه يتكلف الاكثار من الحضور وعلى ذلك يحمل ما ورد عن حسن بن حسن وغيره من ذلك ولم يذكر هذا الاثر ليجتنب به بل للتأنيس بأمر يحتمل في ذلك الاثر المطلق وابداء وجه من وجوه التأويل ، وكيف يتخيل في احد من السلف منهم من زيارة المصطفى صلى الله عليه وسلم وهم مجمعون على زيارة سائر الموتى ، وسند ذكر ذلك ، وما ورد من الاحاديث والآثار في زيارتهم فالتبني صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء الذين ورد فيهم انهم احياء كيف يقال فيهم هذه المقالة .

واما قوله صلى الله عليه وسلم لا تجعلوا قبري عيداً ، فرواه

ابو داود السجستانی و فی سندہ عبد اللہ بن نافع الصائغ روى له الاربعة
و مسلم ، قال البخاری تعرف حفظه و تنکر . و قال احمد بن حنبل
لم یکن صاحب حدیث کان تضعیفافیه و لم یکن فی الحدیث بذاك ، و قال
ابو حاتم الرازی لیس بالحافظ هولین تعرف حفظه و تنکر و وثقه یحیی
ابن معین و قال ابوزرعة لا بأس به ..

و قال ابن عدی روى عن مالک غرائب و هو فی روایاته مستقیم
الحدیث فان لم یثبت هذا الحدیث فلا کلام و ان ثبت و هو الاقرب
فقال الشیخ زکی الدین المنذرى یحتمل ان یكون المراد به الحث علی
کثرة زیارة قبره صلی الله علیه و سلم و ان لا یهمل حتی لا یزار الا فی بعض
الاقوات کالعید الذی لا یأتی فی العام الامرین ، قال و یؤید هذا التأویل
ما جاء فی الحدیث نفسه لا تجملوا بیوتکم قبورا ای لا ترکوا الصلوة فی
بیوتکم حتی تجملوها کالقبور التی لا یصل فیها .

قلت و یحتمل ان یكون المراد لا تحذوا له وقتا مخصوصا لا تكون
الزیارة الا فیہ کما ترى کثیرا من المشاهد لزیارتها یوم معین کالعید
و زیارة قبره صلی الله علیه و سلم لیس فیها یوم بعینه بل اى یوم کان
و یحتمل ایضا ان یراد ان یجمل کالعید فی العکوف علیه و اظهار
الزینة و الاجتماع و غیر ذلك مما یعمل فی الاعیاد بل لا یؤتی الا للزیارة
و السلام و الدعاء ثم ینصرف عنه و الله أعلم بمراد نبيه صلی الله علیه و سلم .

الباب الخامس

فی تقرير كون الزیارة قربة

و ذلك بالكتاب و السنة و الاجماع و القیاس ، اما الكتاب فقوله
تعالی (و لو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤک فاستغفروا الله و استغفر لهم الرسول
لوجدوا (۱۰) .

لوجدوا الله توابا رحيمًا) دلت الآية على الحث على المجيء الى الرسول صلى الله عليه وسلم والاستغفار عنده واستغفاره لهم وذلك وان كان ورد في حال الحياة فهي رتبة له صلى الله عليه وسلم لا تنقطع بموته تعظيما له .

فان قلت المجيء اليه في حال الحياة ليستغفر لهم وبعد الموت ليس كذلك . قلت دلت الآية على تعليق وجدانهم الله تعالى توابا رحيمًا بثلاثة امور المجيء واستغفارهم واستغفار الرسول ، فاما استغفار الرسول فانه حاصل لجميع المؤمنين لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم استغفر للمؤمنين والمؤمنات لقوله تعالى (واستغفر لذنوبك وللمؤمنين والمؤمنات) .

ولهذا قال عاصم بن سليمان وهو تابعي لعبد الله بن سرجس الصحابي رضي الله عنه استغفر لك رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقال نعم ولك ثم تلا هذه الآية برواه مسلم فقد ثبت أحد الامور الثلاثة وهو استغفار رسول الله صلى الله عليه وسلم لكل مؤمن ومؤمنة فاذا وجد نجيتهم واستغفارهم تكملت الامور الثلاثة الموجبة لتوبة الله ورحمته ، وليس في الآية ما يبين ان يكون استغفار الرسول بعد استغفارهم بل هي بجملة والمعنى يقتضي بالنسبة الى استغفار الرسول انه سواء اتقدم أم تأخر فان المقصود ادخالهم لمجيتهم واستغفارهم تحت من يشمله استغفار النبي صلى الله عليه وسلم ، وانما يحتاج الى المعنى المذكور اذا جعلناه واستغفر لهم الرسول ، معطوفا على فاستغفروا الله ، اما ان جعلناه معطوفا على جاؤك لم يحتاج اليه .

هذا كله ان سلمنا ان النبي صلى الله عليه وسلم لا يستغفر بعد الموت ونحرم لانسلم ذلك لما سذكروه من حياته صلى الله عليه وسلم واستغفاره

لأمتہ بعد موتہ واذا انکر استغفاره وقد علم کمال رحمته وشفقته
 علی أمتہ فیعلم انه لا یتربک ذلك لمن جاره مستغفرا به تعالیٰ، فقد ثبت
 علی کل تقدیر أن الامور الثلاثة المذكورة فی الآیة حاصلة لمن یحیی
 الیه صلی الله علیہ وسلم مستغفرا فی حیاته وبعد مماته، والآیة وان
 وردت فی اقوام معینین فی حالة الحیاة فتعم بعموم العلة کل من
 وجد فیہ ذلك الوصف فی الحیاة وبعد الموت ولذلك فهم العلماء
 من الآیة العموم فی الحالتین واستحبوا لمن أتى الی قبره صلی الله علیہ
 وسلم ان یتلو هذه الآیة ویستغفر الله تعالیٰ، وحکایة العتبی فی ذلك
 مشهورة وقد حکاها المصنفون فی المناسک من جمیع المذاهب
 والمؤرخون وکلهم استحسوها ورأوها من آداب الزائر وما ینبغی
 له ان یفعله وقد ذکرناها فی آخر الباب الثالث .

واما السنة فما ذکرناه فی الباب الاول والثانی من الاحادیث
 وهی ادلة علی زیارة قبره صلی الله علیہ وسلم بخصوصه وفی السنة
 الصحیحة المتفق علیها الامر بزیارة القبور، وقال صلی الله علیہ وسلم
 کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها، وقال صلی الله علیہ وسلم
 زوروا القبور فانها تذكركم الآخرة، وقال الحافظ ابو موسی الاصبهانی
 فی کتابه (آداب زیارة القبور) ورد الامر بزیارة القبور من حدیث
 بريدة وأنس وعلی وابن عباس وابن مسعود وابی هريرة وعائشة
 وابی بن کعب وابی ذر رضی الله عنهم، انتهى کلام ابی موسی
 الاصبهانی، فقبر النبی صلی الله علیہ وسلم سید القبور داخل فی عموم
 القبور المأمور بزیارتها .

واما الاجماع، فقد حکاه القاضی عیاض علی ما سبق فی الباب

الرابع

الرابع ، واعلم ان العلماء مجمعون على انه يستحب للرجال زيارة القبور بل قال بعض الظاهرية بوجوبها للحديث المذكور وعن حكي اجماع المسلمين على الاستحباب ابو زكريا النووي ، وقد رأيت في مصنف ابن ابي شيبة عن الشعبي قال لولا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن زيارة القبور لزرت قبر بتي ، وهذا ان صح يحمل على ان الشعبي لم يبلغه النسخ مع ان الشعبي لم يصرح بقول له ومثل هذا لا يفتح وكذلك رأيت فيه عن ابراهيم قال : كانوا يكرهون زيارة القبور وهذا لم يثبت عندنا ولم يبين ابراهيم الكراهة عن ولا كيف هي فقد تكون محمولة على نوع من الزيارة مكروهة ، ولم اجد شيئا يمكن ان يتعلق به الخصم غير هذين الاثرين ومثلها لا يعارض الاحاديث الصريحة الصحيحة والسنن المستفيضة المألوفة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم بل لو صح عن الشعبي والنخعي التصريح بالكراهة لكان ذلك من الاقوال الشاذة التي لا يجوز اتباعها والتعويل عليها ، فانا نقطع وتحقق من الشريعة بجواز زيارة القبور للرجال وقبر النبي صلى الله عليه وسلم داخل في هذا العموم ولكن مقصودنا اثبات الاستحباب له بخصوصه للأدلة الخاصة بخلاف غيره عن لا يستحب زيارة قبره لخصومه بل لعموم زيارة القبور وبين المعنيين فرق كما لا يخفى فزيارته صلى الله عليه وسلم مطلوبة بالعموم والخصوص .

بل اقول انه لو ثبت خلاف في زيارة قبر غير النبي صلى الله عليه وسلم لم يلزم من ذلك اثبات خلاف في زيارته لان زيارة القبر تعظيم وتعظيم النبي صلى الله عليه وسلم واجب ، واما غيره فليس كذلك ولهذا المعنى اقول والله اعلم انه لا فرق في زيارته صلى الله عليه وسلم بين

الرجال والنساء لذلك ولعدم المحذور في خروج النساء اليه، واما سائر القبور فحل الاجماع على استحباب زيارتها للرجال .

واما النساء ففي زيارتهن للقبور اربعة اوجه في مذهبنا ، اشهرها انها مكروهة جزم به الشيخ ابو حامد والمحاملي وابن الصباغ والجرجاني ونصر المقدسي وابن ابي عصرون وغيرهم، وقال الرافعي ان الاكثرين لم يذكروا سواء وقال النووي قطع به الجمهور وصرح بانها كراهة تنزيه والثاني انها لا تجوز قاله صاحب المذهب وصاحب البيان والثالث لا تستحب ولا تكره بل تباح قاله الروياني ، والرابع ان كانت لتجديد الحزن والبكاء بالتعديد والنوح على ما جرت به عادةن فهو حرام وعليه يحمل الخبر وان كانت للاعتبار بغير تعديد ولا نياحة كره الا ان تكون عجزا لا تشهى فلا تكره كحضور الجماعة في المساجد ، قاله الشاشي وفرق بين الرجل والمرأة بان الرجل معه من الضبط والقوة ، بحيث لا يميكن ولا يجزع بخلاف المرأة . واحتج الماتعون بقوله صلى الله عليه وسلم لعن الله زوارات القبور ، رواه الترمذي من حديث ابي هريرة ، وقال حسن صحيح ورواه ابن ماجه من حديث حسان بن ثابت .

واحتج المجوزون بأحاديث منها قوله صلى الله عليه وسلم كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها ، واجاب الماتعون بان هذا خطاب للذكور ، ومنها قوله صلى الله عليه وسلم للمرأة التي رآها عند قبر تبكي اتق الله واصبري ولم ينهها عن الزيارة وهو استدلال صحيح ، ومنها قول عائشة كيف اقول يا رسول الله قال قولي السلام على اهل الديار من المؤمنين . وسند ذكره في خروج النبي صلى الله عليه وسلم للبيعة وهو استدلال صحيح .

وقد

وقد خرجنا عن المقصود فترجع الى غرضنا وهو الاستدلال على ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم قربة. وما يدل على ذلك القياس وذلك على زيارة النبي صلى الله عليه وسلم البقيع وشهداء احد وسنين ان ذلك غير خاص به صلى الله عليه وسلم بل مستحب لغيره واذا استحب زيارة قبر غيره صلى الله عليه وسلم فقبره أولى لماله من الحق وجوب التعظيم .

فان قلت الفرق ان غيره يزار للاستغفار له لا حاجة الى ذلك كما فعل النبي صلى الله عليه وسلم في زيارته اهل البقيع والنبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك، قلت زيارة صلى الله عليه وسلم انما هي لتعظيمه والتبرك به ولتأنا الرحمة بصلاتنا وسلامنا عليه كما انا مأورون بالصلاة عليه والتسليم وسؤال الوسيلة وغير ذلك مما يعلم انه حاصل له صلى الله عليه وسلم بغير سؤالنا ولكن النبي صلى الله عليه وسلم أرشدنا الى ذلك لتكون بدعاتنا له متعرضين للرحمة التي رتبها الله تعالى على ذلك .

فان قلت : الفرق ايضا ان غيره لا يخشى فيه محذور وقبره صلى الله عليه وسلم يخشى الاقراط في تعظيمه ان يعبد . قلت هذا كلام تقشع منه الجلود، ولولا خشية اغترار الجهال به لما ذكرته فان فيه تركا لما دلت عليه الادلة الشرعية بالآراء الفاسدة الخيالية وكيف تقدم على تخصيص قوله صلى الله عليه وسلم زوروا القبور، وعلى ترك قوله من زار قبري وجبت له شفاعتي، وعلى مخالفة اجماع السلف والخلف بمثل هذا الخيال الذي لم يشهد به كتاب ولا سنة بخلاف النهي عن اتخاذ مسجدا وكون الصحابة احترزوا عن ذلك المعنى المذكور لان ذلك قد ورد النهي فيه وليس لنا نحن ان نشرع احكاما من قبلنا (أم لهم شركاء شرعوا لهم

من الدين ما لم يأذن به الله (فمن منع زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم فقد شرع من الدين ما لم يأذن به الله وقوله مردود عليه ولو فتحنا باب هذا الخيال الفاسد لتركنا كثيرا من السنن بل ومن الواجبات .

والقرآن كله والاجماع المعلوم من الدين بالضرورة وسير الصحابة والتابعين وجميع علماء المسلمين والسلف الصالحين على وجوب تعظيم النبي صلى الله عليه وسلم والمبالغة في ذلك ومن تأمل القرآن العزيز وما تضمنه من التصريح والایمان الى وجوب المبالغة في تعظيمه وتوقيره والادب معه وما كانت الصحابة يعاملونه؟ من ذلك امتلاء قلبه ايمانا واحترقا هذا الخيال الفاسد واستكف ان يصنى اليه والله تعالى هو الحافظ لدينه (ومن يهد الله فهو المهتدي ومن يضلل فلا هادي له) وعلماء المسلمين متكفلون بأن يبينوا للناس ما يجب من الادب والتعظيم والوقوف عند الحد الذي لا يجوز مجاوزته بالادلة الشرعية، وبذلك يحصل الامر من عبادة غير الله تعالى ومن اراد الله ضلاله من افراد من الجهال فلن يستطيع أحد هدايته فن ترك شيئا من التعظيم المشروع لخشب النبوة زاعما بذلك الادب مع الربوبية فقد كذب على الله تعالى وضع ما أمر به في حق رسله كما ان من أفرط وجاوز الحد الى جانب الربوبية فقد كذب على رسل الله وضع ما امروا به في حق ربهم سبحانه وتعالى، والعدل حفظ ما امر الله به في الجانبين وليس في الزيارة المشروعة من التعظيم ما يفضي الى محذور .

واعلم ان زيارة القبور على اقسام ، القسم الاول ان يكون مجرد تذكرا للموت والآخرة وهذا يكفي فيه رؤية القبور من غير معرفة باصحابها ولا قصد امر آخر من الاستغفار لهم والامن التبرك بهم ولا

ولامن اداء حقوقهم وهو مستحب لقوله صلى الله عليه وسلم زوروا القبور فانها تذكركم الآخرة ، وذلك لان الانسان اذا شاهد القبر تذكر الموت وما بعده وفي ذلك عظة واعتبار وهذا المعنى ثابت في جميع القبور ودلالة القبور على ذلك متساوية كما ان المساجد غير المساجد الثلاثة متساوية لا يتعين شيء منها بالتعين بالنسبة الى هذا الغرض .

القسم الثاني زيارتها للدعاء لاهلها كما ثبت من زيارة النبي صلى الله عليه وسلم لاهل البقيع وهذا مستحب في حق كل ميت من المسلمين .

القسم الثالث للتبرك بأهله اذا كانوا من اهل الصلاح والخير وقد قال ابو محمد الشارمساحي المالكي ان قصد الاتفايع بالميت بدعة الا في زيارة قبر المصطفى صلى الله عليه وسلم وقبور المرسلين صلوات الله عليهم اجمعين ، وهذا الذي استثناه من قبور الانبياء والمرسلين صحيح ، واما حكمه في غيرهم بالبدعة ففيه نظر ولا ضرورة بنا هنا الى تحقيق الكلام فيه لان مقصودنا ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وغيره من الانبياء والمرسلين للتبرك بهم مشروعة وقد صرح به .

القسم الرابع لاداء حقهم فان من كان له حق على الشخص فينبغي له بره في حياته وبعد موته والزيارة من جملة البر لما فيها من الاكرام ويشبه ان تكون زيارة النبي صلى الله عليه وسلم قبر امه من هذا القيل كما روى عنه صلى الله عليه وسلم انه زار قبر امه فبكى وابكى من حوله فقال استأذنت ربي في ان استغفر لها فلم يؤذن لي واستأذنته في ان ازور قبرها فأذن لي فزوروا القبور فانها تذكر الموت ، رواء مسلم ويدخل في هذا المعنى الزيارة رحمة للميت ورقة له وتأنسا فقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال آنس ما يكون الميت في قبره

اذا زاره من كان يحبه في دار الدنيا .

وعن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من احد يمر بقبر اخيه المؤمن يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الا عرفه ورد عليه السلام ذكره جماعة، وقال القرطبي في التذكرة ان عبد الحق صححه ورويناه في الخلعات من حديث ابى هريرة رضى الله عنه ايضا . والآثار في انتفاع الموتى بزيارة الاحياء وما يصل اليهم منهم وادراكهم لذلك لا تنحصر، اذا عرف هذا فنقول زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم ثبت فيها هذه المعاني الاربعة اما الاول فظاهر واما الثانى فلاننا مأمورون بالدعاء له صلى الله عليه وسلم وان كان هو غيا بفضل الله عن دعائنا .

واما الثالث والرابع فلانه لا أحد من الخلق اعظم بركة منه ولا اوجب حقا علينا منه فالمنى الذى في زيارة قبره لا يوجد في غيره ولا يقوم غيره مقامه كما ان المسجد الحرام لا يقوم غيره مقامه، ومن هاهنا شرع قصده بخصوصه ويتعين بخلاف غيره من القبور هذا لولم يرد في زيارته دليل خاص فكيف وقد ورد في زيارته بخصوصه ما سبق من الاحاديث، وغيره لم يرد فيه الا الادلة العامة فزيارة قبره صلى الله عليه وسلم مستحبة بعينها لما ثبت فيها من الادلة الخاصة ولما فيها من المعاني العامة التى لا تجتمع في غيره، واما زيارة قبر غيره فهي مستحبة بالاطلاق وقد تقدمت النصوص الدالة على استحباب زيارة القبور وحكاية الاجماع على ذلك، وان من الناس من قال بوجوبها .

وفي كتاب التواذر لابن ابى زيد من كتاب ابن حبيب ولا بأس بزيارة القبور والجلوس اليها والسلام عليها عند المرور بها، وقد فعل ذلك النبي صلى الله عليه وسلم وقد قدم ابن عمر من سفر

(۱۱) وقد

وقد مات اخوه عاصم فذهب الى قبره فدعا له واستغفر . وفي غير كتاب ابن حبيب : ورثاه فقال .

فان تك أحزان وفاض دمة جرين دما من داخل الجوف متعما
تجرعتها من عاصم واحتيتها فأعظم منها ما احتسى وتجرعا
فليت المنايا كن خلفن عاصما فشنا جميعا أودهن بنا معا
دفنا بك الايام حتى اذا أتت تريدك لم نسطع لها عنك مدفعا
قال ابن حبيب وفعله عائشة رضي الله عنها لما مات اخوها
عبد الرحمن وهي غائبة فلما قدمت أتت قبره فدعت له واستغفرت . قال
وقد خرج النبي صلى الله عليه وسلم الى البقيع يستغفر لهم .

وكان صلى الله عليه وسلم اذا سلم على أهل القبور يقول: السلام عليكم
يا أهل الديار من المؤمنين والمسلمين يرحم الله المستقدمين منا والمستأخرين
وانا ان شاء الله بكم لاحقون . اللهم ارزقنا أجرهم ولا تفتنا بعدهم . والقول
في ذلك واسع تذكر ما يحضر منه . ويدل على التسليم على أهل القبور
ما جاء من السنة في التسليم على النبي صلى الله عليه وسلم وابي بكر
وعمر مقبورين . وقد أتى النبي صلى الله عليه وسلم قبور شهداء احد
فلم عليهم ودعا لهم . ومن المجموعة عن مالك انه مثل عن زيارة
القبور فقال قد كان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عنها ثم أذن فيه
فلو فعله انسان ولم يقل الا خيرا لم أربه بأسا وليس من عمل الناس .
وروى عنه انه كان يصف زيارتها . قال ابن القرطبي وانما أذن في ذلك
ليعبر بها الا لقادم من سفر وقد مات وليه في غيته فليدع له ويترحم
عليه ويؤتي قبور الشهداء باحد ويسلم عليهم كما يسلم على قبره صلى الله
عليه وسلم وعلى ضجيعيه . انتهى كلام ابن زيد في النوادر .

وما وقع في كلام ابن حبيب من قوله «ولا بأس» قد يومئ به مباح
ولكن ذلك لا ينافي كونه سنة، ولعل زيارة القبور عنده من قيل عيادة
المرضى ونحوها من القربات التي لم توضع باصلها عبادة على ما سيأتي عند
الكلام في نذر الزيارة، وإذا اريد هذا المعنى فلا يبعد الموافقة عليه فان زيارة
المرت كزيارة الاحياء وزيارة الاحياء لا يقال بانها وضعت عبادة بل
تفعل على قصد التقرب تارة فيثاب عليها وعلى غير قصد التقرب تارة فلا
يبس، وتكون اما مباحة او غير مباحة بحسب قصده .

وهكذا زيارة القبور، وجهة القرية فيها على انواع، منها الاعتبار
وهو مستحب لكل أحد، ومنها الترحم والدعاء وهو مؤكد لمن مات
قريبه في غيبته كما فعل ابن عمر حين قدم بعد موت اخيه عاصم وكان
ابن عمر اذا قدم قد مات بعض ولده قال دلوني على قبره فيدلونه
عليه فينطلق فيقوم عليه ويدعوه، رواه ابن ابي شيبة . وكما فعله
عائشة حين مات اخوها عبد الرحمن وكان قد مات بالحشي والحشي
على اثني عشر ميلا من مكة، هكذا في كتاب ابن ابي شيبة عن ابن
جريج فحمل حتى دفن بمكة قدمت عائشة من المدينة فأتت قبره فركعت
عليه فتمثلت بهذين البيتين .

وكنا كندمانى جذيمة حقة من الدهر حتى قيل لن يتصدعا
فلا تفرقنا كاني ومالكاً لطول اجتماع لم نبت ليلة معا
أما والله لو شهدتك ما زرتك ولو شهدتك ما دفتك الا في
مكانك الذي مت فيه . وروى ابن سعد في الطبقات بسنده الى ابن ابي
مليكة قال رحلت من منزلي وانا اريد منزل عائشة فلتقتني على حمار
فسألت بعض من كان معها قال زارت قبراً خيها عبد الرحمن .

وفي

وفي السير الكبير لمحمد بن الحسن تصنيف شمس الأئمة السرخسي الخنفي انها جاءت من المدينة حاجة أو معتمرة فزارت قبره، وقال في قولها لو شهدتك ما زرتك انما قالت ذلك لاطهار التأسف عليه حين مات في الغربة ولاظهار عذرها في زيارته فان ظاهر قوله صلى الله عليه وسلم لعن الله زوارات القبور، يمنع النساء من زيارة القبور قال والحديث وان كان متأولا فلحشمة ظاهره قالت ما قالت. انتهى .

ومقصودنا ان زيارة ما عدا قبر النبي صلى الله عليه وسلم بما يثاب الشخص على فعله وقديماً كد بحسب بعض الأحوال. فزيارة القريب أكد من غيره وتطلب لمعنى فيه محتص به وهو القرابة، وزيارة غير القريب ايضاً مستحبة للاعتبار والترحم والدعاء وذلك عام في كل المسلمين، وسيأتى من نصوص المالكية في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم جملة أخرى في الباب السابع، واذا زار قبراً معيناً يكون مؤدياً للسنة بما تضمنه من زيارة جنس القبور ولا نقول ان زيارة ذلك القبر الممين بمخصوصه سنة حتى يرد فيها فضل خاص او تعرف صلاحه فان زيارة جميع الصالحين قرينة كما يقولون ان الصلاة في المسجد مطلوبة ولا نقول الصلاة في مسجد بينه مطلوبة الا في الثلاثة التي شهد الشرع بها ويقوم ما هو الافضل منها كالمسجد الحرام عن غيره، واذا ظهر لك تنظير زيارة القبور باتيان المساجد فتى كان المقصود بالزيارة تذكير الموت لا يشرع فيها قصد قبر بعينه، وان صح عن اجد من العلماء انه يمنع من شد الرحال الى زيارة القبور كما نقل عن ابن عقيل و كما وقع في شرح مسلم فليحمل على هذا القسم، وكذلك اذا كان المقصود التبرك من لا يقطع له بذلك وان كنا نستحب زيارة قبور الصالحين

مز حيث الجملة ونرجو البركة بزيارتها اكثر مما يستحب زيارة مطلق القبور، واما من يقطع ببركته كقبور الانبياء، ومن شهد الشرع له بالجنة كابي بكر وعمر فيستحب قصده، ثم هم في ذلك على مراتب اعظمهم النبي صلى الله عليه وسلم كما ان المساجد المشهود لها بالفضل على مراتب اعظمها المسجد الحرام ولا تشد الرحال في هذا القسم الى قبر احد غير الانبياء .

واذا كان المقصود الدعاء من غير حق خاص لذلك الميت فلا يتعين ايضا نعم لونه نذر الميت بعينه ممن يجوز الدعاء له وجب الوفاء بالدعاء لتعلق حقه به ولا يقوم غيره مقامه كما لونه نذر الصدقة على فقير بعينه، وفي وجوب الوفاء بالزيارة مع الدعاء كما نذر نذر نظر والا قرب وجوب الوفاء لان الدعاء عند القبور مقصود كما في الدعاء لاهل البقيع، وحيث يجوز شد الرحل لاداء هذا الواجب بعد لزومه بالنذر ولا يستحب شد الرحل لهذا الغرض قبل النذر فان الدعاء لذلك الميت بعينه عند قبره لم يطلبه الشارع ولا تعلق به حق الميت، واما الزيارة لاداء الحق كزيارة قبر الوالدين فيظهر ان قصد ذلك بعينه مشروع ويجوز بل يستحب شد الرحال اليه تأدية لهذا الحق، واعظم الحقوق حق النبي صلى الله عليه وسلم على كل مسلم فيستحب شد الرحال اليه لذلك .

هذا لو لم يرد فيه دليل خاص فكيف وقد قام الاجماع على فعله خلفا عن سلف، فان قلت ما قولكم فيمن نذر زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم هل ينقذ نذره ويلزمه ذلك أم لا؟ فان مقتضى قولكم باستحبابها ان يلزم بالنذر، قلت نعم نقول بانقضاء نذره ولاوم الزيارة به وبه صرح القاضي ابن كج من اصحابنا ولم نر لغيره من الاصحاب خلافا

وقد قدمنا في الباب الرابع عن العبدى المالكى لزومه، على انه لا يلزم ان كل مستحب او قرينة يلزم بالنذر فان القربات نوعان، أحدهما قرينة لم توضع لتكون عبادة وانما هي أعمال و أخلاق مستحسنة رغب الشارع فيها لعموم فائدتها وقد يتغنى فيها وجه الله تعالى فينال الثواب كعبادة المرضى و زيارة القادمين و افشاء السلام و ما اشبه ذلك، فهذا النوع في لزومه بالنذر و جهان أصحابها اللزوم لقوله صلى الله عليه وسلم من نذر ان يطيع الله فليطعه. و من هذا النوع تشييع الجنائز و تسميت العاطس.

و النوع الثانى في العبادات المقصودة و هى التى وضعت للتقرب بها و عرف من الشرع الاهتمام بتكليف الخلق بإيقاعها عبادة كالصلاة و الصوم و الصدقة و الحج فهذا النوع يلزم بالنذر بالاجماع الا فيما يستثنى، و منهم من يغير عن النوع الاول بما لم يوجب الشرع ابتداء و عن الثانى بما اوجبه، و ادرجوا الاعتكاف في النوع الثانى و ان كان لم يجب ابتداء، و قالوا الاعتكاف لبث في مكان مخصوص، و من جنسه ما هو واجب شرعا و هو الوقوف بعرفات. و جعلوا من النوع الاول تجديد الوضوء فانه ليس في الشرع وضوء واجب بغير حدث و ليس الوضوء مقصودا لنفسه بل للصلاة. و الاصح لزوم تجديده بالنذر.

والمستثنى مما اجمع عليه صور، منها ما اذا أفرد صفة الواجب بالا لزام كتطويل القراءة و اقامة الفرائض في جماعة ففي لزومه بالنذر و جهان أصحابها اللزوم، و منها ما فيه ابطال رخصة شرعية كنذر صوم رمضان في السفر ففي لزومه و جهان أصحابها المنع، وكذلك نذر المريض القيام بتكليف المشقة في الصلاة و نذر صوم بشرط ان لا يفطر في المرض فلا يلزم بالشرط على الاصح، و اجرى الرافى الوجهين فيمن نذر القيام

فی التواقل او استيعاب الرأس بالمسح، او التلثیث فی الوضوء، او أن یسجد
للتلاوة والشکر ونحو ذلك، وجعل نذر فعل السنة الراجعة كالوتر سنة
الفجر علی الوجهین فیما اذا افردت الصفة بالنذر و الذی یتجه التسوية
بین هذا و بین استيعاب الرأس بالمسح ونحوه .

واذا نذر التیم لا ینعقد نذره علی المذهب لانه انما یؤتی به عند
الضرورة، ولونذر الصلاة فی موضع لزمه الصلاة قطعاً .

و هل یتعین ذلك الموضع وان كان المسجد الحرام تعین وان كان
مسجد المدينة تعین علی الاصح هو او المسجد الحرام، وان كان المسجد
الاقصى تعین علی الاصح هو او المسجدان، وان كان ما سواها من
المساجد والمواضع لم یتعین، ولونذر ایتان المسجد الحرام لزمه الاعلی
وجه ضعیف، ولونذر ایتان مسجد المدينة والمسجد الاقصى فیه
قولان للشافی اظهرهما عند الشافیه عدم اللزوم .

قال الشافى فی الام لان البربایان یت الله فرض والبربایان
هذین نافلة . واستدلوا لهذا القول بما روى ابو داود فی سننه عن جابر
ابن عبد الله رضى الله عنها ان رجلاً قام يوم الفتح فقال یا رسول الله
انى نذرت لله ان فتح الله عليك مكة أن اصلی فی البيت المقدس ركعتین،
قال صل هاهنا، ثم اعاد، قال صل هاهنا، ثم اعاد علیه فقال صل
هاهنا، ثم اعاد علیه فقال شأنك اذن .

وعن عمر بن عبد الرحمن بن عوف عن رجال من اصحاب النبی
صلی الله علیه وسلم بهذا الخبر زاد فقال النبی صلی الله علیه وسلم والذی
بعث محمداً بالحق لوصلت هاهنا لاجراً عنك صلاة فی البيت المقدس،
وإعلم ان الصلوة فی مكة تجرى عن الصلوة فی البيت المقدس كما قدمناه
بلا خلاف

بلاخلاف، وان قلنا بتعينه فقد يقال ان الحديث محمول على ذلك وانه لادلالة له فيه على المدعى من عدم لزوم الاتيان، ووجه الدلالة ان الصلوة في مكة تقوم مقام الصلوة في بيت المقدس لانها جنس واحد والصلوة بمكة افضل فالتضعيف الذي الزمه في بيت المقدس يحصل له في مكة وزيادة، واما المشي فامر زائد على الصلوة وهو عبادة اخرى فلولزم لما قامت الصلوة بمكة مقامه فمن لزمه الصلوة بيت المقدس من غير مشي بان كان وقت النذر بيت المقدس فلاشك ان الصلوة بمكة تجزيه، ومن نذر المشي الى بيت المقدس والصلوة فيها عبادتان فان قلنا بعدم لزوم اتيانه لم يبق عليه الا الصلوة فيجزيه الصلوة بمكة، وان قلنا يجب اتيانه فيظهر أن الصلوة لا تقوم مقامه، ومثل المسافة لومشي الى مكة مثل المسافة التي بين بيت المقدس اجزاء، وصيغة الحديث كما روينا لم يصرح فيه باتيان بيت المقدس، فيحتمل ان يقال انما التزم الصلوة فلذلك قامت الصلوة في مكة مقامها، ويحتمل ان يقال ان الناذر لما لم يكن في بيت المقدس فهو بنذره للصلوة ملتزم اتيانه بناء على ان ما لا يتم الواجب الابه فهو واجب وحيث يكون الاتيان ملتزما كما لو صرح به فلما افتاء النبي صلى الله عليه وسلم بالصلوة في مكة دل على عدم لزوم الاتيان بالنذر كما استدل به الشافعي والاصحاب .

وقد اطلنا في هذا الفصل اكثر مما يحتمله هذا المكان وظهر لك منه اذن التزامات، منها ما يلزم بالنذر بلاخلاف، ومنها ما يلزم على الصحيح، ومنها ما لا يلزم على الصحيح وظهر لك ما خذ كل قسم منها، والصحيح عندنا انه لا يشترط في المنذور ان يكون جنسه واجبا وهو مذهب مالك . والوجه الثاني لاصحابنا اشتراطه وينقل عن ابي حنيفة .

اذا عرفت هذا فزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم قرينة لحث الشرع عليها وترغيب فيها وقد قدمنا ان فيها جهتين جهة عموم وجهة خصوص، فاما من جهة الخصوص وكون الادلة الخاصة وردت فيها بعينها فيظهر القطع بلزومها بالنذر الحاقا لها بالعبادات المقصودة التي لا يؤتى بها الا على وجه العبادة كالصلوة والصدقة والصوم والاعتكاف ولهذا المعنى والله اعلم قال القاضي ابن كعب رحمه الله اذا نذر ان يزور قبر النبي صلى الله عليه وسلم فعندى انه يلزمه الوفاء وجهها واحدا .

ولو نذر ان يزور قبر غيره ففيه وجهان ، قلت وما قاله من القطع بلزوم الوفاء بها هو الحق لما قدمناه من الادلة الخاصة عليها وتردده في قبر غيره يحتمل ان يكون محله عند الاطلاق اوسواء لو عين أم لا تشيها لذلك بزيارة القادمين وافشاء السلام ونحو ذلك مما لم يوضع قرينة مقصودة وان كان قرينة. وعلى هذا يكون الاصح لزومه بالنذر كما في تلك المسائل. ويحتمل ان يكون محله عند التعيين فان زيارة قبر معين من غير الانبياء لا قرينة فيها بخصوصها كما سبق عند الكلام في اغراض الزيارة، واما اذا نظرنا الى زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم من جهة العموم خاصة واجتماع المعاني التي تقصد بالزيارة فيه فيظهر ان يقال ايضا انه يلزم بالنذر قولاً واحداً .

ويحتمل على بعد أن يقال انه كما لو نذر زيارة القادمين وافشاء السلام فيجربى في لزومها بالنذر ذلك الخلاف مع كونها قرينة في نفسها قبل النذر وبعده، وقد بان لك بهذا انها تلزم بالنذر وانه على تقدير ان يقال لا تلزم بالنذر لا يخرجها ذلك عن كونها قرينة، ومن يشترط في المنذور انه يكون مما وجب جنسه بالشرع ويقول ان الاعتكاف

كذلك (۱۲)

كذلك لوجوب الوقوف قد يقول ان زيارة النبي صلى الله عليه وسلم واجب جنسها وهي الهجرة اليه في حياته قد ظهر بهذا ان كل ما يلزم بالنذر قرية وليس كل قرية تلزم وزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم من القرب التي تلزم بالنذر .

ولو ثبت عن أحد من العلماء انه يقول لا تلزم بالنذر لم يكن في ذلك ما يقتضي انه يقول انها ليست بقرية، وقد وقعت على كلام بعض المتصين للباطل قال فيه ان القاضي اسماعيل قال في المبسوط انه روى عن مالك انه سئل عن نذر أن يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم فقال لن يكون أراد مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم فليأته وليصل فيه، وإن كان أراد القبر فلا يصل الحديث الذي جاء لا يصل المحلى الا الى ثلاثة مساجد .

وهذه الرواية ان صحت عن مالك يجب تأويلها على وجه لا يمنع كون الزيارة قرية جماعتها ومن ما ثبت عنه وعن جميع العلماء وجميع المسلمين وهذه الرواية تحتل وجوها .

أحدها ان تكون من القرب التي لا تلزم بالنذر كما ان اتيان مسجد قبله لمن كان في المدينة لوقريا منها قرية عند جميع العلماء ولا يلزم بالنذر عند جمهور العلماء الا ما روى عن محمد بن مسلمة المالكى انه قال يلزومه بالنذر .

الثاني الجواب المذكور ولكن بالنسبة الى بيد خاصة كاذل عبه فيه الكلام من الاستدلال بالحديث الذي جاء لا يصل المحلى الا الى ثلاثة مساجد، فيكون المراد انه اذا نذر السفر اليه لا يلزم ولا يمنع ذلك كون السفر اليه قرية بخير النذر كسجد قباء في حق القرب

عند غير محمد بن مسلمة ولا يمنع ايضا من لزوم الزيارة في حق القريب كما قاله محمد بن مسلمة في مسجد قبا. وهذا الوجه هو اقرب التأويلات على قواعد مالك رحمه الله تعالى .

قال في (التهذيب للسائل المدونة) من قال على ان آتى المدينة او بيت المقدس او المشى الى المدينة او بيت المقدس فلا يأتيها حتى ينوى الصلاة في مسجديها او يسميها فيقول الى مسجد الرسول ومسجد ايلياء وان لم ينو الصلاة فيها فلا يأتيها راكبا ولا هدى عليه وكأنه لما سماهما قال لله على ان اصلى فيها ولونذر الصلاة في غيرهما من مساجد الامصار صلى بموضعه ولم يأتها، ومن نذر أن يربط او يصوم بموضع يتقرب بآتيانه الى الله تعالى كعسقلان والاسكندرية لزمه ذلك فيه، وان كان من اهل مكة والمدينة ولا يلزم المشى الا من قال على المشى الى مكة او بيت الله او المسجد الحرام او الكعبة او الحجر او الركن. انتهى كلام التهذيب، وهو يدل على انه انما يلزم اتيان المدينة اذا سمى مسجدها او نوى الصلاة فيه فاعدا هذا لا يلزم بالنذر وان كان قرية.

الثالث انا قد منا ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم مطلوبة بالخصوص للاحاديث التي صدرنا بها هذا الكتاب ولعمل السلف والخلف ومطلوبة بالعموم لاندراجها تحت الاحاديث الصحيحة المشهورة في زيارة القبور وال لزوم بالنذر ظاهر من الجهة الاولى، واما من الجهة الثانية فقد قد منا ان مقاصد الزيارة متعددة وزيارة القبور من حيث الجملة كزيارة القادمين وقد قد منا في لزوم زيارة القادمين بالنذر خلافا مع القطع بكونها قرينة وزيارة القبور من حيث الجملة مثله وزيارة قبر معين ان قصد بها الدعاء له او اداء حقه ظاهر للزوم لحق الميت وان قصد التبرك بظهور الزوم .

اللزوم ايضا في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وتعينه دون غيره وان قصد الاتعاظ لم يتعين وكان لزوم اصل الزيارة على الخلاف وان لم يقصد شيئا فأبعد عن اللزوم . والسائل لمالك رحمه الله انما ذكر مجرد الاتيان فلعل مالكا لم يلزمه لذلك ولعل مالكا رحمه الله لم تبلغه الاحاديث الخاصة الواردة في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم على الخصوص وانما يدرجه تحت الاحاديث الواردة في زيارة القبور وان كان هو اشرفها واحقها بالزيارة ولا يلزمه بالنذر لذلك في حقه ولا في حق غيره .

الرابع ان اتيان القبر قد يقصد زيارة من فيه وهو الذي نقول بانه قرية وهو الذي يقصده الناس غالبا، وقد يقصد زيارة المكان في نفسه لشرفه وهذا لا نقول بانه قرية الا فيما شهد الشرع به فلعل مالكا رحمه الله اجاب على ذلك . ويدل على ان هذا مراده استدلاله بالحديث الذي جاء ولا تعمل المظني الا الى ثلاثة مساجد . وسنين بيانا واضحا ان الحديث انما هو في السفر للامكنة لا للمقاصد التي فيها ومالك اجل واعلم واوسع باعا واعلى كعبا من ان يخفى عنه ذلك فاستدلاله به يدل على انه اراد المكان فيكون مراده ان زيارة القبر من حيث هو تلك البقعة ليس بقرية وهو يوافق ما حمل القاضي عياض عليه قوله زرت قبر النبي صلى الله عليه وسلم وحيثنذ فاما ان نوافق مالكا رحمه الله على ذلك عملا بقوله صلى الله عليه وسلم ولا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد .

ونحمل قوله من زار قبري على ان المراد من زارني في قبري كما هو الظاهر المتبادر الى الفهم . واما ان يقال ان زيارة قبره ايضا

قربة بقوله من زار قبري وهذا اخص من قوله لاتشد الرحال فيخص به الا ان كلامهما اعم واخص من وجه فلا يقضى بتخصيص احدهما للآخر ، والاولى ان المراد بقوله من زار قبري من زارني في قبري ويكون قصد البقعة نفسها ليس بقربة كما اقتضاه كلام مالك رحمه الله فقد بان بهذا معنى كلام مالك رحمه الله وانه ليس فيه ما يقتضى ان الزيارة ليست بقربة ولا ان السفر اليها ليس بقربة بل هي قربة عند جميع العلماء ولهذا لو نذر الاتيان الى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم وقلنا بانه يلزمه وانه يشترط ضم قربة الى الاتيان قال الشيخ ابو علي السنجي من اصحابنا انه يكتفى بالزيارة ، وقال الرافعي انه الظاهر وتوقف فيه الامام من جهة ان الزيارة لا تتعلق بالمسجد وتعظيمه وليس توقفه لكون الزيارة ليست قربة هذا لم يقله احد . وقد قدمنا في الباب الرابع من كلام العبدى المالكي التصريح بان المشى الى المدينة للزيارة افضل من الكعبة ومن بيت المقدس .

الباب السادس

في كون السفر اليها قربة

وذلك من وجوه ، أحدها الكتاب العزيز في قوله تعالى (ولوا انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك) الآية وقد تقدم تقريرها في الباب الخامس والمجىء صادق على المجىء من قرب ومن بعد يسفر وبغير سفر ولا يقال ان جاؤك مطلق والمطلق لادلالة له على كل فرد وان كان صالحا لها ، لانا نقول هو في سياق الشرط فيعم فمن حصل منه الوصف المذكور وجد الله توابا رحيمًا .

الثاني السنة من عموم قوله من زار قبري فانه يشمل القريب

والبعيد

والبعيد والزائر عن سفر وعن غير سفر كلهم يدخلون تحت هذا العموم لاسيما قوله في الحديث الذي صححه ابن السكن . من جاء في زائرا لا عمله حاجة الا يبارتي . فان هذا ظاهر في السفر بل في تمحيض القصد اليه وتجريده عما سواه وقد تقدم ان حالة الموت مرادة منه اما بالعموم واما انها هي المقصود .

و الثالث من السنة ايضا لنصها على الزيارة ولفظ الزيارة يستدعي الانتقال من مكان الزائر الى مكان المزار كلفظ المجيء الذي نصت عليه الآية الكريمة فالزيارة اما نفس الانتقال من مكان الى مكان بقصدها واما الحضور عند المزار من مكان آخر وعلى كل حال لا بد في تحقيق معناها من الانتقال ولهذا ان من كان عند الشخص دائما لا يحصل الزيارة منه ولهذا تقول زرت فلانا من المكان الفلاني وتقول زرنا النبي صلى الله عليه وسلم من مصر او من الشام فتجعل ابتداء زيارتك من ذلك المكان فالسفر داخل تحت اسم الزيارة من هذا الوجه فاذا كانت كل زيارة قربة كان كل سفر اليها قربة ، وايضا فقد ثبت خروج النبي صلى الله عليه وسلم من المدينة لزيارة القبور واذا جاز الخروج الى القريب جاز الى البعيد فهاورد في ذلك خروجه الى البقيع كما هو ثابت في الصحيح وقد ذكرته في الباب السابع من هذا الكتاب .

وخروجه صلى الله عليه وسلم لقبور الشهداء روى ابوداود في سننه عن طلحة بن عبيد الله قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم نريد قبور الشهداء حتى اذا اشرفنا على حرة واقم فلما تدلينا منها فاذا قبور بمجبة قال قلنا يا رسول الله اقبور اخواننا هذه ؟ قال قبور اصحابنا فلما جئنا قبور الشهداء قال هذه قبور اخواننا . واذا ثبت

مشروعية الانتقال الى قبر غيره فقبره صلى الله عليه وسلم اولى .
 الرابع الاجماع لا طباق السلف والخلف فان الناس لم يزالوا في كل عام اذا قضوا الحج يتوجهون الى زيارته صلى الله عليه وسلم ومنهم من يفعل ذلك قبل الحج هكذا شاهدناه وشاهده من قبلنا وحكاه العلماء عن الاعصار القديمة كما ذكرناه في الباب الثالث وذلك امر لا يرتاب فيه وكلهم يقصدون ذلك ويعرجون اليه وان لم يكن طريقهم ويقطعون فيه مسافة بعيدة وينفقون فيه الاموال و يذلون فيه المهج معتقدين ان ذلك قرية وطاعة . واطباق هذا الجمع العظيم من مشارق الارض ومغاربها على عمر السنين وفيهم العلماء والصلحاء وغيرهم يستحيل ان يكون خطأ وكلهم يفعلون ذلك على وجه التقرب به الى الله عزوجل ومن تأخر عنه من المسلمين فانما يتأخر بعجز او تعويق المقادير مع تأسفه عليه ووده لو تيسر له ، ومن ادعى ان هذا الجمع العظيم مجمعون على خطأ فهو المخطئ .

فان قلت ان هذا ليس بما يسلمه الخصم لجواز ان يكون سفرهم ضم فيه قصد عبادة اخرى الى الزيارة بل هو الظاهر كما ذكر كثير من المصنفين في المناسك انه ينبغي ان ينوى مع زيارته التقرب بالتوجه الى مسجده صلى الله عليه وسلم والصلاة فيه والخصم ما انكر اصل الزيارة انما اراد ان يبين كيفية الزيارة المستحبة وهي ان تضم اليها قصد المسجد كما قاله غيره .

قلت اما المنازعة فيما يقصده الناس فن انصف من نفسه وعرف ما الناس عليه علم انهم انما يقصدون بسفرهم الزيارة من حين يعرجون الى طريق المدينة ولا يخطر غير الزيارة من القربات الايال قليل

منهم

منهم ثم مع ذلك هو مغفور بالنسبة الى الزيارة في حق هذا القليل
وغرضهم الاعظم هو الزيارة حتى لو لم يكن ربما لم يسافروا ولهذا
قل القاصدون الى بيت المقدس مع تيسراتيانه وان كان في الصلوة فيه
من الفضل ما قد عرف فالمقصود الاعظم في المدينة الزيارة كما
ان المقصود الاعظم في مكة الحج او العمرة وهو المقصود او معظم
المقصود من التوجه اليها وانكار هذا مكابرة، ودعوى كون هذا
الظاهر اشد وصاحب هذا السؤال ان شك في نفسه فليسأل من كل
من توجه الى المدينة ما قصد بذلك . . .

واما ما ذكره المصنفون في المناسك فانهم لم يريدوا به انه شرط
في كون السفر للزيارة قرينة ما قال هذا احد منهم ولا توهمه ولا اقتضاه
كلامه وانما ارادوا انه ينبغي ان يقصد قرينة اخرى ليكون سفرا الى
قربتين فيكثر الاجر بزيادة القرب حتى لو زاد من قصد القربات زادت
الاجور كأن يقصد مع ذلك زيارة شهداء احد وغير ذلك من القرب
التي هناك . و ارادوا بالتية على ذلك انه قد يتوهم ان قصد قرينة اخرى
قادر في الانبلاء . . . على هذا المعنى ولهذا

ابن الصلاح ولا يلزم من هذا خلل في زيارته على
ما لا يخفى فمن تخيل ان مرادهم ان شرط كون سفر الزيارة قرينة ضم
قصد قرينة اخرى اليه فقد أخطأ خطأ لا يخفى على احد ممن له فهم .
وقولك ان الخصم انما اراد أن يبين كيفية الزيارة المستحبة وهو ان
يضم اليها قصد المسجد كما قاله غيره ، ان غيره لم يقل ذلك ولأدل
عليه كلامه ولا اراده .

الخامس ان وسيلة القرينة قرينة فان قواعد الشرع كلها تشهد

بأن الوسائل معتبرة بالمقاصد قال صلى الله عليه وسلم ، ألا أدلكم على ما يمحو الله به الخطايا وترفع به الدرجات قالوا بلى يا رسول الله قال اسبغ الوضوء على المكاره وكثرة الخطى إلى المساجد وانتظار الصلاة بعد الصلاة فذلكم الرباط فذلكم الرباط ، رواه مسلم ، والخطى إلى المساجد إنما شرفت لكونها وسيلة إلى عبادة .

وقال صلى الله عليه وسلم إذا توضأ فأحسن الوضوء ثم خرج إلى المسجد لا يخرجه إلا الصلاة لم يخط خطوة إلا رفعت له بها درجة وحط عنه بها خطيئة . رواه البخاري ومسلم .

وقال صلى الله عليه وسلم اعظم الناس أجرا في الصلاة ابدعهم فأبدعهم ، رواه البخاري ومسلم . وقال رجل ما يسرنى أن منزلنى إلى جنب المسجد أنى أريد أن يكتب لى ممشى إلى المسجد ورجوعى إذا رجعت إلى أهلى . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم قد جمع الله لك ذلك كله . رواه مسلم . وقال جابر كانت ديارنا نائية من المسجد فاردنا أن نبيع بيوتنا فنقرب من المسجد فنهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال إن لكم بكل خطوة درجة . رواه مسلم .

وقال صلى الله عليه وسلم من تطهر في بيته ثم مشى إلى بيت من بيوت الله ليقضى فريضة من فرائض الله كانت خطواته أحداهما تحط خطيئة والاخرى ترفع درجة . رواه مسلم ، وقال صلى الله عليه وسلم من غدا إلى المسجد أو راح أعد الله له نزلا كلما غدا أو راح ، رواه البخاري ومسلم .

وقال صلى الله عليه وسلم من خرج من بيته متطهرا إلى صلاة مكتوبة فأجره كأجر الحاج المحرم ، ومن خرج إلى تسبيح الضحى لا يصبه

الا اياه فأجره كأجر المعتبر رواه ابو داود . وقال صلى الله عليه وسلم
 «بشر المشائين في الظلم الى المساجد بالنور التام يوم القيامة» رواه ابو داود
 والترمذى وابن ماجه . وفي رواية : اولئك الخواضون في رحمة الله . وقال
 صلى الله عليه وسلم «من غسل واغتسل وغدا وابتكر ودنا من
 الامام ولم يبلغ كان له بكل خطوة عمل سنة صيامها وقيامها» رواه
 ابو داود . وفي رواية ومشي ولم يركب . وقال صلى الله عليه وسلم من
 أتى اخاه المريض عائدا مشى في غرفة الجنة حتى يجلس فاذا جلس
 غمّرت الرحمة . وقال صلى الله عليه وسلم من عاد مريضا او زار اخاه
 في الله ناداه مناد من السماء ان طبت وطاب ممشاك وتبأت من الجنة
 منزلا . رواه الترمذى وابن ماجه وقال الترمذى حسن غريب .

فهذه الاحاديث كلها تدل على ان وسائل القربة قربة وكيف
 يتأتى نزاع في ذلك والشرعية كلها طالحة به والقرآن ناطق به قال
 تعالى (ومن يخرج من بيته مهاجرا الى الله ورسوله ثم يدركه الموت
 فقد وقع أجره على الله) وهذه الآية يحسن ان تكون دليلا على المقصود
 فان المسافر لزيارة رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج من بيته مهاجرا
 الى الله ورسوله : وقال تعالى (ذلك بأنهم لا يصيبهم ظمأ ولا نصب
 ولا مخمصة في سبيل الله ولا يطارون موطأ يغيظ الكفار ولا ينالون من
 عدو نيلا الا كتب لهم به عمل صالح ان الله لا يضيع أجر المحسنين
 ولا ينفقون نفقة صغيرة ولا ينقطعون واديا الا كتب لهم ليجزيهم الله
 احسن ما كانوا يعملون) .

فهذه الامور كلها انما كتبت لهم وكتب لهم بها اجر لانها وسيلة
 الى الجهاد في سبيل الله بل الجهاد نفسه انما شرف لكونه سببا لاعلاء

كلمة الله وكذلك جميع ما طلبه الشرع مما هو معقول المعنى فهو وسيلة لذلك المعنى المعقول منه وبسببه طلب، وقد نقل الاصوليون الاجماع على ان من مشى من مسكان بعيد حتى حج كان افضل ممن حج من مكة، وفي الحديث عن الله تعالى: يعنى ما يتحمل المتحملون من اجلى. ولا شك ان المتوصل الى قرية بمباح فيه مشقة كاليفر وغيره متحمل لتلك المشقة من اجل الله تعالى فهو بعين الله تعالى والله ناظر اليه وجازيه على سعيه: بل المباح الذى لا مشقة فيه وفيه راحة للنفس اذا قصد به التوصل الى قرية حصل له به اجر كمن نام ليتقوى على قيام الليل او اكل ليتقوى على الطاعة ولهذا ورد في الاثر انى احتسب نومتى كما احتسب قومى .

و تكلم العلماء فى ان الثواب فى هذا القسم على القصد خاصة او على الفعل و الاقرب الثانى و يشهد له قوله صلى الله عليه وسلم فى الحديث الصحيح: انك لن تنفق نفقة تبتقى بها وجه الله حتى النعمة ترفضها الى فى امر اتك الا ازددت رفة ودرجة، فهذا يشهد لانه يؤجر على المباح اذا اقترن بالنية، وكذلك الحديث الصحيح انه يضع شهوته فى الحلال وله فيها اجر، وحاصلها ان العبادات اربعة اقسام .

احدها ما وضعه الشرع عبادة اما تعبدا و اما لمعنى يحصل بها كالصلوة و الصوم و الصدقة و الحج فهذا متى صح كان قرينة و لا يمكن وجوده شرعا على غير وجه القرينة .

و ثانيا ما طلبه الشرع من مكارم الاخلاق كالفشاء، السلام ونحوه لما فيه من المصالح و هذا مقصود الشارع فاذا وجد منه الامثال كان قرينة و ان وجد بدونها كان من جملة المباحات .

و ثالثها ما لا يستقل بتحصيل مصلحة و لا يفعل الا على وجه التوصل

به الى غيره كالشي ونحوه فهذا لا يقع غالبا الاعلى وجه الوسيلة فيكون بحسب ما يقصد به ، ان قصد به حرام كان حراما أو مباح كان مباحا او قرينة كان قرينة وان وقع من المكلف لا يقصد أصلا كان عبثا فيكون مكروها ولا نزاع في هذا القسم انه اذا قصد به القرينة كان قرينة وهو القسم الذي نحن بصددده وتصدينا لتقرر كونه قرينة .

ورابعها ما وضع مباحا مقصودا لتحصيل المصالح الدنيوية كالاكل والشرب والنوم لمصلحة الابدان فهذا ان حصل بغير نية او بنية دنيوية كان مستوي الطرفين وان حصل بنية دينية حصل الأجر ، اما على النية وحدها كما ذكره بعض العلماء ، واما على النية مع الفعل وهو الحق لما سبق ، وهذا القسم الرابع اخفض رتبة من الوسيلة كما ان الوسيلة اخفض رتبة من القسمين الاولين فقد تقرر بهذا ان وسيلة القرينة قرينة والسفر لقصد الزيارة وسيلة اليها فتكون قرينة .

فان قلت قد يقول الخصم الزيارة قرينة في حق القريب خاصة اما البعيد الذي يحتاج الى سفر فلا وحيتث لا يكون السفر اليها وسيلة الى قرينة في حقه وانما تكون الوسيلة قرينة اذا كانت يتوصل بها الى قرينة مطلوبة من ذلك الشخص المتوصل ، قلت الزيارة قرينة مطلقا في حق القريب والبعيد فان الادلة الدالة عليها غير مفصلة ، ومن ادعى تخصيص العام بغير دليل قطعنا بخطائه .

فان قلت . فالصلوة مطلقا قرينة والسفر اليها ليس بقرينة الا الى المساجد الثلاثة ، قلت قد يكون الشيء قرينة وانضمامه الى غيره ليس بقرينة فالصلوة في نفسها قرينة وكونها في مسجد بعينه غير الثلاثة ليس بقرينة فالسفر اليه وسيلة الى ما ليس بقرينة .

فان قلت لو كانت وسيلة القرية قرية مطلقا لكان النذر قرية
لانه وسيلة الى ايقاع العبادة واجبة والواجب افضل من النفل
والنذر مكروه لان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن النذر وقال انه
لا يأتي بخير وانما يستخرج به من البخل، قلت جعل النفل فرضا ليس
بقربة بل هو مكروه لما فيه من الخطر والتعرض للآثم بتقدير الترك
ووقوع العبادة ممكن بغير النذر فلم يحصل بالنذر الا التعرض للخطر
والخرج على انا نقول ان وسيلة القرية قرية من حيث هي موصلة
لذلك المطلوب وقد يقترب بها امر عارض يخرجها عن ذلك كمن مشى
الى الصلوة في طريق مغصوب، والمدعى ان الفعل اذا كان مباحا
ولم يقترب به الا قصد القرية به كان قرية وهذا لا يستثنى منه شيء .

فان قلت كيف تجزمون بهذا وقد اشتهر خلاف الاصوليين في
ان الامر بالشئ امر بما لا يتم الا به او لا ومقتضى ذلك ان يجري خلاف
في ان وسيلة المندوب هل هي مندوبة او لا ؟ قلت ، سنين في آخر
الكلام ان كون الفعل قرية اعم من كونه مأمورا به وتبدأ او لا
بالكلام على كون هذا السفر مأمورا به امر ندب فتقول : ما لا يتم
المأمور به الا به ينقسم الى شرط في وجوده . والى ما هو شرط للعلم
بوجوده كغسل جزء من الرأس للعلم بغسل الوجه ، والخلاف في القسم
الثاني قوي وليس مما نحن فيه .

واما القسم الاول وهو ما كان شرطاً اوسياً لوجود المأمور به
كالذي نحن فيه ونعبر عنه بالمقدمة فالجمهور على انه مأمور به واجب
لوجوب المقصد وخالف في ذلك فريقان من الاصوليين فرقة خالفوا
في الشرط ولم يخالفوا في السبب : وفرقة خالفوا في الشرط والسبب
جميعا .

بجميع جمعا، وربما نقل الخلاف في ذلك عن الواقعية وانهم لم يحزموا في ذلك
 شيء بل توقفوا على عاداتهم وربما نقل الجزم بعدم الوجوب، وكلا القولين
 ان اخذ بالنسبة الى دلالة اللفظ وان دلالة لفظ الامر بالمقصود قاصرة
 عن دلالة عن الامر بالمقدمة فيسهل الامر فيه ولا يمنع عدم دلالة
 غيره ولا ينفى ذلك كون مقدمة الامر به مأمورا بها لدليل عقلي.
 وان اخذ بالنسبة الى انه اذا ترك يعاقب على ترك المقصد خاصة
 ولا يعاقب على ترك المقدمة فقريب ايضا ولكنه انما يبقى الوجوب
 لا التنبه وكلامنا في التنبه، وان اخذ بالنسبة الى ان الشيء الذي
 ورد الامر به مطلقا لا يجب الاعتد وجود شرطه كما صرح به بعض
 متأخري الاصوليين، فهذا قول باطل لم يتحقق القول به عن أحد من الائمة
 المعتمد على كلامهم، وقواعد الشريعة تقطع بطلانه ولا شك ان الائمة
 المعبرين الذين هم ائمة الفتيا على خلافه ومستند من فرق بين السبب
 والشرط ان ايجاب المسبب لو كان مقيدا بحال وجود السبب لكان
 ايجابا لتحصيل الحاصل لان المسبب حاصل مع السبب بخلاف الشرط
 وقد اطنا في ذلك والمقصود ان الزيارة اذا كانت مندوبة في حق
 البعيد والسفر شرط لها كان مندوبا وهذا لم يحصل فيه نزاع بين العلماء.
 فان قلت هل تقولون ان كل سفر للزيارة مندوب او مطلق السفر
 لها، قلت قد تقرر في اصول الفقه ان الامر بالمأمة الكلية ليس امرا
 بشيء من جزئياتها ولكنه مأمور بجزئ من الجزئيات لابعينه لانه
 لا يتحقق الاتيان بالكلية بدونه وهو مخير في تعيين ذلك الجزئ فاذا
 أتى بجزئ معين خرج عن عهدة الامر وتقول انه أتى بالمأمور به
 وهو الكل والجزئ لابعينه، واما هذا الجزئ المعين فلا يقول انه

مأموره لانه مخیر فيه ولكنه قرية وطاعة لانه فعل لامثال الامر
فكل سفر يقع بقصد الزيارة ولم يقترب به قصد محرم او مكروه فهو
قرية لكونه موصلا الى قرية وبه يحصل اداء السفر المأموره لانه
حاصل في ضمن ذلك الشخص ولا تقول ان ذلك الشخص هو المأموره
لان الامر انما يتعلق بكل واحد وهذا جزئي لكنه قرية لكونه قصد به القرية
وسيلة اليها فالقرية تصدق على الكلي والجزئي والطلب لا يتعلق
الا بكلي والسفر المعين وسيلة الى الزيارة وليس شرطا فيها ومطلق
السفر للزيارة وسيلة وشرط ومطلق السفر شرط وقد لا يقصد به
التوسل فلا يسمى وسيلة .

فان قلت : هل المقدمة هي الوسيلة او غيرها ؟ قلت المقدمة ما
يتوقف عليها الشيء . وقد علمت خلاف الاصوليين في انها هل تجب
بوجوب ذلك الشيء اولا وذلك خارج عن كونها قرية اولست بقرية
فان الذي يتوقف عليه الفعل قد يفعل بقصد القرية فيكون قرية
وقد يفعل لا بقصد القرية فلا يكون قرية فن مشى الى مكة لمقصد غير
صالح ثم حج لم يكن سفره قرية ولكن سقط عنه الامر بالمقدمة
لزوال السبب المقتضى لوجوبها .

واما الوسيلة فقال الجوهري الوسيلة ما يتقرب به الى الغير والجمع
الوسل والوسائل والتوسيل والتوسل واحد يقال وسل فلان الى ربه وسيلة
وتوسل اليه بوسيلة اذا تقرب اليه بعمل . انتهى كلام الجوهري .
فاسم الوسيلة اذا اطلق على المقدمة فهو من حيث كونها يتقرب بها
لامن حيث كونها متوقفا عليها بل قد يكون المقصد متوقفا على الوسيلة
بينها فيجری فی وجوبها الخلاف السابق ، وقد لا يتوقف المقصد عليها

بينها بل على ما هو أعم منها ويختارها العبد للتوسل بها، وقد لا يتوقف المقصد عليها أصلاً في نفس الأمر ولكن يقصد العبد أوتوهم توقفه أو خطر ياله أنها موصلة إليه ولم يخطر بباله أمر آخر ففى كل هذه الأحوال يسمى وسيلة وقربة لايجرى فيها الخلاف الاصولى، فالوسيلة لا تطلق على المقدمة حتى يقصد بها التقرب الى المقصود ولا تسمى وسيلة بدون هذا القصد الا على سبيل المجاز بمعنى انها صالحة للتوسل ومراد الاصوليين بالمقدمة ما يتوقف عليها الشيء سواء أقصد بها التوصل اليه أم لا، فينهما عموم وخصوص من وجه .

ولوسلنا ان الوسيلة مرادفة للمقدمة فلا شك انها لا تكون قربة حتى يقصد بها التقرب الى قربة فرادنا بقولنا وسيلة القربة قربة هذا المعنى، ومن هنا يظهر أن كون الشيء قربة غير كونه واجبا ومندوبا فان الحكم بالايجاب أو الندب انما هو على الماهية الكلية وكل ما وجد فى الخارج مشخص لا يتعلق الطلب به بخوصه فلا يحكم عليه بخوصه بانه واجب لكنه مؤد للواجب فى ضمنه والحكم بكون الشيء قربة تارة يكون باعتبار حقيقته وهو ما وضع لان يتقرب به فيكون كذلك، وتارة يكون باعتبار ما قصد به التقرب فيطلق على الفعل بعد تشخصه .

اذا عرف ذلك فهنا اعتبارات ، أحدها مطلق السفر ، والثانى السفر الى المدينة ، والثالث السفر الى المدينة بقصد القربة ، وكل واحد من القسمين الاولين ليس مطلوباً ولا قربة من حيث هو وانما قد يطلب طلب الوسائل لغيره ، والقسم الثالث مطلوب وقربة ويتفاوت مراتبه بحسب تفاوت القربة المقصودة به فانها قد تكون الزيارة وقد تكون قربة اخرى كالصلاة فى المسجد ونحوها، وقد تكون

مجموع ذلك او القدر المشترك بينها وهو مطلق القرية، وكل من هذه الاربعة قرية لما قررناه، ولان السفر الى المدينة لم يكن قرية لمطلق كونه سفرا او سفرا الى المدينة وانما كان لعلته وهي قصد القرية وحيث وجدت العلة وجد المعلول، ولا فرق في الحكم بالقرية على كل واحد من الاربعة بين ان يوجد كلياً او جزئياً مشخصاً لما قدمناه .

واما الحكم بكونه مطلوباً او مندوباً اليه بخصوصه فلا يتعلق بمشخص منها كان ولا بواحد من الاربعة بعينه وانما يتعلق بواحد منها لا بعينه ومهما وجد منها كان قرية يتأدى المأمور به في ضمنه وهذا التقسيم وحكم كل واحد منها لا يتأتى فيه نزاع بين العقلاء سواء قلنا مقدمة المأمور به مأمور بها ام لا وهكذا حكم كل كلى طلبه الشرع ولم ينص على انواعه، واما خصال الكفارة فقل ان الواجب فيها القدر المشترك بين الخصال فيأتى في انواع الخصال ما قلناه في الجزئيات، والمشهور ان كل خصلة واجبة بعينها على تقدير ان لا يأتى بغيرها ففى فعلها وقعت واجبة بخصوصها لنص الشرع عليها اعنى خصوص العتق مثلاً بالنسبة الى الاطعام والكسوة، واما اعتاق الرقبة المعينة فهو كاشخاص الكلى بلا اشكال فيأتى فيه ماسبق من البحث .

فان قلت : السفر ينقسم الى ما يقصده المسافر ضم عبادة اخرى الى الزيارة كصلوة واعتكاف في مسجده صلى الله عليه وسلم ولا اشكال في كونه قرية والى ما يقصد قصره على قصد الزيارة لا غير، والنزاع انما هو في هذا والى ما يعرى عن القصدين واستدلالكم بكون وسيلة القرية قرية فيه نظر لان توقف الشئ على الاعم لا يستلزم توقفه على الاخص وزيارة من كان على مسافة بعيدة انما يتوقف على سفر من

الاسفار الثلاثة المذكورة لاعلى القسم الثانى ليم ما ذكرتم، قلت هذا خاف من الكلام لانك ان لم تقل بان وسيلة القرية قرية فلا حاجة بك الى هذا الاستدلال والتقسيم، وقل ان وسيلة القرية ليست بقرية وحيث يرد عليك ما لا قبل لك به بما قدمناه من الاستدلال على كون وسيلة القرية قرية وذلك امر معلوم من الشرع، ثم يلزمك ان السفر للزيارة وقرية اخرى لا تكون قرية على زعمك لانه انما يكون قرية لكونه وسيلة الى قرية وان كنت تقول بان وسيلة القرية قرية فما وجه النظر بعد تقرير كون الزيارة قرية، واحتجاجك بان توقف الشئ على الاعم لا يستلزم توقفه على الاخص عجيب جدا لانك ان فرت الوسيلة بما يفعل لتصد التقرب الى المقصود كما فسرناه كان كل واحد من السفر الذى قصد به الزيارة مع قرية اخرى والسفر الذى قصد به الزيارة فقط قرية لانه قصد به التوصل الى قرية فوجب ان يكون قرية سواء كانت الزيارة متوقعة على عينه ام لا فالفرق بين القسمين باطل قطعا.

وان فرت الوسيلة بما يتوقف عليه المقصود كما يشعر به ظاهر كلامك فان اخذته بشرط قصد القرية معه وجعلت علة القرية ذلك القصد بعد الكلام وكان كل من القسمين قرية لان الموجب لجعله قرية قصد القرية وهو موجود فى القسمين، وان جعلت العلة التوقف وقلت انه يتوقف على الاعم لاعلى الاخص لزمك ان تقول القرية ما هو اعم من السفرين وخصوص كل منهما ليس بقرية هربك بين القسمين لاوجه له، وان اخذته مجردا فهو باطل لانه يدخل فيه مطلق السفر ولم يقل احد بانه قرية فان السفر من حيث هو هو مباح وانما

تعرض له القربة بعله قصد القربة. فحيث حصلت تلك العلة حصل معلولها
وحيث لا فلا ففرقك بين قربة وقربة لاوجه له .

فقد بان بهذا انه بعد العلم بكون الزيارة قربة وبكون وسيلة
القربة قربة يقطع بان السفر للزيارة قربة سواء ضم معه قصد قربة اخرى
ام لا، والشك في ذلك انما يكون للشك في احدى المقدمتين و تقرير
السؤال محتمل على كل تقدير، وليس لك ان تقول ان السفر للزيارة
المجردة داخل تحت النهي بقوله لاتشد الرحال و السفر لها والمسجد
سفر للمسجد فكان مباحا للحديث لانا سنين معنى الحديث وانه لايشمل
الزيارة. وبتقدير ان يكون السفر للزيارة منها عنه فالسفر لها والمسجد
ينبغي ان يكون منها عنه على هذا البحث لتركيه من منهي عنه وغيره
وايضا فان هذا يدل على انك لا تقول بان وسيلة القربة قربة فكان
يكفيك من الاول ان تقول ان وسيلة القربة ليست قربة وانما كان
السفر في القسم الاول قربة لدليل آخر، فانتقالك الى هذا التطويل
لافادة فيه فعلى كل تقدير هذا الكلام ساقط .

واما السفر العارى عن القصدين المذكورين فيدخل فيه السفر
لقربة غير الزيارة فقط والسفر المباح والسفر لغيرهما ولا حاجة بنا
الى الكلام في ذلك، واما قولك في القسم الثانى من اقسام السفر ما يقصد
به قصره على قصد الزيارة لاغير فهذه العبارة تحتل أمرين .

أحدها ان يقصد الزيارة ويقصد أن لايفعل معها قربة اخرى من
تحية المسجد ولاغيرها وهذا الامر لايقصده عاقل غالبا وليس هو
المسؤل عنه فان الناس انما يسألون عن الواقع منهم وبهم حاجة الى
معرفة حكمه فذكر هذا القسم هوس و ارادته فى قيا العامة بعبارة
يفهمون

يفهمون منها العموم تضليل، ثم انا نقول ولو فرض ذلك كان سفره
 قرية لانه قصد به قرية ولكن قصده ترك غيرها من القرى ليس بقربة .
 الامر الثانى ان يقصد الزيارة ولا يخطر بباله امر آخر بى ولا اثبات
 ولا وجه للتوقف فى كون ذلك قرية بعد العلم بكون الزيارة قرية ووسيلة
 القرية قرية والظاهر من صاحب هذا السؤال انه اراد هذا الامر الثانى
 فانه الذى قال ان الخصم انما اراد ان يبين كيفية الزيارة المستحبة وهى
 ان تضم اليها قصد المسجد كما قاله غيره، وقد منا الكلام على ذلك
 فى هذه القطعة من كلامه يان ان شرط الاستحباب فى الزيارة عند
 الخصم وغيره ضم قصد المسجد اليها ومقتضى ذلك ان عند عدم
 الضم يتنى الاستحباب سواء اراد عدم ما سواها من القرب ام لا
 وهويين ان مراده فيما تقدم بما يقصد قصره على قصد الزيارة لا غير.
 المعنى الثانى الذى قدمناه وهو عدم قصد سواها لا قصد عدمه وقد قدمنا
 انه لا وجه للتوقف فى كون ذلك قرية لانه وسيلة الى قرية ولم يترن
 به قصد صادق ولا مانع من الحكم بالقرية عليه .

المعنى الثانى ان اطلاق قوله يقتضى ان الخصم وغيره انما يستحبون
 الزيارة مطلقا من غير سفر اذا ضم اليها قصد المسجد وحيث لا تكون
 الزيارة وحدها قرية سواء كانت عن سفر ام عن غير سفر وهو بخالف
 للدالة الدالة على ان الزيارة قرية وكأنه انما اراد السفر للزيارة وانما
 اطلق العبارة، وايا ما كان فهو باطل لما قدمناه .

واعلم ان هذا السؤال المبني على تقسيم السفر ضعيف وكذلك
 السؤال المبني عليه الذى قدمته فى الاستدلال بعمل السلف والخلف
 على السفر، وانما ذكرتها لاني وقتت على كلام بعض الفضلاء ذكرها

فيه فاحتجت الى جوابها و الخصم الذي انزعاع معه لعله لا يرتضيها،
و العجب من أوردها مع موافقة على ان السفر لمجرد الزيارة قرينة فان
كان قال ذلك بغير دليل فهو باطل و ان كان قاله لاحد الدليلين
المذكورين فالقدح فيها قدح فيه فلا يمكنه الجزم به ، و ان كان قاله
لدليل آخر فكان ينبغي ان يبينه حتى يظهر انه يفترق الحال فيه بين
الاسفار اولا .

بل العجب منه قوله بهذه الامور مع قوله بان كون الزيارة قرينة
معلوم من الدين بالضرورة و جاحده محكوم عليه بالكفر و قد بان بما
ذكرناه ان لزوم كون السفر لمجرد الزيارة قرينة لازم لكون الزيارة
قرينة و ان اللزوم بينهما بين ليس بالحق و العلم بالملزوم مع التوقف في
اللازم البين له مستحيل فالتقول باثبات الملزوم مع التوقف في اثبات
اللازم البين لا يجتمعان فمن توقف في كون السفر لمجرد الزيارة قرينة
لزمه التوقف في كون الزيارة قرينة، و من قال بان كون السفر لمجرد
الزيارة قرينة من الامور الخفية لزمه ان يقول بذلك في الزيارة فانه
تقرر ان الملازمة بينهما ينه معلومة من الشرع .

فان قلت : فما تقولون في السفر الى زيارة ما عدا قبر النبي صلى الله
عليه وسلم قلت ، قال الفقيه الامام ابو محمد عبد الله بن عبد الرحمن بن عمر
المالكي المعروف بالشارح في كتاب (تلخيص محصول المدونة من
الاحكام) الملقب (بنظم الدر) في كتاب الجامع في الباب الحادي عشر
في السفر و هو احد ابوابه ، قال في هذا الباب ، و السفر قسمان
هرب و طلب اما الهرب فالخروج من ارض الحرب و ارض البدعة
و ارض غلب عليها الحرام و من خوف الاذى في البدن و من الارض
الغمة .

الغمة (۱) واما الطلب فيكون للحج والجهاد والعمرة والمعاش والاتجار وقصد البقاع الشريفة وهي المساجد الثلاثة ومواضع الرباط كثيرا لاهلها ولطلب العلم ولتفقد احوال الاخوان وزيارة الموتى ليتفعلوا بترحم الاحياء وقصد الانتفاع بالميت بدعة الا في زيارة قبر المصطفى صلى الله عليه وسلم وقبور المرسلين صلوات الله عليهم اجمعين انتهى .

فاما استثاؤه قبر المصطفى صلى الله عليه وسلم وسائر المرسلين صلوات الله عليهم اجمعين واقتضاره ان قصدا للانتفاع بهم سنة فصحيح والظاهر ان ذلك عام في زيارتها والسفر اليها كما يقتضيه صدر كلامه واما السفر لزيارة غيرهم من الموتى ليتفعلوا بترحم الاحياء فقد عده الشارح صاحي كما ترى من اقسام سفر الطلب والظاهر ان قصده انه سنة والامر كذلك وان كان عدمه سفر التجارة الذي هو مباح واما قوله ان قصد الانتفاع بالميت غير الانيا بدعة فيه نظر فان ثبت فينبغي ان يخرج منه من يتحقق صلاحه كال عشرة المشهود لهم بالجنة وغيرهم وحيث يكون السفر لهم كالقسم الثاني فخرج من هذا ان الزيارة حيث استجبت استحب السفر لها وذلك عام في قصد انتفاع الميت بالرحم وخاص في قصد الانتفاع بالميت .

الباب السابع

في دفع شبه الخصم وتبع كلماته وفيه فصلان

الاول في شبه

وله ثلاث شبه احداها فهم قوله صلى الله عليه وسلم لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد فتوهم الخصم ان في هذا منع السفر للزيارة وليس

(۱) لغة . لوحة .

كما توهمه وتحن نذكر الفاظ الحديث ثم نذكر معناه ان شاء الله تعالى فنقول هذا الحديث متفق على صحته عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم وورد بالفاظ مختلفة اشهرها لا تشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد مسجدى هذا ومسجد الحرام ومسجد الاقصى، وهذه رواية سفيان بن عيينة عن الزهري، والآخر تشد الرحال الى ثلاث مساجد، من غير حصر، وهذه رواية معمر عن الزهري، وآخر، انما يسافر الى ثلاثة مساجد مسجد الكعبة ومسجدى ومسجد ايلياء، وهذه من طريق غير الزهري، وهذه الروايات الثلاث ذكرها مسلم في فضل المدينة عن ابي هريرة وذكر قبل ذلك في سفر المرأة عن ابي سعيد الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم لا تشدوا الرحال الا الى ثلاثة مساجد مسجدى هذا والمسجد الحرام والمسجد الاقصى، ولفظه كما ذكرنا بصيغة النهى واللفظ السابق بصيغة الخبر وورد في خبر ابي سعيد ايضا انما تشد الرحال الى ثلاثة مساجد مسجد ابراهيم ومسجد محمد ومسجد بيت المقدس، رواه اسحاق بن راهويه في مسنده، وورد من حديث ابن عمر رضي الله عنهما ايضا عن النبي صلى الله عليه وسلم ولفظه بصيغة النهى لا تشدوا الرحال الا الى ثلاثة مساجد مسجد الحرام ومسجد المدينة ومسجد بيت المقدس، رواه الطبراني في معجمه، هذه الفاظ المرويات.

واما معناها فاعلم ان هذا الاستثناء مفرغ تقديره لا تشد الرحال الى مسجد الا الى المساجد الثلاثة، اولاً تشد الرحال الى مكان الا الى المساجد الثلاثة ولا بد من احد هذين التقديرين ليكون المستثنى مندرجا تحت المستثنى منه. والتقدير الاول اولى لانه جنس قريب ولما سنيه من

قلة التخصيص او عده على هذا التقدير ، ثم اعلم ان السرفيه امران
باعث عليه كالحج او طلب العلم او الجهاد او زيارة الوالدين او الهجرة
وما اشبه ذلك .

والثاني . المكان الذي هو نهاية السفر كالسفر الى مكة او المدينة
او بيت المقدس او غيرها من الاماكن لاي غرض كان ولا شك ان
شد الرحال الى عرفة لقضاء النسك واجب باجماع المسلمين وليس من
المساجد الثلاثة وشد الرحال لطلب العلم الى اى مكان كان جائز
باجماع المسلمين وقد يكون مستحبا او واجبا على الكفاية او فرض عين
وكذلك الحفر الى الجهاد ومن بلاد الكفر الى بلاد الاسلام للهجرة
واقامة الدين ، وكذلك السفر لزيارة الوالدين وبرهما وزيارة الاخوان
والصالحين وكذلك السفر للتجارة وغيرها من الاغراض المباحة .

فانما معنى الحديث ان السفر الى المساجد مقصور على الثلاثة على التقدير
الاول الذي اخترناه ، او ان السفر الى الاماكن مقصور على الثلاثة على
التقدير الثاني ثم على كلا التقديرين اما ان يجعل المساجد او الا مكنة
غاية فقط وعلّة السفر امر آخر كالا شغال بالعلم ونحوه من
الامثلة التي ذكرها فهذا جائز الى كل مسجد والى كل مكان فلا
يجوز ان يكون هو المراد ، وقد يقال على بعد ان خروج تلك المسائل
بأدلة على سبيل التخصيص للعموم فلا يمنع من ارادته في الباقي وهذا
لوقيل به فتقدير المساجد ايضا اول من تقدير الا مكنة لعلّة التخصيص
اذ التخصيص على تقدير اضمار الا مكنة اكثر فيكون مرجوحا .

ثم على هذا التقدير فالسفر بقصد زيارة النبي صلى الله عليه وسلم
فانه مسجد المدينة لانه مجاور للقبور الشريف فلم يخرج السفر للزيارة

عن ان تكون غايته أحد المساجد الثلاثة وهو المراد على هذا التقدير
واما ان يجعل المساجد او الامكنة علة فقط ويكون قد عبر بالي
عن اللام او غاية وعلة من باب تخصيص العام باحد حاله لان غاية
السفر قد يكون هو العلة وقد لا يكون فيكون المراد النوع الاول وهو
ما يكون علة مع كونه غاية ومعنى كونه علة انه يسافر لتعظيمها او للتبرك
بالحلول فيها او بان يوقع فيها عبادة من العبادات التي يمكنه ايقاعها في
غيرها من حيث ان ايقاعها فيها افضل من ايقاعها في غيرها، وكل ذلك
انما نشأ من اعتقاد فضل في البقعة زائد على غيرها فنهى عن ذلك
الا في المساجد الثلاثة وهذا هو المراد وغيرها من الاماكن والمساجد
لا يؤتى الا لغرض خاص لا يوجد في غيره كالتفر للرباط الذي لا يوجد
في غيره وعلى هذا التقدير ايضا المسافر لزيارة النبي صلى الله عليه وسلم
لم يدخل في الحديث لانه لم يسافر لتعظيم البقعة وانما سافر لزيارة من
فيها كما لو كان حيا وسافر اليه فيها او في غيرها فانه لا يدخل في هذا
العموم قطعا .

وملخص ما قلناه على طوله ان النهى عن السفر مشروط بامرین
أحدهما ان يكون غايته غير المساجد الثلاثة والثاني ان تكون علة تعظيم
البقعة والسفر لزيارة النبي صلى الله عليه وسلم غايته أحد المساجد الثلاثة
وعلة تعظيم ساكن البقعة لا البقعة فكيف يقال بالنهي عنه، بل اقول ان للسفر
المطلوب بيان، احدهما ما يمكن ان غايته احد المساجد الثلاثة والثاني
ما يكون لعبادة وان كان الى غيرها والسفر لزيارة المصطفى صلى الله
عليه وسلم اجتمع فيه الأمران فهو في الدرجة العليا من الطلب ودونه
ما وجد فيه أحد امرین، وان كان السفر الذي غايته احد الاماكن

الثلاثة لابد في كونه قرية من قصد صالح. واما السفر لمكان غير الاماكن الثلاثة لتعظيم ذلك المكان فهو الذي ورد فيه الحديث ولهذا جاء عن بعض التابعين انه قال: قلت لابن عمر اني اريد أن آتي الطور؟ قال انما تشد الرحال الى ثلاثة مساجد مسجد الحرام ومسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم ومسجد الاقصى ودع الطور فلاتأته.

وفي مثل هذا الذي تكلم الفقهاء في شد الرحال الى غير المساجد الثلاثة فنقل امام الحرمين عن شيخه انه كان يفتي بالمنع عن شد الرحال الى غير هذه المساجد قال وربما كان يقول يكره وربما كان يقول يحرم بعد ما يظاهر النهر. وقال الشيخ ابو علي لا يكره ولا يحرم ولكن أبان رسول الله صلى الله عليه وسلم ان القرية المقصودة في قصد المساجد الثلاثة وما عداها ليس في قصد اعيانها قرية. قال وهذا حسن لا يصح عندي غيره.

قلت ويمكن ان يقال ان قصد بذلك التعظيم فالحق ما قاله الشيخ ابو محمد لانه تعظيم لما لم يعظمه الشرع وان لم يقصد مع عينه أمرا آخر فهذا قريب من البعث فيترجح فيه ما قاله الشيخ ابو علي ولا نعلم في مذهبنا غير ذلك، وذهب الداودي الى ان ما قرب من المساجد الفاضلة من المصر فلا بأس ان يوثى مشيا وركوبا استدلالا بمسجد قباء ولا يدخل تحت النهي في اعمال المطى لان الاعمال وشد الرحال لا يكون لما قرب غالبا. ونقل القاضي عياض عن بعضهم انه انما يمنع المطى للناذر اما غير الناذر ممن يرغب في فضل مشاهد الصالحين فلا.

هذه اربعة مذاهب في اتيان ما سوى الثلاثة من المساجد وعلى المذهب الرابع المفصل بين ان يكون بالنذر أو بغيره حل بعضهم اتيان

النبي صلى الله عليه وسلم مسجد قباء لانه كان يغير نذر ولا حرج فيه بل متى خف عليه فعل القرية فيجىء في نذر ما سوى الثلاثة من المساجد ثلاثة مذاهب ، احدها انه لا يصح وهو مذهبنا ومذهب الجمهور ، والثاني يصح مطلقا وهو مذهب الليث بن سعد ، والثالث يلزم ما لم يكن بشد رحل كمسجد قباء وهو قول محمد بن مسلمة المالكي، وقد روى مالك عن عبد الله بن ابي بكر بن حزم ان عبد الله بن عباس سئل عن جعل على نفسه مشيا الى مسجد قباء وهو بالمدينة فالزمه ذلك وامره ان يمشى ، قال عبد الملك بن حبيب في (كتاب الواضحة) فكذلك من نذر أن يمشى الى مسجده الذي يصلى فيه جمعه او مكتوبته فعليه ان يمشى اليه وليس ذلك بلامر له فيما نأى عنه من المساجد لاماشيا ولاراكبا، وكذلك روى ابن وهب وغيره عن مالك الا المساجد الثلاثة فيلزمه في المسجد الحرام ما نذر من مشى او ركوب ولا يلزمه في المسجدين مسجد النبي صلى الله عليه وسلم وبيت المقدس المشى اليهما ويلزمه ان يأتيهما راكبا للصلاة فيهما . هذا كله في قصد المكان بعبادة فيه يمكن في غيره اما قصده بغير نذر لغرض فيه كالزيارة وشبهها فلا يقول احد فيه بتحريم ولا كراهة .

فان قلت فقد قال النووي في شرح مسلم في باب سفر المرأة مع محرم الى الحج : اختلف العلماء في شد الرحال واعمال المطى الى غير المساجد الثلاثة كالذهاب الى قبور الصالحين والى المواضع الفاضلة ومحو ذلك فقال الشيخ ابو محمد من اصحابنا هو حرام وهو الذي اشار القاضي عياض الى اختياره ، والصحيح عند اصحابنا وهو الذي اختاره امام الحرمين والمحققون انه لا يحرم ولا يكره ، قالوا والمراد ان الفضيلة

التامة

الثامة انما هي في شد الرحال الى هذه الثلاثة خاصة والله اعلم . انتهى
كلام النووي ، وقد جعل الذهاب الى قبور الصالحين من محل الخلاف ،
قلت ، رحم الله النووي لو اقتصر على المنقول او نقده حق النقد لم يحصل
خلل و انما زاد التمثيل فحصل الخلل من زيادته .

والذي نقله الامام والرافعي والنووي في غير شرح مسلم عن الشيخ
ابي محمد رحمه الله ليس فيه هذه الزيادة بل فيه ما يبين ان مراده ما قدمناه فان
الامام قال : اذا نذر ان يأتي مسجدا من المساجد سوى المسجد الحرام
قال العلماء فان كان المسجد الذي عينه غير مسجد المدينة ومسجد القدس
فلا يلزم بالنذر شيء اصلا فانه ليس في قصد مسجد بعينه غير المساجد
الثلاثة قرينة مقصودة و مالا يكون قرينة ولا عبادة مقصودة فهو غير
ملزم بالنذر ، وكان شيخنا يفتي بالمنع عن شد الرحال الى غير هذه
المساجد - وذكر ما قدمناه . وكذلك الرافعي قال اذا نذر اتيان مسجد آخر
سوى الثلاثة لم ينعقد نذره قال الامام وكان شيخنا يفتي - و ذكر ما
تقدم وكذلك النووي في شرح المذهب وكذلك في شرح مسلم في باب
فضل المساجد الثلاثة كلامه مشعر بما قلناه و مع ذلك قال ان ما قاله
الشيخ ابو محمد غلط فقي كلام كل من الامام والرافعي والنووي في
غير شرح مسلم وفي شرح مسلم في غير هذا الباب ما يبين ان فرض المسئلة
في قصد المساجد فيحمل كلام ابي محمد عليه .

اما قصد الاغراض الصحيحة في المساجد وغيرها من الامكنة
من الزيارة والاشتغال بالعلم والجهاد وغيرها فلم يتكلم فيه ابو محمد
ولا يجوز أن ينسب اليه المنع منه ، ولو قاله هو او غيره ممن يقبل كلامه
الغلط لحكمنا بغلطه وانه لم يفهم مقصود الحديث لكنه بحمد الله لم

یثبت عندنا انه قال ذلك ولا نقله عنه احد غیر ما وقع فی شرح مسلم من التمثیل علی سبیل السهو والغفلة ولهذا اجللنا مالكا رحمه الله عن ان يستدل بالحديث علی هذا المقصود واولجنا تأویل كلامه علی اة البقعة لعینها وهكذا القاضی عیاض فانه قال فی الا کمال: قوله علیه الصلوة والسلام لاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد فیہ عظیم هذه المساجد وخصوصها بشد الرحال الیها ولانها مساجد الانبیاء علیهم السلام و تفضیل الصلوة فیها و تضعیف اجرها ولزوم ذلك لمن نذره بخلاف غیرها مما لا یلزم ولا یباح شد الرحال الیها لالتأذرو ولا لمطوع بهذا النهی الا ما الحق محمد بن مسلمة من مسجد قباء، وهذا الکلام من القاضی عیاض لیس فیہ تعرض لزبارة الموتی اصلا ولا یجوز أن ینقل ذلك عنه بتصریح ولا بإشارة. وانما اشار به الی غیر الثلاثة من المساجد .

فان قلت قد قال ابن قدامة الخبلی فی کتاب المفتی: فصل فان سافر لزبارة القبور والمشاهد فقال ابن عقیل لایباح له الرخص لانه منہی عن السفر الیها قال النبی صلی الله علیه وسلم لاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد، والصحيح اباحتہ وجواز القصر فیہ لان النبی صلی الله علیه وسلم کان یأتی قباء ماشیا وراکبا وكان یزور القبور، وقال زوروها تذکرکم الآخرة، واما قوله صلی الله علیه وسلم لاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد، فیحمل علی نفی الفضیلة لاعلی التحریم ولیست الفضیلة شرطا فی اباحة القصر ولا یضر انتفاؤها، قلت: قد وقعت علی کلام ابن قدامة المذکور وترجمته بالسفر لزبارة القبور والمشاهد ولم اقف علی کلام ابن عقیل فان کان فی المشاهد اوفی قصدها مع الزبارة فلا یرد علینا لانه من باب قصد الإمکنة وهذا هو الظاهر من استدلاله بالحديث علی ما تقرّر

ما تقرر وكلامنا انما هو في مجرد قصد الزيارة للميت من غير قصد البقعة اصلا وليس في كلام ابن عقيل ولا ابن قدامة تصريح بذلك بل كلامه يشير الى انه انما يتكلم في القبور التي بنيت عليها المشاهد وقبر النبي صلى الله عليه وسلم لا يدخل في ذلك لان مكانه لا يسمى مشهدا ولوسلنا اندراجا في مدلول كلامه فيجب تخصيصه وحمل كلامه على ما سواه واذا كنا نخصص كلام الله وكلام رسوله بالادلة فائش كلام ابن عقيل حتى لا نخصص اذا حسنا الظن به، والموجب لتخصيص هذا القبر الشريف عن سائر القبور الادلة الواردة في زيارته على الخصوص واطباق الناس على السفر اليه فان لم يعتبر ابن عقيل هذه الادلة تفوقت سهام التخطئة اليه ورد كلامه عليه ولكنه لم يثبت بحمد الله عندنا ذلك عنه .

فان قلت : قد اكثر من التفرقة بين قصد البقعة وقصد من فيها وسليت ان قصد البقعة داخل تحت الحديث والزيارة لا بد فيها من قصد البقعة فان السلام والدعاء يحصل من بعد كما يحصل من قرب وهو مقصود الزيارة .

قلت قصد البقعة لما اشتملت عليه ليس بمحذور ولا نقول بنفي الفضيلة عنه وانما قلنا ذلك في قصد البقعة بعينها او لتعظيم لم يشهد به الشرع على انا نقول انه لا يلزم من الزيارة ان يكون للبقعة مدخل في القصد الباعث بل تارة يكون ذلك مقصودا وتارة مجرد قصد الشخص المزور من غير شعور بما سواه وقوله ان مقصود الزيارة يحصل من بعد ممنوع فان الميت يعامل معاملة الحي فالحضور عنده مقصود الا ترى ان النبي صلى الله عليه وسلم لما خرج في ليلة عائشه الى البقيع فقام

فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات - الحديث المشهور وفيه ان عائشة سأله فقال ان جبرئيل أتاني فقال ان ربك عزوجل بأمرك ان تأتي اهل البقيع و تستغفر لهم ، قالت فقلت كيف اقول لهم يا رسول الله قال قولي السلام على اهل الديار من المؤمنين والمسلمين يرحم الله المستقدمين منا والمتأخرين وانا ان شاء الله بكم لاحقون رواه مسلم . فانظر كيف خرج النبي صلى الله عليه وسلم الى البقيع بأمر الله تعالى يستغفر لاهله ولم يكتف بذلك من الغيبة وهذا اصل في الاتيان الى القبور لزيارة اهلها للاستغفار لهم ، وقد سألت عائشة النبي صلى الله عليه وسلم كيف تقول - تنى اذا فعلت كفعله وعليها وفي ذلك دليل على انه يجوز لها وللنساء الاتيان الى القبور لهذا الغرض لان سؤالها ذلك كان بعد رجوعها الى البيت فلم يكن المقصود منه كيف اقول الآن وانما معناه كيف اقول مرة اخرى فلو كان لايجوز لها ذلك لينة لها وليس هذا المقصود هنا فاما تذكره ان شاء الله تعالى في موضع آخر : وانما المقصود هنا ان الحضور عند القبر لسبب زيارة من فيه والدعاء المطلوب وليس ذلك من باب قصد الامكنة ولادل الحديث على امتناعه ولا قال به أحد من العلماء .

وقد احضر الى بعض الناس صورة فتاوى منسوبة لبعض علماء بغداد في هذا الزمان لا ادرى هل هي مخلقة من بعض الشياطين الذين لا يحسنون أو هي صادرة عن هوشم بسمه العلم وليس من اهله . فأولها فتيا مالكي قال فيها قد نص الشيخ ابو محمد الجويني في كتبه على تحريم السفر لزيارة القبور وهو اختيار القاضي الامام عياض في الكمال . . . لقد كذب في هذا النقل عن الشيخ ابى محمد والقاضى عياض جميعا .

جميعا. ثم ابطال الكلام بما لا فائدة فيه .

و ثانيا فيا شافى قال فيها: ان المفهوم من كلام العلماء و نظار العقلاء ان الزيارة ليست عبادة و طاعة بمجردهما فان اراد المفهوم عنده فلا علينا منه و نقول له المفهوم عند العلماء خلافه . ثم قال ان من اعتقد جواز الشد الى غير ما ذكر او وجوبه او نداء به كان مخالفا لصريح النهى و مخالفة النهى معصية اما كفر او غيره على قدر المنهى عنه و وجوبه و تحريمه . و يكفى هذا الكلام ضحكة على من قاله ان يجعل المنهى عنه منقسما الى وجوب و تحريم ، دع سوء فهمه للحديث .

و ثالثا فيا آخر شارك فيها الاول في النقل عن الشيخ ابى محمد و القاضى عياض و قد تقدم جوابه و أساء الفهم في الحديث كما أساء غيره .

و رابعا فيا آخر ليس فيها طائل و كلهم خلط مع ذلك ما لا طائل تحته و الا قرب انها محتلفة و ان مثلها لا تصدر عن عالم و اتما ذكرتها هنا لتضمنها النقل عن الشيخ ابى محمد و القاضى عياض الذى تعرضت هنا لافساده .

تنبه ، قد يتوهم من استدلال الخصم بهذا الحديث ان نزاعه قاصر على السفر للزيارة دون اصل الزيارة و ليس كذلك بل نزاعه فى الزيارة ايضا لما سنذكره فى الشبهتين الثانية و الثالثة و من كون الزيارة على هذا الوجه المخصوص بدعة و كونها من تعظيم غير الله المفضى الى الشرك و ما كان كذلك كان بمنزعا و على هاتين الشبهتين بنى كلامه . و اصل الخيال الذى سرى اليه منها لا غير و هو عام فى الزيارة و السفر اليها و لهذا يدعى هو أن الاحاديث الواردة فى زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم كـ

ضعيفة بل موضوعة و يستدل بقوله لا تتخذوا قبري عيداً . و بقوله : لعن الله اليهود و النصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد . و بأن هذا كله محافظة على التوحيد و ان اصول الشرك بالله اتخاذ القبور مساجد كما سذكر ذلك في نص كلامه المنقول عنه .

و قد رأيت ايضا قيا بخطه و نقلت منها ما انا ذا كره قال فيها - و من خطه نقلت : و اما السفر للتعريف عند بعض القبور فهذا اعظم من ذلك فان هذا بدعة و شرك فان اصل السفر اذ زيارة القبور ليس مشروعاً و لا استحبه احد من العلماء . ولهذا لو نذر ذلك لم يجب عليه الوفاء به بلا نزاع بين الائمة ثم قال و لهذا لم يكن احد من الصحابة و التابعين بعد أن فتحوا الشام و لا قبل ذلك يسافرون الى زيارة قبر الخليل عليه السلام و لا غيره من قبور الانبياء التي بالشام و لا زار النبي صلى الله عليه وسلم شيئا من ذلك ليلة الاسرى به و الحديث الذي فيه هذا قبر ابيك ابراهيم فانزل فصل فيه و هذا بيت لحم مولد اخيك عيسى انزل فصل فيه ، كذب لاحقيقة له و اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الذين سكنوا الشام اودخلوا اليه و لم يسكنوه مع عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه و غيره لم يكونوا يزورون شيئا من هذه البقاع و الآثار المضاعة الى الانبياء .

ثم قال و لم يتخذ الصحابة شيئا من آثاره مسجداً و لا مزاراً غير ما بيناه من المساجد و لم يكونوا يزورون غار حراء و لا غار ثور : ثم قال حتى ان قبر النبي صلى الله عليه وسلم لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم لفظ بزيارته و انما صح عنه الصلاة عليه و السلام موافقة لقوله تعالى (يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً) ثم قال : و لهذا لم يكن على

عنه

(۱۶)

عهد الصحابة والتابعين مشهذار لاعلى قبر نبى ولا غير نبى فضلا عن ان يسافر اليه لابلحجاز ولابلشام ولاليمن ولالعراق ولامصر ولا المشرق . ثم قال ولهذا كانت زيارة القبور على وجهين زيارة شرعية وزيارة بدعية فالزيارة الشرعية مقصودها السلام على الميت والدعاء له ان كان مؤمنا وتذكر الموت سواء كان الميت مؤمنا ام كافرا . وقال بعد ذلك فالزيارة لقبر المؤمن نيا كان او غير نبى من جنس الصلوة على جنازته يدعى له كما يدعى اذا صلى على جنازته واما الزيارة البدعية فمن جنس زيارة النصارى مقصودها اشراك بالميت مثل طلب الخوائج منه او التمسح بقبره وتقبيله او السجود له ونحو ذلك فهذا كله لم يأمراه به ورسوله ولا استحبه احد من ائمة المسلمين ولا كان احد من السلف يفعله لاعدد قبر النبى صلى الله عليه وسلم ولا غيره . ثم قال ولم يكونوا يسمون على الله باحد من خلقه لاني ولا غيره ولا يستلون ميتا ولا غائبا ولا يستغيثون بميت ولا غائب سواء كان نيا او غير نبى بل كان فضلاؤهم لا يستلون غير الله شيئا . انتهى ما اردت قلله من كلام ابن تيمية رحمه الله من خطه ، وانا عارف بخطه وهو يدل على ما ذكرناه من ان نزاعه فى السفر والزيارة جميعا غير أنه كلام محتبط فى صدره ما يقتضى منع الزيارة مطلقا وفى آخره ما يقتضى انها ان كانت للسلام عليه والدعاء له جازت وان كانت على النوع الآخر الذى ذكره لم يجرى ، وبقي قسم لم يذكره وهو ان يكون للتبرك به من غير اشراك به .

فهذه ثلاثة اقسام ، اولها ، السلام والدعاء له وقد سلم جوازه وانه شرعى ويلزمه ان يسلم جواز السر له فان فرق فى هذا القسم

بين اصل الزيارة وبين السفر محتجا بالحديث المذكور فقد سبق جوابه .
والقسم الثاني التبرك به والدعاء عنده للزائر وهذا القسم يظهر
من فحوى كلام ابن تيمية رحمه الله انه يلحقه بالقسم الثالث ولا دليل
له على ذلك بل نحن نقطع بطلان كلامه فيه وان المعلوم من الدين وسير
السلف الصالحين التبرك ببعض الموتى من الصالحين فكيف بالانبياء
 والمرسلين ، ومن ادعى ان قبور الانبياء وغيرهم من اموات المسلمين
سواء قد آتى امرا عظيما نقطع بطلانه وخطائه فيه وفيه حظ لدرجة
النبي صلى الله عليه وسلم الى درجة من سواء من المسلمين وذلك
كفر متيقن فان من حظ رتبة النبي صلى الله عليه وسلم عما يجب له
قد كفر .

فان قال ان هذا ليس بحط ولكنه منع من التعظيم فوق
ما يجب له ، قات : هذا جهل وسوء ادب وقد تقدم في اول الباب
الخامس الكلام في ذلك ونحن نقطع بان النبي صلى الله عليه وسلم
يستحق من التعظيم اكثر من هذا المقدار في حياته وبعد موته ولا يرتاب
في ذلك من كان في قلبه شيء من الايمان ، واما القسم الثالث ،
وهو ان يقصد بالزيارة الاشرار بالله تعالى فتعوذ بالله منها ومن يفعلها
ونحن لا نعتقد في احد من المسلمين ان شاء الله ذلك ، وقد قال صلى الله
عليه وسلم اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد ، ودعاؤه صلى الله عليه وسلم
مستجاب وقد أيس الشيطان ان يعبد في جزيرة العرب فهذا شيء
لا نعتقد ان شاء الله في احد من يتعبد بزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم
وانما التمسح بالقبر وتقبيله والسجود عليه وبحو ذلك فانما يفعله بعض
الجهال ومن فعل ذلك ينكر عليه فعله ذلك ويعلم آداب الزيارة ولا ينكر

عليه اصل الزيارة ولا السفر اليها بل هو مع ما صدر منه من الجهل محمود على زيارته وسفره ومذموم على جهله وبدعته، واما طلب الخواص عند قبره صلى الله عليه وسلم فتذكره في باب الاستعانة بالنبي صلى الله عليه وسلم.

ولتكلم على الشبهة الثانية والثالثة اللتين بي ابن تيمية رحمه الله كلامه عليهما، اما الشبهة الثانية وهي كون هذا مشرباً؟ رآه من بدع التي لم يستحبها احد من العلماء لامن الصحابة ولا من التابعين. من بعدهم، فقد قدمنا سفر بلال من الشام الى المدينة لتصد الزيارة. وان عمر ابن عبد العزيز كان يجهز البريد من الشام الى المدينة للسلام على النبي عليه الصلوة والسلام وان ابن عمر كان يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيسلم عليه وعلى ابي بكر وعمر رضي الله عنهم وكل ذلك يكذب دعوى ان الزيارة والسفر اليها بدعة، ولو طول ابن تيمية رحمه الله باثبات هذا النفي العام واقامة الدليل على صحته لم يجد اليه سيلاً فكيف يحل لذي علم ان يقدم على هذا الامر العظيم بمثل هذه الظنون التي مستنده فيها انه لم يبلغه وينكره ما اطبق عليه جميع المسلمين شرقاً وغرباً في سائر الاعصار بما هو محسوس خلفاً عن سلف ويجعله من البدع.

فان قال: ان الذي كان يفعله السلف من النوع الاول وهو السلام والدعاء له دون النوع الثاني والثالث، قلنا اما الثالث فلا استرواح اليه لان بعد كل مسلم منه واما النوع الاول والثاني فدعوى كون السلف كلهم كانوا مطبقين على النوع الاول وانه شرعي وكون الخلف كلهم مطبقين على الثاني وانه بدعة من التخصص الذي لا يقدر على اثباته فان المقاصد المأمونة لا يطالع عليها الا الله تعالى فمن اين له ان جميع

السلف لم يكن احد منهم بقصد التبرك او ان جميع الخلف لا يقصدون الا ذلك ثم انه قال فيما سحكيه من كلامه ان أحدا لا يسافر اليها الا لذلك يعنى لاعتقاده انها قريبة وانه منى كان كذلك كان حراما ولاشك ان بلالا وغيره من السلف وان سلنا انهم ما قصدوا الا السلام فانهم يعتقدون ان ذلك قرية فلو شعر ابن تيمية رحمه الله ان بلالا وغيره من السلف فعل ذلك لم ينطق بما قال ولكنه قام عنده خيال ان هذه الزيارة فيها نوع من الشرك ولم يستحضر أن أحدا فعلها من السلف، فقال ما قال وغلط رحمه الله فيما حصل له من الخيال وفي عدم الاستحضار، ودعواه انه لو نذر ذلك لم يجب عليه الوفاء به بلا نزاع من الائمة نحن نطالبه بنقل هذا عن الائمة وتحقيق انه لا نزاع بينهم فيه ثم بتقرير كون ذلك عاما في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وغيره ليحصل مقصوده في هذه المسئلة التي تصدينا لها ومنى لم تحصل هذه الامور الثلاثة لا يحصل مقصوده وليس الى حصولها سيل، ونحن قد قلنا ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم تلزم بالنذر وعلى مقتضاه يلزم السفر اليها ايضا بالنذر على الضد مما قال، واما قوله ان الصحابة لما فتحوا الشام لم يكونوا يسافرون الى زيارة قبر الخليل وغيره من قبور الانبياء التي بالشام فقله لانه لم يثبت عندم موضعها فانه ليس لنا قبر مقطوع به الاقبره صلى الله عليه وسلم، واما قوله ولا زار النبي صلى الله عليه وسلم شيئا من ذلك ليلة اسرى به فقله لاشغاله بما هو أهم وقد تحققنا زيارته صلى الله عليه وسلم القبور بالمدينة وغيرها في غير تلك الليلة فليس ترك زيارته في تلك الليل دليلا على ان زيارة ليست بنة فالتشاغل بالاستدلال بذلك تشاغل بما لا يجدى نقما .

واما

و اما قوله ان الحديث الذي فيه هذا قبر ايك ابراهيم فانزل فصل فيه وهذا بيت لحم مولد اخيك عيسى انزل فصل فيه، كذب لاحقيقة له فصدق فيما قال وهذا الحديث يرويه بكر بن زياد الباهلي قال ابن حبان شيخ دجال يضع الحديث على الثقات لا يحل ذكره في الكتب الاعلى سبيل القدح فيه وذكر ابن حبان من طريقة الحديث المذكور وفيه ثم آتى بي الى الصخرة فقال يا محمد من هاهنا عرج ربك الى السماء وذكر كلاما طويلا كره ابن حبان ذكره، قال ابن حبان وهذا شيء لا يشك عوام اصحاب الحديث انه موضوع فكيف البزل في هذا الشأن هذا كلام ابن حبان .

وقد ذكر هذا الحديث ابو القاسم المكي بن عبدالسلام بن الحسين ابن القاسم المقدسي الرملي في كتاب صنفه في فضائل زيارة قبر ابراهيم الخليل عليه الصلوة والسلام، والرملي هذا بضم الراء وقع الميم وسكون الياه نسبة الى الرملة من الارض المقدسة ذكره ابو سعد عبد الكريم بن محمد ابن منصور ابن السمعاني في كتاب الانساب فقال كان حافظا مكثرا رحل الى مصر والشام والعراق والبصرة قال ابن ناصر وصنف كتابا في تاريخ بيت المقدس وسمع من الخطيب بالشام وبغداد وكان فاضلا صالحا ثبا وعاد الى بيت المقدس واقام بها يدرس الفقه على مذهب الشافعي ويروي الحديث الى ان غلبت الفرنج على بيت المقدس ثم قتل شهيدا قال ابن السمعاني روى عن مكي بن عبدالسلام محمد بن علي الاسفرائني وابو سعيد عمار التاجر ولم يتحدث عنه سواهما، وقال ابن النجار عزم على ان يعمل تاريخا لبيت المقدس فحالت دونه ميتة قتله الفرنج بالحجارة في اليوم الثاني عشر من شوال سنة ائتين وتسعين واربعمائة

وذكر أبو القاسم عمر بن أبي جرادة في تاريخ حلب أنه ولد في المحرم يوم عاشوراء سنة اثنتين وثلاثين وأربع مائة بيت المقدس .

قلت و ذكر في هذا التصنيف آثارا في زيارة قبر إبراهيم الخليل منها الحديث المذكور قال أنا الشيخ الصالح الثقة أبو محمد عبدالعزيز بن أحمد بن عمر بن إبراهيم المقدسي قراءة عليه رحمه الله أنا محمد بن أحمد أبو بكر بن محمد الواسطي الخطيب قراءة عليه ثنا أبو القاسم عيسى بن عبيد الله بن عبدالعزيز الموصلي المعروف بالمصاحفي ثنا أبو الحسن علي بن جعفر بن محمد الرازي وكيل المسجد الأقصى ثنا العباس بن أحمد بن عبدالله و أنا سأله ثنا عبدالله بن أبي عمرة المقدسي ثنا بكر بن زياد الباهلي عن عبدالله بن المبارك عن سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن زرارة بن أوفى عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما أسرى بي إلى بيت المقدس مربى جبرئيل إلى قبر إبراهيم عليهما الصلوة والسلام . فقال انزل صل هاهنا ركعتين فإن هاهنا قبر إيلك إبراهيم عليه السلام ثم مربى إلى بيت لحم فقال انزل صل هاهنا ركعتين فإن هاهنا ولد أخوك عيسى عليه السلام ثم أتى بي إلى الصخرة - قال وذكر الحديث ورواه ابن حبان عن محمد بن أحمد ابن إبراهيم ثنا عبدالله بن سليمان بن أبي عمرة ثنا بكر بن زياد . وإنما تكلمنا على هذا الحديث للتبیه علی الفائدة فيه وليس بنا ضرورة إلى إثباته أو تنقيح في تحقيق المقصود ولما سبق أن عدم الزيارة في وقت خاص لا يدل على عدم الاستجاب ، وقوله أن الصحابة لم يكونوا يزورون شيئا من هذه البقاع والآثار فكلما منا إنما هو في زيارة ساكن البقعة لا في زيارة البقعة وقد تقدم التبیه علی الفرق بينهما . ثم أن هذه شهادة على نقي صعب إثباتها ، وإن كنا مستغنين عن منعها أو تعليمها ، وقوله

وقوله حتى ان قبر النبي صلى الله عليه وسلم . هذا هو المقصود في هذه المسئلة . وقوله لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم لفظ بزيارة . قد تقدم ابطال هذه الدعوى وتحقيق ثبوت الحديث فيها .

وقوله ولهذا لم يكن على عهد الصحابة و التابعين مشهد يزار على قبر نبي ولا غير نبي فضلا عن ان يسافر اليه الى آخر كلامه ، ان اراد بما يسمى مشهدا فوضع قبره صلى الله عليه وسلم لا يسمى مشهدا وكلامنا انما هو فيه ، وان اراد انه لم يكن في ذلك الزمان زيارة لقبر نبي من الانبياء فهذا باطل لما قد مناه وبقية كلامه وتقسيمه الزيارة الى شرعية وبدعية سبق الكلام عليه وفيه اعتراف بمطلق الزيارة ويلزمه الاعتراف بالسفر اليها ، ولا يمنع من ذلك كون نوع منها يقترن به من بعض الجهال ما هو منهي عنه فمن ادعى ان الزيارة من غير انضمام شيء آخر اليها بدعة فقد كذب و جهل ، ومن حرماها فقد حرم ما احله الله تعالى ومن اطلق التحريم عليها لان بعض انواعها محرم او يقترن به محرم فهو جاهل وهكذا من امتنع من اطلاق الاستحباب على الزيارة من حيث هي لوقوع بعض انواعها من بعض الناس على وجه التحريم فهو جاهل ايضا فان الصلوة قد تقع على وجه منهي عنه كالصلوة في الدار المغصوبة وما اشبه ذلك ولا يمنع ذلك من اطلاق القول بان الصلوة قرينة او واجبة فهكذا ايضا الزيارة من حيث هي قرينة لقوله صلى الله عليه وسلم زوروا القبور ومن كان بعض انواعها يقع على وجه منهي عنه فيكون ذلك الوجه منها منهي عنه وحده . والحكم بالابتداع على هذا النوع لا يضرنا ونحن نسله ونمنع من فعله ، الحكم بالابتداع على المطلق عين الابتداع .

واما الشبهة الثالثة وهى ان من الشرك بالله تعالى اتخاذ القبور مساجد كما قال طائفة من السلف في قوله تعالى (قالوا لا تذرنا آلهتكم ولا تذرنا ودا ولا سواعا ولا يغوث ويعوق ونسرا) قالوا كان هؤلاء قوما صالحين في قوم نوح فلما ماتوا عكفوا على قبورهم ثم صوروا على صورهم تماثيل ثم طال عليهم الامل فعبدها، وتخيّل ابن تيمية ان منع الزيارة والسفر اليها من باب المحافظة على التوحيد وان فعلها مما يؤدى الى الشرك وهذا تخيل باطل لان اتخاذ القبور مساجد والعكوف عليها وتصوير الصور فيها هو المؤدى الى الشرك وهو الممنوع منه كما ورد في الاحاديث الصحيحة كقوله صلى الله عليه وسلم لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد، يحذر ما صنعوا، وقوله صلى الله عليه وسلم لما اخبر بكيسة بارض الحبشة اولئك اذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صوروا فيه تلك الصورة اولئك شرار الخلق عند الله .

واما الزيارة والدعاء والسلام فلا يؤدى الى ذلك ولهذا شرعه الله تعالى على لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما ثبت من الاحاديث المتقدمة عنه صلى الله عليه وسلم قولاً وفعلًا وتواتر ذلك واجماع الامة عليه فلو كانت زيارة القبور من التعظيم المؤدى الى الشرك كالصوير ونحوه لم يشرعها الله تعالى في حق أحد من الصالحين ولا فعلها النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة في حق شهداء احد والبيع وغيرهم وليس لنا ان نحرم الا ما حرمه الله وان تخيلنا انه يفضى الى محذور ولا نبيح الا ما اباحه الله، وان تخيلنا انه لا يفضى الى محذور. ولما اباح الزيارة وشرعها و سنّها رسول الله وحظّر اتخاذ القبور مساجد وتصوير

و تصوير الصور عليها ، قلنا باباحة الزيارة و مشروعيتها و تحريم اتخاذ القبور مساجد و التصوير فن قاس الزيارة على التصوير في التحريم كان مخالفا للنص كما ان شخصا لو قال باباحة اتخاذ القبور مساجد اذا لم يفض الى الشرك كان مخالفا للنص ايضا ، والوسائل التي لا يتحقق بها المقصود ليس لنا ان نجري حكم المقصود عليها الا بنص من الشارع فان هذا من باب سد الذرائع الذي لم يقم عليه دليل فالنقض الى الشرك حرام بلا اشكال ، واما الامور التي قد تؤدي اليه وقد لا تؤدي فما حرمه الشرع منها كان حراما وما لم يحرمه كان مباحا لعدم استلزامه للحذور ، وهذه الامور التي نحن فيها من هذا القيل حرم الشرع منها اتخاذ القبور مساجد و التصوير و العكوف على القبور و اباح الزيارة و السلام و الدعاء و كل عاقل يعلم الفرق بينهما ، و يتحقق ان النوع الثاني اذا فُرض مع المخافة على آداب الشريعة لا يؤدي الى محذور وان القائل بمنع ذلك جملة سدا للذريعة متقول على الله و رسوله متقصد ما ثبت لذلك المزور من حق الزيارة .

واعلم ان هاهنا امرين لا بد منهما ، احدهما وجوب تعظيم النبي صلى الله عليه وسلم و رفع رتبته عن سائر الخلق ، و الثاني افراد الربوبية و اعتقاد ان الرب تبارك و تعالى منفرد بذاته و صفاته و افعاله عن جميع خلقه فمن اعتقد في احد من الخلق مشاركة الباري تعالى في ذلك فقد اشرك و جنى على جانب الربوبية فيما يجب لها و على الرسول فيما ادى الى الامة من حقها . و من قصر بالرسول عن شيء من رتبته فقد جنى عليه فيما يجب له و على الله تعالى بمخالفته فيما اوجب لرسوله . و من بالغ في تعظيم النبي صلى الله عليه وسلم بانواع التعظيم و لم يبلغ

ما يختص بالبارى تعالى فقد اصاب الحق وحافظ على جانب الروية
والرسالة جميعا وذات هو العدل الذى لا افراط فيه ولا تفريط .

ومن المعلوم ان الزيارة بقصد التبرك والتعظيم لا تنهى في التعظيم
الى درجة الروية ولا تزيد على مانص عليه في القرآن والسنة وفعل
الصحابه من تعظيمه في حياته وبعد وفاته وكيف يتخيل امتناعها انما هو وانا
اليه راجعون ، وهذا الرجل قد تخيل ان الناس بزيارتهم متعرضون
للاشراك بالله تعالى وبى كلامه كله على ذلك وكل دليل ورد عليه
يصرفه الى غير هذا الوجه وكل شبهة عرضت له يستعين بها على ذلك
فهذا داء لادواء له الا بان يلهمه الله الحق ابرى هو لما زار قصد ذلك
واشرك مع الله غيره .

الفصل الثانى

في تتبع كتابه، وقد سبق تتبع ما نقله من خطه في قیالم يسأل فيها
عن الزيارة قسدا بل جاء ذكرها تبعا للكلام في المشاهد والذى اتصل
عنه بالدولة نسخة قیما نقلت من خطه وعلى رأسها بخط قاضى القضاة
جمال الدين ما صورته قابلت الجواب عن هذا السؤال المكتوب دونه في
هذه الورقة على خط تقى الدين بن تيمية فصح سوى ما علم عليه بالاحمر
فان مواضعه من الورقة التى بخطه وجدتها واهية وليس ذلك بحز
انما المحز جعله زيارة النبی صلی الله علیه وسلم وقبور سائر الانبياء عليه
السلام مصیفة بالاجماع مقطوعا بها . وكتب محمد بن عبدالرحمن القزوينى
الشافعى وقد علم عليها الآن بالاسود في هذه النسخة (بسم الله الرحمن
الرحيم ما يقول السادة العلماء ائمة الدين تفع الله بهم المسلمين في رجل
نوى زيارة قبر نبى من الانبياء مثل نبينا محمد صلی الله علیه وسلم وغيره
فهل

فهل يجوز له في سفره ان يقصر الصلاة وهل هذه الزيارة شرعية ام لا وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال من حج ولم يزرني فقد جفائي ومن زارني بعد موتي كن زارني في حياتي وقد روى عنه صلى الله عليه وسلم انه قال لا تشد الرحال الا الى المسجد الحرام والمسجد الاقصى ومسجدي هذا، اقتونا ما جورين .

صورة ما وجد بخط تقي الدين بن تيمية رحمه الله مكتوباً تحت هذا السؤال جواباً عنه ، الحمد لله اما من سافر لمجرد زيارة قبور الانبياء والصالحين فهل يجوز له قصر الصلاة على قولين معروفين .

احدهما - وهو قول متقدمى العلماء من الذين لا يجوزون القصر في سفر المحصية كابى عبدالله بن بطة وابى الوفاء بن عقيل وطوائف كثيرين من العلماء المتقدمين انه لا يجوز القصر في مثل هذا السفر لانه سفر منهي عنه ، ومذهب مالك والشافعي واحمد ان السفر المنهى عنه في الشريعة لا يقصر فيه .

والقول الثاني انه يقصر فيه وهذا قول من يجوز القصر في السفر المحرم كابى حنيفة رحمه الله ويقول بعض المتأخرين من اصحاب الشافعي واحمد ممن يجوز السفر لزيارة قبور الانبياء والصالحين كابى حامد الغزالي وابى الحسين بن عبدوس الحاراني وابى محمد بن قدامة المقدسي وهؤلاء يقولون ان هذا السفر ليس بمحرم لعموم قوله زوروا القبور ، وقد يحتج بعض من لا يعرف الاحاديث بالاحاديث المروية في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم كقوله من زارني بعد مماتي فكأنما زارني في حياتي رواه الدارقطني وابن ماجه واما ما يذكره بعض الناس من قوله من حج ولم يزرني فقد جفائي فهذا لم يروه أحد من العلماء وهو مثل قوله من زارني وزار ابى ابراهيم في عام واحد

ضمنت له على الله الجنة فان هذا ايضا باطل باتفاق العلماء لم يروه احد ولم يحتج به احد وانما يحتج بعضهم بحديث الدارقطني .

وقد احتج ابو محمد المقدسي على جواز السفر لزيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم وقبور الانبياء بان النبي صلى الله عليه وسلم كان يزور مسجد قباء واجاب عن حديث لاتشد الرحال بان ذلك محمول على نفي الاستحباب . واما الاولون فانهم يحتجون بما في الصحيحين عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لاتشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد المسجد الحرام والمسجد الاقصي ومسجدى هذا ، وهذا الحديث اتفق الائمة على صحته والعمل به فلو نذر الرجل ان يحل في مسجد او مشهد او يتكف فيه او يسافر اليه غير هذه الثلاثة لم يجب عليه ذلك باتفاق الائمة ولو نذر ان ياتي المسجد الحرام بحج او عمرة وجب عليه ذلك باتفاق العلماء ولو نذر ان ياتي مسجد النبي صلى الله عليه وسلم او المسجد الاقصي لصلوة او اعتكاف وجب عليه الوفاء بهذا النذر عند مالك والشافعي واحمد ولم يجب عند ابي حنيفة لانه لا يجب عنده بالنذر الا ما كان من جنسه واجبا بالشرع ، واما الجمهور فيوجبون الوفاء بكل طاعة كائنت في صحيح البخاري عن عائشة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من نذر ان يطيع الله فليطعه ومن نذر ان يعص الله فلا يعصه والسفر الى المسجدين طاعة فلهذا بكل (۲) طاعة وجب الوفاء به ، واما السفر الى بقعة غير المساجد الثلاثة فلم يوجب احد من العلماء السفر اليه اذا نذره حتى نص العلماء على انه لا يسافر الى مسجد قباء لانه ليس من الثلاثة مع ان مسجد قبا يستحب زيارته لمن كان في المدينة لان ذلك ليس بشد رحل كما في الحديث الصحيح من تطهر في بيته ثم اتى مسجد قباء لا يريد .

لا يريد الا الصلوة فيه كان كعمرة قالوا ولان السفر الى زيارة قبور الانبياء والصالحين بدعة لم يفعلها احد من الصحابة والتابعين ولا امر بها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا استحب ذلك احد من ائمة المسلمين فمن اعتقد ذلك عبادة وفعلها فهو مخالف للسنة والاجماع الامة وهذا مما ذكره ابو عبد الله بن بطة في (اباته الصغرى) من البدع المخالفة للسنة والاجماع وبهذا يظهر ضعف حجة ابي محمد فان زيارة النبي صلى الله عليه وسلم لمسجد قباء لم يكن بشد رحل وهو يدلهم ان السفر اليه لا يجب بالنذر .

وقوله ان قوله لاتشد الرحال محمول على نفي الاستحباب محتمل على وجهين أحدهما ان هذا تسليم منه ان هذا السفر ليس بعمل صالح ولا قرينة ولا طاعة ولا هو من الحسنات فان من اعتقد في السفر لزيارة قبور الانبياء والصالحين انها قرينة وعبادة وطاعة فقد خالف الاجماع واذا سافر لاعتقاده انها طاعة كان ذلك محرما باجماع المسلمين فصار التحريم من الامر المقطوع به، ومعلوم ان احدا لا يسافر اليها الا لذلك واما اذا قدر ان الرجل يسافر اليها لغرض مباح فهذا جائز وليس من هذا الباب .

الوجه الثاني ان النفي يقتضي النهي والنهي يقتضي التحريم وما ذكره من الاسناد في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم فكلها ضعيفة باتفاق اهل العلم بالحديث بل هي موضوعة لم يرو احد من اهل السنن المعتمدة شيئا منها ولم يحتج احد من الائمة بشيء منها بل مالك امام اهل المدينة النبوية الذين هم اعلم الناس بحكم هذه المسئلة كره ان يقول زرت قبر النبي صلى الله عليه وسلم ولو كان هذا اللفظ هو معروفا عندهم او مشروعا

او ما ثورا عن النبي صلى الله عليه وسلم لم يكرهه عالم المدينة، و الامام احمد أعلم الناس في زمانه بالسنة لما سئل عن ذلك لم يكن عنده ما يعتمد عليه الا حديث ابي هريرة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ما من رجل يسلم على الاراد الله على روحى حتى ارد عليه السلام، و على هذا اعتمد ابو داود في سننه . وكذلك مالك في الموطأ روى عن عبد الله بن عمر انه كان اذا دخل المسجد فقال السلام عليك يا رسول الله السلام عليك يا ابا بكر السلام عليك يا بخت ثم ينصرف، و في سنن ابي داود عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لا تتخذوا قبرى عيدا وصلوا على فان صلوتكم تبلغنى حيث ما كنتم، و في سنن سعيد بن منصور ان عبد الله بن حسن بن حسن ابن علي بن ابي طالب رأى رجلا يختلف الى قبر النبي صلى الله عليه وسلم يدعو عنده فقال يا هذا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا تتخذوا قبرى عيدا وصلوا على حيث ما كنتم فان صلوتكم تبلغنى فانت ورجل بالاندلس الا سواء، و في الصحيحين عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال في مرض موته لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد مسجدا يحذر ما فعلوا .

قالت عائشة و لولا ذلك لا برز قبره و لكن كره ان يتخذ مسجدا فهم دفنوه في حجرة عائشة خلاف ما اعتادوه من الدفن في الصحراء لئلا يصل أحد عند قبره و يتخذ مسجدا فيتخذ قبره و ثنا و كان الصحابة و التابعون لما كانت الحجرة النبوية منفصلة عن المسجد الى زمان الوليد بن عبد الملك لا يدخل احد الى عنده لالسلوة هنالك و لالمسح بالقبر و لا دعاء هناك بل هذا جميعه انما يفعلونه في المسجد و كان السلف من الصحابة و التابعين اذا سلموا عليه و ارادوا الدعاء دعوا مستقبل القبلة و لم يستقبلوا القبلة . و اما

واما وقت السلام عليه فقال ابو حنيفة رحمه الله يستقبل القبلة
ايضا ولا يستقبل القبر وقال اكثر الائمة بل يستقبل القبر عند السلام
خاصة ولم يقل احد من الائمة انه يستقبل القبر عند الدعاء الا في
حكاية مكذوبة تروى عن مالك ومذهبه بخلافها، وانفق الائمة على انه
لا يتمسح بقبر النبي صلى الله عليه وسلم ولا يقبله وهذا كله محافظة على
التوحيد فان من اصول الشرك بالله اتخاذ القبور مساجد كما قال طائفة
من السلف في قوله (تعالى وقالوا لا تذرن الهك ولا تذرن ودا ولا سواعا
ولا يغوث ويعوق ونسرا) قالوا هؤلاء كانوا قوما صالحين في قوم
نوح فلما ماتوا عكفوا على قبورهم ثم صوروا على صورهم تماثيل ثم
طال عليهم الامد فعبدها وقد ذكر هذا المعنى البخاري في صحيحه
عن ابن عباس وذكره ابن جرير والطبري وغيره في التفسير عن غير
واحد من السلف وذكره وثيمة وغيره في قصص الانبياء من عدة
طرق وقد بسط الكلام على اصول هذه المسائل في غير هذا .

واول من وضع الاحاديث في السفر لزيارة المشاهد التي على
القبور هم اهل البدع من الرافضة ونحوهم الذين يعطلون المساجد ويعظمون
المشاهد يدعون يوت الله التي امر أن يذكر فيها اسمه وبعد وحده
لا شريك له ويعظمون المشاهد التي يشرك فيها ويكذب فيها ويتدع
فيها من لم ينزل الله به سلطانا فان الكتاب والسنة انما فيه ذكر
المساجد دون المشاهد كما قال الله تعالى (قل امر ربى بالقسط واقموا
وجوهكم عند كل مسجد وادعوه مخلصين له الدين) وقال الله تعالى
(انما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر واقام الصلوة)
الآية وقال الله تعالى (وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا) . قال الله

تعالى (ولا تبشروهن و اتم عاكفون في المساجد) وقال الله تعالى (ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها) لآية وقد ثبت عنه في الصحيح انه كان يقول ان من كان قبلكم كانوا يتخذون القبور مساجد الا فلا تتخذوا القبور مساجد فاني انها كم عن ذلك . والله سبحانه اعلم ، كتب احد بن تيمية هذا صورة خطه من اول الجواب الى هنا .

قلت اما قوله من سافر بمجرد زيارة قبور الانبياء والصالحين فهل يجوز له قصر الصلاة على قولين معزوفين فيرد عليه فيه اسولة احدهما ان زيارة قبور الانبياء والصالحين اما ان تكون عنده قرابة او مباحة او معصية فان كانت معصية فلا حاجة الى قوله مجرد فان القولين في سفر المعصية سواء مجرد قصد المعصية ام انضم اليه قصد آخر وان كانت قرابة لم يجر فيها الا قولان بل يقصر بلا خلاف . وان كانت مباحة فالمسافر لذلك له حالتان ، احدهما ان يسافر معتقدا ان ذلك من المباحات المستوية الطرفين فيجوز القصر ايضا بلا خلاف ولا اشكال في ذلك كالسفر لساير الامور المباحة ، والثانية ان يسافر معتقدا ان ذلك قرابة وطاعة وهذا سياي الكلام فيه وعلى تقدير ان يسلم له ما يقول يكون كلامه هنا مطلقا في موضع التفصيل فهو على التقديرين الاولين خطأ صريح وعلى التقدير الثالث خطأ بالاطلاق في موضع التفصيل .

السؤال الثاني انه بنى كلامه في ذلك على ان هذا السفر مختلف في تحريمه فقد قدمنا انكار هذا الخلاف وانه لم يتحقق صحته الا ما وقع في كلام ابن عقيل وقد قدمنا الكلام عليه وعلى تقدير صحته وعدم تأويله لم يتعرض فيه لقبر النبي صلى الله عليه وسلم ولا يجوز ان ينقل عنه

فيه بخصوصه شيء مع اطلاق الناس على السفر اليه. وابن تيمية رحمه الله نقل المنع من القصر فيه عن ابن بطة وابن عقيل وطوائف كثيرين من العلماء المتقدمين وهو مطلوب بتحقيق هذا النقل وتبين هؤلاء الطوائف الكثيرين من المتقدمين .

السؤال الثالث ، انه جعل المنع من القصر قول متقدمي العلماء كابن بطة وابن عقيل فجعل ابن عقيل من المتقدمين ثم جعل القول بجواز القصر قول ابي حنيفة رحمه الله وبعض المتأخرين من اصحاب الشافعي واحمد كالغزالي وغيره والغزالي في طبقة ابن عقيل بل تاخرت وفاته عنه فان وفاة الغزالي في سنة خمس وخمسة و وفاة ابن عقيل في سنة ثلاث عشرة وخمسة فكيف يجعل ابن عقيل من المتقدمين والغزالي من المتأخرين وليس ابن تيمية رحمه الله ممن يخفى عنه طبقتها فان كان مراده يجعل ابن عقيل من المتقدمين ان يتفق قوله عند العوام لاختياره اياه، ويجعله الغزالي من المتأخرين ان يضعف قوله عند العوام فليس ذلك صنيع أهل العلم . قوله ان من زارني بعد مماتي فكأنما زارني في حياتي رواه ابن ماجه ليس كذلك لم اراه في سنن ابن ماجه .

قوله فمن حج ولم يزرني فقد جفاني لم يروه احد من العلماء، ليس بصحيح وقد قدمنا من رواه وان كان ضعيفا .

قوله لو نذر الرجل ان يصل في مسجد او مشهد او يعتكف فيه او يسافر اليه غير هذه الثلاثة لم يجب عليه ذلك باتفاق الائمة ليس بصحيح فان في مذهب الشافعي وجهين مشهورين فيما اذا نذر الاعتكاف في مسجد معين غير المساجد الثلاثة هل يتعين كما يتعين المساجد الثلاثة أولا .

قوله حتى نص العلماء على انه لا يسافر الى مسجد قباء لانه ليس من الثلاثة ليس كذلك عن العلماء كلهم فان المنقول عن الليث بن سعد انه متى نذر مسجدا لزمه من المساجد الثلاثة وغيرها والمنقول عن بعض المالكية انه يجوز اعمال المطى لغير النادر مطلقا وحمل على ذلك اتيان النبي صلى الله عليه وسلم مسجد قباء فانه كان بغير نذر فهذان المذهبان يردان قوله ان العلماء نصوا على انه لا يسافر الى مسجد قباء .

قوله قالوا ولان السفر الى زيارة قبور الانبياء والصالحين بدعة لم يفعلها احد من الصحابة ولا التابعين ولا امر بها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا استحب ذلك احد من ائمة المسلمين فمن اعتقد ذلك عبادة وفعلها فهو مخالف للسنة واجماع الامة هذا من البهت الصريح وقد قدمنا من فعل ذلك من الصحابة والتابعين ومن استحبه من علماء المسلمين وأئمتهم لمجد ذلك مباحة .

ثم قوله قالوا وجعله ذلك على لسان غيره، ان كان مراده به ان يخلص من تبعته عند المخالفة (۱) فليس ذلك من دأب العلماء ثم هو مطلوب بنقل هذا القول برمة عن المتقدمين الذين نسب اليهم او عن بعضهم ثم نسبة ذلك الى غيره لا يخلصه لانه انما حكاة حكاية من يرتضيه ويتصر له ويفتي به العوام ويخرهم على اعتقاده ولا يفرق العامى الذى يسمع هذه الفتيا بين ان يذكره عن نفسه او حاكيا عن غيره . قوله وهذا بما ذكره ابو عبد الله بن بطة فى ابائه الصغرى قلنا قد ذكرنا عن ابن بطة فى الابانة ما يخالف هذا فى حق قبر النبي (۱) كذا وامله « المحاقة »

صلى الله

صلی اللہ علیہ وسلم ورايت من يذكر ان لابن بطة ابا تين وان
الذى نقله ابن تيمية رحمه الله من الصغرى والذى نقلناه من الكبرى
فان صح ذلك، وصح ما نقله ابن بطة فى الصغرى فيحمل على غير
قبر النبى صلى الله عليه وسلم توفيقا بين الكلامين وان قال ابن بطة
خلاف ذلك لم يلتفت اليه وقد ذكر الخطيب ابن بطة فى تاريخ بغداد
وحكى كلام المحدثين فيه من جهة دعوى سماع مالم يسمع وقول ابى
القاسم الا زهرى فيه انه ضعيف ضعيف ليس بحجة وذكر
عنه عن البغوى عن مصعب عن مالك عن الزهرى عن انس عن النبى
صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم وقال انه باطل من
حديث مالك ومن حديث مصعب عنه ومن حديث البغوى عن مصعب
وهو موضوع بهذا الاسناد والحمل فيه على ابن بطة هكذا قال فى
التاريخ وحكى مع ذلك ايضا انه كان شيخا صالحا مستجاب الدعوة فالله
تعالى يسلمنا من ائمة وانما اردنا ان نبين حاله ليعلم الناظر انه على تقدير
صحة النقل عنه ليس بمن يبعد فى كلامه الخطأ .

قوله ان قول ابى محمد المقدسى ان قوله لا تشد الرحال محمول
على نفي الاستحباب يحتمل وجهين احدهما ان هذا تسليم منه ان هذا
السفر ليس بعمل صالح ولا قرينة ولا طاعة ولا هو من الحسنات اذ
من اعتقد فى السفر لزيرة قبور الانبياء والصالحين انها قرينة وعبادة
وطاعة فقد خالف الاجماع، اعلم ان هذا الكلام فى غاية الايهام
والفساد اما الايهام فلان بعض من يراه يتوهم انه استتج بما سبق
انعقاد الاجماع على ان ذلك ليس بقرينة ونحن قد قدمنا عن الليث
ابن سعد وبعض المالكية ما يقتضى ان السفر الى غير المساجد الثلاثة

قرية فبطل التعرض لدعوى الاجماع وانما مقصود ابن تيمية رحمه الله الزام ابي محمد المقدسي على قوله ان لا تشد الرحال محمول على نفي الاستحباب وعلى تقدير ان هذا تسليم منه لان هذا السفر ليس بعمل صالح وغاية ما يلزم من هذا ان هذا السفر [ليس] بقربة وان من اعتقد انه قربة فقد خالف ابا محمد وابن ذلك من مخالفة الاجماع واما فساد فلان ابا محمد انما تكلم في جواز القصر ومقصوده اثبات الاباحة فانها كافية فيه فنفى توم التحريم بحمل الحديث على نفي الفضيلة اى لا يستحب شد الرحال الى مكان الا الى الثلاثة ومع هذا لا بد فيه من تأويل لان السفر مستحب لطلب العلم وغيره الى غيرها فالمقصود لا يستحب اليها من حيث هي وقد يكون هناك امر آخر يقتضى الاستحباب او الوجوب ولا مانع يكون قصد زيارة شخص مخصوص او اشخاص مما يقتضى الاستحباب ولم يتعرض ابو محمد لذلك لانه لم يتكلم فيه وانما تكلم في جواز القصر فاقصر على ما يكفى فيه وهو اثبات الاباحة .

قوله واذا سافر لا اعتقاده انها طاعة كان ذلك محرما باجماع المسلمين فصار التحريم من الامر المقطوع به هذا ايضا توم وفاسد اما ايهاه فلا ن كثيرا ممن يسمعه يظن ان هذا كلام مبتدأ ادعى فيه انعقاد الاجماع على التحريم وان ذلك مقطوع به، وكان ابن تيمية اراد ذلك وجعله معطوفا على الزام الشيخ ابي محمد حتى اذا حوقق فيه تخلص من دركه بجعله معطوفا وليس هذا دأب من يبنى الارشاد بل من يبنى الفساد فاما فساد، فلانا لو سلمنا ان السفر ليس بطاعة بالاجماع فسافر شخص معتقدا انه طاعة كيف يكون سفره محرما باجماع المسلمين.

المسلمين او على قول عالم من علماء المسلمين فان من فعل مباحا معتقدا انه قرينة لا ياثم ولا يوصف ذلك بكونه محرما بل ان كان اعتقاده ذلك لما ظنه دليلا وليس بدليل وقد بذل وسعه في ذلك كان مثابا عليه بمقتضى ظنه والا كان جهلا ولا اثم عليه فيه ولا اجر وفعله موصوف بالاباحة على حاله فمن اين يأتي وصفه بالتحريم .

وانما يأتي هذا الكلام في المباح اذا فعله على وجه العبادة مع اعتقاده انه ليس بعبادة فهذا ياثم به ويكون حراما لانه تقرب الى الله تعالى بما ليس بقرينة عند الله تعالى ولا في ظنه ومن هنا نشأ الغلط في هذه المسئلة وهكذا سائر البدع ومن ابدع عبادة فعليه اثم ابتداعه لانه ادخل في الدين ما ليس فيه واثم فعله لانه تقرب بما يعتقد انه ليس من الدين وامان قلده من العوام فان كان ذلك بما يسوغ فيه التقليد كالفروع وفعله معتقدا بأنه عبادة شرعية فلا اثم عليه وان كان بما لا يسوغ فيه التقليد كاصول الدين فعليه الاثم ومسئلتنا هذه من الفروع فلوفرضا انه لم يقل احد باستحباب السفر وفعله شخص على جهة الاستحباب معتقدا ذلك لشبهة عرضت له لم يحرم ولم ياثم فكيف وكل الناس قائلون باستحبابه .

قوله ومعلوم ان احدا لا يسافر اليها الا لذلك هذا يقتضى ان كلامه ليس في امر مفروض بل في الواقع الذي عليه الناس وان الناس كلهم انما يسافرون لا اعتقادهم انها طاعة والامر كذلك يقتضى على زعمه ان سفر جميعهم محرم باجماع المسلمين فان الله وانا اليه راجعون أيكون جميع المسلمين في سائر الاعصار من سائر اقطار الارض مرتكبين لامر محرم مجمعين عليه ، فهذا الكلام من ابن تيمية رحمه الله

يقتضى تضليل الناس كلهم القاصد من لزيارة النبي صلى الله عليه وسلم
ومعصيتهم، وهذه عثرة لا تقال ومصيبة عظيمة، ولا حول ولا قوة
إلا بالله العلي العظيم .

قوله وأما إذا قدر أن الرجل يسافر إليها لغرض مباح فهذا
جائز وليس من هذا الباب مفهوم هذا الكلام أن غرض الزيارة
ليس بمباح، قوله، الوجه الثاني أن النفي يقتضى النهى والنهي يقتضى
التحريم ظاهر صدر كلامه أن كلام أبي محمد يحتمل وجهين هذا
ثانيهما وإنما يتجه هذا الوجه الثاني على سبيل الرد لقول أبي محمد يعني
أن حمله على نفي الاستحباب خلاف الظاهر لأنه نفي والنفي يقتضى
النهي والنهي يقتضى التحريم وجواب هذا بالدليل المانع من
حمله على التحريم وتعين المصير إلى المجاز على أن هذه العبارة فاسدة
لأن النفي لا يقتضى النهى وإنما يستعمل فيه على سبيل المجاز نعم قد
يقال بأن النهى يقتضى النفي على العكس مما قال أما كون النفي يقتضى
النهي فلا يقول به أحد وإنما مراده أنه نفي بمعنى النهى .

وإذا عرف هذا فلا بد من أن يقول لا شك أن حقيقة النفي
خبر لا يقتضى تحريماً ولا كراهة والنهي له معنيان أحدهما هو فيه حقيقة
وهو التحريم والآخر هو فيه مجاز وهو الكراهة فإذا صرف النهى
عن حقيقة الخبرية إلى معنى النهى احتمل أن يستعمل في التحريم
أو الكراهة وإيما كان فاستعماله فيه مجاز لأن الخبر غير موضوع له
فإن رجح استعماله في التحريم لبعض المرجحات كان ذلك من باب
ترجيح بعض المجازات على بعض وقد يكون ذلك الترجيح معارضا بترجيح
آخر فلا بد من محمد أن يمنع كون اللفظ المذكور حقيقة في التحريم

أو ظاهراً

اظهارا فيه قال الخبر ليس مستعملا في لفظ النهي بل في معناه ومعناه منقسم الى الحقيقي والمجازي، فان قيل النهي النفساني شيء واحد وهو طلب الترك المجازم المانع من النقيض وما سواه ليس بنهي حقيقة فاذا ثبت ان المراد بالخبر النهي ثبت التحريم قلنا حيثذ يمنع ان المراد بالخبر النهي .

وقوله ان ما ذكره من الاحاديث في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم فكلها ضعيفة باتفاق اهل العلم بالحديث بل هي موضوعة لم يروا احد من اهل السنن المعتمدة شيئا منها قد ينا بطلان هذه الدعوى في اول هذا الكتاب ما روى مالك من كراهة، قوله زرت قبر النبي صلى الله عليه وسلم ينا مراده في الباب الرابع .

قوله ولو كان هذا اللفظ مشروعا عندم الى آخره كلام في غير محل النزاع لان النزاع ليس في اللفظ ولم يسئل عنه وانما هو في المعنى وما ذكره عن احمد وابي داود ومالك في الموطأ فكله حجة عليه لانه لان المقصود معنى الزيارة وهو حاصل من تلك الآثار واما حديث لا تتخذوا قبوري عيدا فقد تقدم الكلام عليه وحديث لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد لا يدل على مذعاه لاننا لم نتخذه مسجدا فان اراد قياس الزيارة عليه فقد سبق الكلام في ذلك .

قوله فهم دفنوه في حجرة عائشة خلاف ما اعتادوه من الدفن في الصحراء لتلا صلى احد عند قبره ويتخذ مسجدا فيتخذ قبره وثنا هذا ليس بصحيح، وانما دفنوه في حجرة عائشة لما روى لهم ان الانبياء يدفنون حيث يقبضون بعد اختلافهم في اين يدفن قلنا روى لهم الحديث المذكور دفنوه هناك وهذا من الامور المشهورة التي يعرفها

كل أحد ولم يقل أحد انهم دقوه هناك للغرض الذي ذكره
 قوله وكان الصحابة والتابعون لما كانت الحجرة النبوية منفصلة
 عن المسجد لا يدخل أحد الى عنده لا لصلاة هنالك ولا لمسح بالقبر
 ولا دعاء هناك فنقول ان هذا لا يدل على مقصوده ونحن نقول ان
 من ادب الزيارة ذلك ونهى عن التمسح بالقبر والصلاة عنده على
 ان ذلك ليس مما قام الاجماع عليه فقد روى ابو الحسين يحيى بن
 الحسن بن جعفر بن عبيد الله الحسيني في كتاب اخبار المدينة قال حدثني
 عمر بن خالد ثنا ابو نباتة عن كثير بن زيد عن المطلب بن عبد الله
 ابن حنطب قال اقبل مروان بن الحكم فاذا رجل ملتزم القبر فاخذ
 مروان برقبته ثم قال مل تدري ماذا تصنع فاقبل عليه فقال نعم اني
 لم آت الحجر ولم آت اللين انما جئت رسول الله صلى الله عليه لا تبكوا
 على الدين اذا وليه أهله ولكن ابكوا عليه اذا وليه غير أهله قال
 المطلب وذلك الرجل ابو ايوب الانصاري رضى الله عنه قلت وابو نباتة
 يونس بن يحيى ومن فوقه ثقات وعمر بن خالد لم اعرفه فان صح
 هذا الاسناد لم يكره مس جدار القبر وانما اردنا بذكره القدح
 في القطع بكراهة ذلك. قوله وكان السلف من الصحابة والتابعين
 اذا سلبوا عليه وارادوا الدعاء دعوا مستقبل القبلة ولم يستقبلوا القبر
 هذا فيه اعتراف بدعاء السلف عند السلام وتركهم الدخول الى الحجرة
 مبالغة في الادب وتركهم استقبال القبر عند الدعاء ان صح لا يدل
 على انكار الزيارة ولا على انكار السفر لها.

قوله ، واما وقت السلام عليه فقال ابو حنيفة رحمه الله يستقبل
 القبلة ايضا وكذلك ذكره ابو الليث السمرقندي في الفتاوى عطفًا على

حكاية (۱۹)

حکایت حکاما الحسن بن زیاد عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ، وقال السروجی الحنفی یقف عندنا مستقبل القبلة، قال الکرمانی وعن اصحاب الشافعی وغيره یقف وظهره الی القبلة ووجهه الی الحظيرة، وهو قول ابن حنبل واستدل الحنفیة بان ذلك جمع بین عبادتین، وقول اکثر العلماء استقبال القبلة عند السلام وهو الاحسن والأدب فان المیت یعامل معاملة الحی والحی یسلم علیه مستقبلا فكذلك المیت وهذا لا ینبغی ان یتردد فیہ. وقوله ان اکثر العلماء قالوا یتقبله عند السلام خاصة. التکید بقوله خاصة یطلب بنقله بل مقتضى كلام اکثر العلماء من الشافعی والمالکی والخاتمة الاستقبال عند السلام والدعاء، وذكر النقل فی استقبال القبلة عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ لیس فی المشهور من کتب الحنفیة بل غالب کتبهم ما کتبه عن ذلك وقد قدما عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ انه قال جاء ایوب السختیانی فدنا من قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاستدبر القبلة واقبل بوجهه الی القبر، وقال ابراهیم الحربی فی مناسکة تولى ظهرک القبلة وتقبل وسطه۔ یعنی القبر، ذکره الآجری عنه فی کتاب الشریعة وذكر السلام والدعاء.

قوله، ولم یقل احد من الائمة یتقبل القبر عند الدعاء الا فی حکایت مکتوبة تروی عن مالک ومذهبه بخلافها، اما انکاره ذلك عن احد من الائمة فقد قدما عن ابی عبد اللہ السامری الحنبلی صاحب کتاب المستوعب فی مذهب احمد انه قال یجعل القبر تلقاء وجهه والقبلة خلف ظهره والمنبر عن یساره وذكر کیفیة السلام والدعاء الی آخره، وظاهر ذلك انه یتقبل القبلة فی السلام والدعاء جمیعا، وهكذا اصحابنا وغیرهم اطلاق کلامهم یمتضی انه لا فرق فی استقبال

القبر بين حالى السلام والدعاء وكذا ما قدمناه الآن عن ابراهيم
الحربى، وقد صرح اصحابنا بانه ياتى القبر الكريم فيستدبر القبلة ويستقبل
جدار القبر ويعد من رأس القبر نحو اربعة اذرع فيسلم على النبي
صلى الله عليه وسلم ثم يتأخر عن صوب يمينه فيسلم على ابي بكر رضى الله
عنه ثم يتأخر ايضا فيسلم على عمر رضى الله عنه ثم يرجع الى موقفه الاول
قائلة رسول الله صلى الله عليه وسلم ويتوسل به في حق نفسه ويستشفع
به الى ربه سبحانه وتعالى ويقول حكاية النبي ثم يتقدم الى رأس
القبر فيقف بين القبر والاسطوانة التي هناك ويستقبل القبلة ويحمد الله
تعالى ويمجده ويدعو لنفسه ولوالديه ومن شاء بما احب، وحاصله ان
استقبال القبلة في الدعاء حسن واستقبال القبر ايضا حسن لاسباب حالة
الاستشفاع به ومخاطبته ولا اعتقد أن احدا من العلماء كره ذلك ومن
ادعى ذلك فليتبته .

وقوله ان الحكاية عن مالك مكذوبة فقد قدمنا ان هذه الحكاية
رواها القاضى عياض عن القاضى ابى عبد الله محمد بن عبد الرحمن
الاشعري وابى القاسم احمد بن بنى الحاكم وغير واحد فيما اجازوه
قالوا ثنا احمد بن عمرو بن دهاث ثنا على بن نهر عن محمد بن احمد
ابن الفرج ثنا ابوالحسن عبد الله بن المتتاب ثنا يعقوب بن اسحاق بن ابى
اسرائيل ثنا ابن حميد قال ناظر ابو جعفر امير المؤمنين مالكا في مسجد
رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرها الى ان قال ابو جعفر يا ابا عبد الله
استقبل القبلة وادعوا ام استقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم ؟ قال
ولم تصرف وجهك عنه وهو ويليك ووسيلة ايك آدم عليه السلام
بل استقبله واستشفع به فيشفعك الله تعالى هكذا ذكرها القاضى عياض

في الشفاء في الباب الثالث في تعظيم امره ووجوب توقيره وبره
صلى الله عليه وسلم ولم يعقبها بانكار، ولا قال ان مذهبه بخلافها بل
قال في الباب الرابع في فصل في حكم زيارة قبره قال مالك في رواية
ابن وهب وهو اذا سلم على النبي صلى الله عليه وسلم ودعا يقف
ووجهه الى القبر لا الى القبلة ويدنو ويسلم ولا يمس القبر يده فهذا
نص عن مالك من طريق اجل اصحابه وهو عبد الله بن وهب احدا لائمة
الاعلام صريح في انه يستقبل عند الدعاء القبر لا القبلة، وذكر القاضي
عياض انه قال في المبسوط لا ارى ان يقف عند القبر يدعو ولكن
يسلم ويمضي قلت فالاختلاف بين المبسوط ورواية ابن وهب في
كونه يقف للدعاء اولا وليس في الاستقبال وقد قدمنا عن كثير من
كتب المالكية انه يقف ويدعو ولم نرا احدا منهم قال، بانه اذا وقف
عند القبر يستدبره ويدعو ولا يجعله الى جانبه فكيف يحل لدى علم ان
يدعى ان مذهب مالك بل مذهب جميع العلماء بخلاف الحكاية المذكورة
ويجعل ذلك وسيلة الى تكذيبها وتكذيب ناقلها بمجرد الوم والخيال
من غير دليل اقتضى له ذلك الا مجرد شيء قام في نفسه .

وقد ذكر القاضي عياض اسماها وهو اسناد جيد ، اما القاضي
عياض فتأهيك به نبلا و جلالة وثقة و امانة و علما بمجما عليه و شيخه
ابوالقاسم احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن عبد الرحمن بن احمد بن يحيى
ابن محمد من بيت العلم و الجلالة ذكره ابن بشكوال و ذكر شيخه الذين
سمع منهم ، ثم قال و كتب اليه ابو العباس العذري بالاجازة و شورور
بالاحكام بقرطبة فصار صدر المفتين بها لسه و تقدمه و هو من بيت علم
و نباهة و فضل و صيلة و كان ذا كرا المسائل و النوازل دريا بالفتوى بصيرا

بنقد الشروط وعللها مقدما في معرفتها اخذ الناس عنه، ولد في شعبان سنة ست واربعين واربعمائة وتوفي في سلخ سنة اثنين وثلاثين وخمسمائة وذكر ابن بشكوال، ايضا ابا عبدالله محمد بن عبدالرحمن بن علي بن سعيد بن عبدالله بن سيرين يكنى ابا عبدالله كان من اهل العلم والمعرفة والفهم عالما بالفروع والاصول واستقضى باشيلى وحدث سيرته توفي سنة ثلاث وخمسمائة كتب الى القاضي ابوالفضل بوفاته، قلت، والظاهر انه الذي وصفه القاضي عياض بالاشعري، وشيخهم ابوالعباس احمد بن عمرو بن انس بن دلهات العدوي، قال ابوالقاسم خلف بن عبدالمالك بن مسعود بن موسى بن بشكوال رحل الى المشرق مع ابيه سنة سبع واربعمائة وصلوا الى بيت الله الحرام في شهر رمضان سنة ثمان جاوروا اعراما وانصرف عن مكة سنة ست عشرة فسمع بالحجاز سمعا كثيرا وصحب الشيخ الحافظ اباندر الهروي وسمع منه صحيح البخاري سبع مرات وكان متقنا بالحديث وقلة وروايته وضبطه مع ثقته وجلالة قدره وعلواسناده سمع الناس منه وحدث عنه كبار العلماء ابن عبد البر وابن حزم وابو علي الغساني وجماعة، قال ابو علي اخبرني ابوالعباس ان مولده في ذي القعدة سنة ثلاث وتسعين وثلاثمائة وتوفي في آخر شعبان سنة ثمان وسبعين واربعمائة ودفن بالمدينة .

وشيخه ابوالحسن علي بن الحسن بن علي بن فخر الرازي المصري الحافظ روى عن الحسن بن رشيق واسماعيل بن ابي محمد الازدي وروى مستند الموطا عن مؤلفه الحرم وسمعه منه بمصر روى عنه البيهقي وشيخه محمد بن احمد بن محمد بن الفرج ابوبكر المصري الجزائري الحاج توفي في ذي القعدة سنة ثمان وستين وثلاثمائة وذكره ابن السمعاني في

فی الجزائری ذکرہ القراب عن المالینی قال وقال ابن المنذر هو ثقة .

و شیخہ ابوالحسن عبداللہ بن المتاب ہو عبداللہ محمد بن المتاب
القاضی روی عنہ ابوالحسن الجوزی احداثہ اصحابنا مقرونا بابی بکر
النسابوری حدیث الاسلام ان تسلم وجهک فقیم الصلاة و تؤتی الزکاة
و تصوم رمضان و تحج الیت و تعتمر و شیخہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم
ابن کاجر المعروف والدہ باسحاق بن ابی اسرائیل حدث عن ایه
و داود بن رشید و احمد بن عبد الصمد الانصاری و الحسن بن شیب
و عمر بن شبة النمیری روی عنہ المفضل بن سلة و عبد الصمد الطبسی
و ابو القاسم الطبرانی قال الدارقطنی لا بأس بہ ذکرہ الخطیب و شیخہ
ابن حمید اظن انه ابوسفیان محمد بن حمید المعمری، فان الخطیب ذکرہ
فی الرواة عن مالک و انه قال کتب عن مالک موطأہ ارانیہ فجعل یعرضہ
علی و یقول قلت فی کسوة المسلمین فی کفارة الیمین کذا لیس هذا
حسن فان یکنہ فهو ثقة روی لہ مسلم توفی سنۃ اثنتین و مائین و قیل
لہ المعمری لانه رحل الی معمر فانظر الی هذه الحکایة و ثقة رواها
و موافقتها لما رواہ ابن وهب عن مالک و حسبک بابن وهب فقد قیل
کان الناس بالمدينة یختلفون فی الشیء عن مالک فیتظرون قدوم ابن وهب
حتى یسألوه عنہ، وقال ابن بکیر: ابن وهب اقہ من ابن القاسم .

ولنا ہا هنا طرق، احداھا الاخذ بروایة ابن وهب فقط لرجحانها
الثانیة الاعتراف بالروایتین و ان هذا لیس من الاختلاف فی حلال
و حرام و لافی مکروہ فان استقبال القبلة حسن و استقبال القبر حسن،
الثالثہ لو ثبت لہ مازعہ من استقبال القبلة خاصة و عدم استقبال القبر
عند الدعاء فای شیء یلزم من ذلك و هل هذا الا کما اذا قلت المصلی

يستقبل القبلة ولا يستقبل القبر فهل لهذا مدخل في الزيارة ولفظه (؟) من العوام ريرا بنفسه عن هذا الكلام فضلا عن علماء الاسلام وقد طالعت عدة كتب من كتب المالكية فلم ارفيها عن احد المنع من استقبال القبر في الدعاء ولا كراهة ذلك ولا انه خلاف الاولى غير ما قدمته عن المبسوط وليس ذلك في انه يدعو غير مستقبل كما ادعاه ابن تيمية اما الذي ادعى ابن تيمية انه مذهب مالك ومذهب جميع العلماء انه اذا سلم مستقبل القبر واراد الدعاء استدبر القبر ولاجله رد الحكاية المذكورة عنه لم تلقه في شيء من كتب المالكية ولا من كتب غيرهم وقد قدمت في الباب الرابع من كلام المالكية في الزيارة جملة .

وبقيت جملة اذكرها هاهنا، قال ابو الحسن اللخمي في التبصرة في باب من جاء مكة ليلا او بعد العصر او الصبح ويتدىء في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم بركعتين تحية المسجد قبل ان يأتي القبر ويسلم وهذا قول مالك وقال ابن حبيب يقول اذا دخل بسم الله وسلام على رسول الله . يريد انه يتدىء بالسلام من موضعه ثم يركع ولو كان دخوله من الباب الذي بناحية القبر ومروره عليه فوقف فلم ثم تلمد الى موضع يصلي فيه لم يكن ضيفا، انتهى كلام اللخمي .

وقال ابن بشير المالكي في كتاب التثية على مبادئ التوجيه في دخول مكة وحكم الطواف والركوع والسعي، والاولى لمن دخل المدينة ابتداء بالركوع في مسجده ثم ينصرف الداخل الى القبر فيسلم على الرسول صلى الله عليه وسلم ويكثر من الصلاة عليه ثم يدعو في نفسه بما احب ثم يسلم على ابي بكر وعمر رضي الله عنهما ويستحب له ان يفعل ذلك عند خروجه من المدينة. وظاهر هذا الكلام انه يدعو مستقبل القبر .

وقال

و قال ابن یونس المالکی فی باب فرائض الحج و الفسل لها و دخول
المدينة و صفة الاحرام و التلیة، قال ابن حبيب و يقول اذا دخل مسجد
النبي صلی الله علیه و سلم بسم الله السلام علی رسول الله السلام علینا من ربنا
صلی الله و ملائکته علی محمد اللهم اغفر لی ذنوبی و افتح لی ابواب رحمتک
و جنتک و احفظی من الشیطان، ثم اقصد الی الروضة و هی ما بین القبر
و المنبر فارکع فیها رکعتین قبل و قوفک بالقبر تحمد الله تعالی و تسأله تمام
ما خرجت له و العون علیه و ان كانت رکعتان فی غیر الروضة اجزأتا
عنک و فی الروضة افضل و قد قال علیه السلام ما بین قبری و منبری روضة
من ریاض الجنة و منبری علی ترعة من ترع الجنة .

قال ابن حبيب ثم اقصد اذا قضیت رکعتیک الی القبر من و جاء
القبلة فادن منه ثم سلم علی رسول الله صلی الله علیه و سلم و سلم و اثن علیه
و علیک السکينة و الوقار فانه صلی الله علیه و سلم یسمع و یعلم و قوفک
بین یدیه و تسلم علی ابی بکر و عمر رضی الله عنهما و تدعو لها و اکثر
الصلوة فی مسجد الرسول علیه الصلاة و السلام باللیل و النهار و لا تدع ان
تأتی مسجد قباء و قبور الشهداء، انتهى و ناهیک بهذا الکلام من ابن حبيب
رحمه الله و تصریحه و جزمه بان النبي صلی الله علیه و سلم یسمع کلام
المسلم علیه و یعلم و قوفه بین یدیه و ابن حبيب رحمه الله من اجلة العلماء .

و قال النووي فی کتاب رؤس المسائل عن الحافظ ابی موسی
الاصبهانی انه روى عن مالک بن انس الامام رحمه الله انه قال اذا
اراد الرجل ان یأتی قبر النبي صلی الله علیه و سلم فیتدبر القبلة
و یتقبل النبي صلی الله علیه و سلم و یصلی علیه و یدعو . و رأیت فی
شرح کتاب عبد الله بن عبد الحكم الکبیر لابی بکر محمد بن عبد الله

ابن صالح الابهري في كتاب الجامع قال ابن وهب سئل مالك اين يقف من اراد التسليم على رسول الله صلى الله عليه وسلم من القبر قال عند الزاوية التي تلى القبلة عما يلي الخبر مستقبل القبلة ولا احب ان يمس القبر يده . انما قال ذلك لانه شاهد الناس يسلمون على النبي صلى الله عليه وسلم فاستحب الاقتداء بهم ولا يمس قبره ولا حائطه تعظيماله وان ذلك لم يكن عليه فعل من مضى وهذه النسخة يحتمل ان تكون غلطاً لان رواية ابن وهب عن مالك كما تقدم ان المسلم يستقبل القبر لا القبلة ويشهد لها رواية ابي موسى وكلام المالكية ويحتمل ان يكون عنه في ذلك روايتان ، احداها كذهب ابي حنيفة رحمه الله والاخرى هي المشهورة ولوثبت عن مالك وعن غيره ان الاولى استقبال القبلة في الدعاء لا القبر لم يكن في ذلك شيء من منع الزيارة ولا السفر ولا مانعاً من تعظيم القبر ومن اعتقد ذلك فقد ضل ، وكل ما ذكره بعد ذلك تقدم الجواب عنه وانه لا يدل على مقصوده .

الباب الثامن

في التوسل والاستعانة والتشفع بالنبي صلى الله عليه وسلم اعلم انه يجوز ويحسن التوسل والاستعانة والتشفع بالنبي صلى الله عليه وسلم الى ربه سبحانه وتعالى وجواز ذلك وحنه من الامور المعلومة لكل ذي دين المعروفة من فعل الانبياء والمرسلين وسير السلف الصالحين والعلماء والعوام من المسلمين ولم ينكر احد ذلك من اهل الاديان ولا سمع به في زمن من الازمان حتى جاء ابن تيمية فتكلم في ذلك بكلام يلبس فيه على الضعفاء الاغمار وابتدع ما لم يسبق اليه في سائر الاعصار ولهذا طعن في الحكاية التي تقدم ذكرها

(٢٠) عن

عن مالك فان فيها قول مالك للنصور : استشفع به . ونحن قد بينا صحتها
ولذلك ادخلنا الاستعانة في هذا الكتاب لما تعرض اليها مع الزيارة
وحسبك ان انكار ابن تيمية للاستعانة والتوسل قول لم يقله عالم قبله .
وصاربه بين اهل الاسلام مثله . وقد وقفت له على كلام طويل في
ذلك رأيت من الرأي القويم ان اميل عنه الى الصراط المستقيم ولا اتبعه
بالنقض والابطال ، فان دأب العلماء القاصدين لايضاح الدين وارشاد
المسلمين تقريب المعنى الى افهامهم وتحقيق مرادهم وبيان حكمه ، ورأيت
كلام هذا الشخص بالضد من ذلك فالوجه الاضراب عنه .

واقول ان التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم جائز في كل حال
قبل خلقه وبعد خلقه في مدة حياته في الدنيا وبعد موته في مدة
البرزخ وبعد البعث في عرصات القيامة والجنة وهو على ثلاثة انواع .
النوع الاول ان يتوسل به بمعنى ان طالب الحاجة يسأل الله
تعالى به او بجاهه او لبركه فيجوز ذلك في الاحوال الثلاثة وقد ورد
في كل منها خبر صحيح ، اما الحالة الاولى قبل خلقه فيدل على ذلك آثار
عن الانبياء الماضين صلوات الله وسلامه عليهم اجمعين اقتصرنا منها على
ما تبين لنا صحته وهو ما رواه الحاكم ابو عبد الله ابن البيع في المستدرک
على الصحيحين او احدهما ، قال ثنا ابو سعيد عمرو بن محمد بن منصور
المعدل ثنا ابو الحسن محمد بن اسحاق بن ابراهيم الحنظلي ثنا ابو الحارث
عبد الله بن مسلم الفهرى ثنا اسماعيل بن مسلمة انا عبد الرحمن بن زيد
ابن اسلم عن ابيه عن جده عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم لما اعترف آدم عليه السلام بالخطيئة قال :
يا رب أسألك بحق محمد لما غفرت لي فقال الله يا آدم وكيف عرفت

محمدًا ولم أخلقه، قال يا رب لأنك لما خلقتني يدك ونفخت في من روحك رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبًا: لا اله الا الله محمد رسول الله، ففرفت انك لم تضيف الى اسمك الا احب الخلق اليك فقال الله صدقت يا آدم انه لاحب الخلق الى اذسانى محبة فقد غفرت لك ولولا محمد ما خلقتك، قال الحاكم هذا حديث صحيح الاسناد وهو اول حديث ذكرته لعبد الرحمن بن زيد بن اسلم في هذا الكتاب ورواه البيهقي ايضا في دلائل النبوة وقال تفرد به عبد الرحمن وذكره الطبراني وزاد فيه وهو آخر الانبياء من ذريتك .

وذكر الحاكم مع هذا الحديث ايضا عن علي بن حمشاذ العدل ثنا هارون بن العباس الهاشمي ثنا جندل بن واثق ثنا عمرو بن أوس الانصاري ثنا سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن سعيد بن المسيب عن ابن عباس قال: أوحى الله الى عيسى عليه السلام، يا عيسى آمن بمحمد وأمر من أدركه من امتك ان يؤمنوا به فلو لا محمد ما خلقت آدم ولولاه ما خلقت الجنة والنار ولقد خلقت العرش على الماء فاضطرب فكنبت عليه لا اله الا الله، فسكن .

قال الحاكم هذا حديث حسن صحيح الاسناد ولم يخرجاه انتهى ما قاله الحاكم والحديث المذكور لم يتفق عليه ابن تيمية بهذا الاسناد ولا بلغه ان الحاكم صححه فانه قال اعنى ابن تيمية اما ما ذكره في قصة آدم من توبه فليس له اصل ولا نقله احد عن النبي صلى الله عليه وسلم باسناد يصلح للاعتناء عليه ولا الاعتبار ولا الاستشهاد، ثم ادعى ابن تيمية انه كذب وأطال الكلام في ذلك جدا بما لا حاصل تحته بلوهم واتخروا، ولو بلغه ان الحاكم صححه لما قال ذلك او تعرض

للجواب

للجواب عنه وكأني به ان بلغه بعد ذلك يطن في عبدالرحمن بن زيد
ابن اسلم راوى الحديث ونحن نقول ، قد اعتمدنا في تصحيحه على الحاكم
وايضا عبدالرحمن بن زيد بن اسلم لا يبلغ في الضعف الى الحد الذي
ادعاء وكيف يحل لمسلم ان يتجاسر على منع هذا الامر العظيم الذي
لا يرد عقل ولا شرع وقد ورد فيه هذا الحديث ، وسنزيد هذا المعنى
صححة وثبتا بعد استيفاء الاقسام .

واما ما ورد من توسل نوح و ابراهيم وغيرهما من الانبياء فذكره
المفكرون واكتفينا عنه بهذا الحديث لجودته وتصحيح الحاكم له
ولا فرق في هذا المعنى بين ان يعبر عنه بلفظ التوسل او الاستعانة
او التشفع او التجوء (?) والداعي بالدعاء المذكور وما في معناه متوسل بالنبي
صلى الله عليه وسلم لانه جعله وسيلة لاجابة الله دعاءه ومستغيث به
والمعنى انه استغاث الله به على ما يقصده ، فالباء هاهنا للسيبة وقد ترد
للتعدي كما يقول من استغاث بك فاعثه ومستشفع به ومتجوء به
ومتوجه فان التجوء والتوجه راجعان الى معنى واحد .

فان قلت ، المتشفع بالشخص من جاء به ليشفع فكيف يصح
ان يقال يتشفع به ، قلت ليس الكلام في العبارة وانما الكلام في
المعنى وهو سؤال الله بالنبي صلى الله عليه وسلم كما ورد عن آدم وكما
يفهم الناس من ذلك وانما يفهمون من التشفع والتوسل والاستعانة
والتجوء ذلك ولا مانع من اطلاق اللغة بهذه الالفاظ على هذا المعنى
والمقصود جواز أن يسأل العبد الله تعالى بمن يقطع ان له عند الله
قدر او مرتبة ولا شك ان النبي صلى الله عليه وسلم له عند الله قدر على
ومرتبة رفيعة وجاء عظيم وفي العادة ان من كان له عند الشخص قدر

بحيث انه اذا شفع عندك قبل شفاعته فاذا نسب اليه شخص في غيبته وتوسل بذلك وتشفع به وان لم يكن حاضرا ولا شافعا وعلى هذا التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم قبل خلقه ولنا في ذلك اثنتين غير الله تعالى ولا داعين الاياه ويكون ذكر المحبوب او التعظيم سببا للاجابة كما في الادعية الصحيحة المأثورة: أسألك بكل اسم لك وأسألك باسمائك الحسنى وأسألك بانك انت الله واعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك وبك منك .

وحديث الغار الذي فيه الدعاء بالاعمال الصالحة وهو من الاحاديث الصحيحة المشهورة فالمسؤل في هذه الدعوات كلها هو الله وحده لا شريك له والمسؤل به يختلف ولم يوجب ذلك اشراكا ولا سؤال غير الله، كذلك السؤال بالنبي صلى الله عليه وسلم ليس سؤالا للنبي صلى الله عليه وسلم بل سؤال بالله به واذا جاز السؤال بالاعمال وهي مخلوقة فالسؤال بالنبي صلى الله عليه وسلم أولى ولا يسمع الفرق بان الاعمال تقتضى المجازاة عليها لان استجابة الدعاء لم يكن عليها والاحصاء بدون ذكرها وانما كانت على الدعاء بالاعمال، وليس هذا المعنى مما يختلف فيه الشرائع حتى يقال ان ذلك شرع من قبلنا فانه لو كان ذلك مما يخل بالتوحيد لم يبحى في ملة من الملل فان الشرائع كلها متفقة على التوحيد، وليت شعري ما المانع من الدعاء بذلك فان اللفظ انما يقتضى ان للمسؤل به قدرا عند المسؤل وتارة يكون المسؤل به أعلى من المسؤل اما البارى سبحانه وتعالى كما في قوله من سألكم بالله فاعطوه وفي الحديث الصحيح في حديث ابرص واقرع واعمى أسألك بالذى أعطاك اللون الحسن والجلد الحسن الحديث - وهو مشهور وإما بعض البشر ويحتمل

وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مِنْ هَذَا الْقِسْمِ قَوْلُ عَائِشَةَ لِفَاطِمَةَ أَسْأَلُكَ بِمَا لِي
عَلَيْكَ مِنَ الْحَقِّ، وَتَارَةً يَكُونُ الْمَسْئُولُ أَعْلَى مِنَ الْمَسْئُولِ بِهِ كَمَا فِي سُؤَالِ
اللَّهِ تَعَالَى بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْكَرَ ذَلِكَ فَقَدْ كَفَرَ، فَتَى قَالَ أَسْأَلُكَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تُشْكُ فِي جَوَازِهِ وَكَذَا إِذَا قَالَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَالْمُرَادُ بِالْحَقِّ
الرَّتَبَةُ وَالْمَنْزِلَةُ وَالْحَقُّ الَّذِي جَعَلَهُ اللَّهُ عَلَى الْخَلْقِ أَوِ الْحَقُّ الَّذِي جَعَلَهُ اللَّهُ
بِفَضْلِهِ لَهُ عَلَيْهِ كَمَا فِي الْحَدِيثِ الصَّحِيحِ قَالَ فَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ وَلَيْسَ
الْمُرَادُ بِالْحَقِّ الْوَاجِبُ فَانْكَرَ لَا يَجِبُ عَلَى اللَّهِ شَيْءٌ وَعَلَى هَذَا يَعْنِي بِحَمَلِ مَا وَرَدَ
عَنْ بَعْضِ الْفُقَهَاءِ فِي الْإِمْتِنَاعِ مِنْ إِطْلَاقِ هَذِهِ اللَّفْظَةِ .

الحالة الثانية التوسل به بذلك النوع بعد خلقه صلى الله عليه وسلم
في مدة حياته فمن ذلك ما رواه أبو عيسى الترمذی فی جامعہ فی کتاب
الدعوات قال ثنا محمود بن غيلان ثنا عثمان بن عمر ثنا شعبة عن أبي
جعفر عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف أن رجلاً
ضرب البصر أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ادع الله أن يعافيني قال:
ان شئت دعوت وإن شئت صبرت فهو خير لك قال فادعه، قال: فأمره أن
يتوضأ فيحسن وضوءه ويدعو بهذا الدعاء: اللهم أني أسألك وأتوجه
إليك بنبيك محمد نبي الرحمة يا محمد أني توجهت بك إلى ربي في حاجتي
ليقض لي اللهم شفعي في .

قال الترمذی هذا حديث حسن صحيح غريب لا نعرفه إلا من هذا
الوجه من حديث أبي جعفر الخطمي ورواه النسائي في اليوم والليلة
عن محمود بن غيلان بإسناده نحوه وعن محمد بن معمر عن حبان عن
حماد عن أبي جعفر عن عمارة بن خزيمة عن عثمان بن حنيف نحوه

وعن زكريا بن يحيى عن ابن مثنى عن معاذ بن هشام عن ابيه عن ابي جعفر عن ابي امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بنحوه وخرجه ابن ماجه في الصلوة عن احمد بن منصور بن سيار عن عثمان بن عمر باسناده نحوه .

ورويناه في دلائل النبوة للحافظ ابي بكر البيهقي ثم قال البيهقي وزاد محمد بن يونس في روايته ققام وقد أبصر . قال البيهقي ورويناه في كتاب الدعوات باسناد صحيح عن روح بن عبادة عن شعبة قال ففعل الرجل فبرأ ، قال : وكذلك رواه حماد بن سلمة عن ابي جعفر الخطمي ثم روى باسناده عن روح بن القاسم عن ابي جعفر المدني وهو الخطمي عن ابي امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف فذكره وفي آخره يا محمد اني أتوجه بك الى ربي فيجلى عن بصرى اللهم شفعه في وشفعني في نفسي ، قال عثمان فوالله ما تفرقنا ولا طال الحديث حتى دخل الرجل وكأنه لم يكن به ضرر قط ، وسنذكر هذا الحديث ايضا في التوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم بعد موته من طريق الطبراني والبيهقي وقد كفانا الترمذي والبيهقي رحمهما الله بتصحيحها مؤنة النظر في تصحيح هذا الحديث وناهيك به حجة في المقصود ، فان اعترض معترض بان ذلك انما كان لان النبي صلى الله عليه وسلم شفع فيه فلماذا قال له ان يقول اني توجهت اليك بنبيك .

قلت الجواب من وجوه ، أحدها سيأتي ان عثمان بن عفان وغيره استعملوا ذلك بعد موته صلى الله عليه وسلم وذلك يدل على انهم لم يفهموا اشتراط ذلك ، الثاني انه ليس في الحديث ان النبي صلى الله بين له ذلك ، الثالث انه ولو كان كذلك لم يضر في حصول المقصود

وهو

و هو جواز التوسل الى الله بغيره بمعنى السؤال به كما عليه النبي صلى الله عليه وسلم وذلك زيادة على طلب الدعاء منه ، فلولم يكن في ذلك فائدة لما عليه النبي صلى الله عليه وسلم و ارشده اليه ، و لقال له انى قد شفعت فيك و لكن لعله صلى الله عليه وسلم اراد أن يحصل من صاحب الحاجة التوجه بذل الاضطرار و الافتقار و الانكسار مستغنياً بالنبي صلى الله عليه وسلم فيحصل كمال مقصوده و لاشك ان هذا المعنى حاصل في حضرة النبي صلى الله عليه وسلم و غيته في حياته و بعد وفاته فانا نعلم شفقتة صلى الله عليه وسلم على امته و رفقته بهم و رحمته لهم و استغفاره لجميع المؤمنين و شفاعته فاذا انضم اليه توجه العبد به حصل هذا الغرض الذى ارشد النبي صلى الله عليه وسلم الاعمى اليه .

الحالة الثالثة ان يتوسل بذلك بعد موته صلى الله عليه وسلم لما رواه الطبرانى رحمه الله فى المعجم الكبير فى ترجمة عثمان بن حنيف و ذلك فى الجزء الخمسين فاقب اول الجزء الخمسين من اسمه طفيل و آخره جعلى اما مهم و انا اصغرم قبل ترجمة عمار بن طليحة (؟) قال فى هذا الجزء الخمسين ثنا طاهر بن عيسى بن قبرس المصرى المقرئ ثنا اصبح بن الفرغ ثنا ابن وهب عن ابى سعيد المكي عن روح بن القاسم عن ابى جعفر الخطمى المدينى عن ابى امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف ان رجلاً كان يختلف الى عثمان بن عفان رضى الله عنه فى حاجة له فكان عثمان لا يلتفت اليه ولا ينظر فى حاجته فلقى ابن حنيف فشكا ذلك اليه فقال له عثمان بن حنيف ايت الميضاة فتوضاً ثم ايت المسجد فصل فيه ركعتين ثم قل : اللهم انى اسئلك و توجه اليك بنينا محمد صلى الله عليه وسلم نبى الرحمة يا محمد انى اتوجه

إليك إلى ربك فيقضى حاجتي، وتذكر حاجتك وروح حتى أروح معك فانطلق الرجل فصنع ما قال له ثم أتى باب عثمان بن عفان فجاء البواب حتى أخذ يده فادخله على عثمان بن عفان فأجلسه معه على الطنفسة فقال ما حاجتك؟ فذكر حاجته وقضاها له، ثم قال له ما ذكرت حاجتك حتى كان الساعة، وقال ما كانت لك من حاجة فاذكرها ثم إن الرجل خرج من عنده فلقى عثمان بن حنيف فقال له جزاك الله خيراً ما كان ينظر في حاجتي ولا يلتفت إلى حتى كلمته في فقال عثمان بن حنيف والله ما كلمة ولكني شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم وإتاه ضرير فشكا إليه ذهاب بصره فقال له النبي صلى الله عليه وسلم اوتصبّر، فقال يا رسول الله إنه ليس لي قائد وقد شق علي فقال له النبي صلى الله عليه وسلم إيت الميضة فتوضاً ثم صل ركعتين ثم ادع بهذه الدعوات قال ابن حنيف فوالله ما تفرقنا وطال بنا الحديث حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرر قط.

ثنا إدريس بن جعفر الطيار ثنا عثمان بن عمر بن فارس ثنا شعبة عن أبي جعفر الخطمي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه. ورواه البيهقي بإسناده عن أبي جعفر المديني عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف أن رجلاً كان يختلف إلى عثمان بن عفان فذكره بنحو مما سبق، رواه من طريقين، أحدهما عن عبد الملك بن أبي عثمان الزاهد أنا أبو بكر محمد بن علي بن اسماعيل الشاشي القفاري (؟) أنا أبو عروبة ثنا العباس بن الفرّج ثنا اسماعيل بن شبيب ثنا أبي عن روح بن القاسم عن أبي جعفر. والاحتجاج من هذا الاثر لفهم عثمان رضي الله تعالى عنه ومن حضره الذين هم أعلم (۲۱)

أعلم بالله ورسوله وفعلهم .

النوع الثاني التوسل به بمعنى طلب الدعاء منه ، وذلك في احوال .
احداها في حياته صلى الله عليه وسلم وهذا متواتر والاخبار
طالفة به ولا يمكن حصرها وقد كان المسلمون يفرعون اليه ويستغيثون
به في جميع ما نابهم كما في الصحيحين ان رجلا دخل المسجد يوم الجمعة
ورسول الله صلى الله عليه وسلم قائم يخطب فاستقبل رسول الله صلى الله
عليه وسلم قائما قال يا رسول الله هلكت الاموال وانقطعت السبل فادع
الله تعالى يغثنا ، فرفع رسول الله صلى الله عليه وسلم يديه ثم قال ؟ اللهم
اغثنا اللهم اغثنا فطلعت من وراءه سحابة مثل الترس فلما توسطت السماء
انشرت ثم امطرت قال فلا والله ما رأينا الشمس سبتا ، الحديث .

وروى ليهقي في دلائله عن ابي وجزة يزيد بن عبيد السعدي قال
لما قفل رسول الله صلى الله عليه وسلم من غزوة تبوك ايام وفد بني
فزارة الى ان قال فقالوا يا رسول الله استت بلادنا واجدبت جناتنا
وعريت عيالنا وهلكت مواشينا فادع ربك ان يغثنا واشفع لنا الى
ربك ويشفع ربك اليك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ، سبحان الله
ويلك ان انا شفعت الى ربي فمن ذا الذي يشفع اليه ربنا الله لا اله الا هو
العظيم وسع كرسيه السموات والارض وهو يسط من عظمته وجلاله ،
وذكر بقية الحديث الى ان قال ، فتمام رسول الله صلى الله عليه وسلم
فصعد المنبر وفيه كان مما حفظ من دعائه اللهم اسق بلدك وبهيمتك
وانشر رحمتك واحي بلدك الميت ، وذكر دعاء وحديثا طويلا .

وفي سنن ابي داود في كتاب السنة عن جبير بن مطعم قال أني
رسول الله صلى الله عليه وسلم اعرابي فقال يا رسول الله جهدت الانفس

وضاعت العيال ونهكت الاموال وهلكت الانعام فاستسق الله لنا فاما
 نستشفع بك على الله ونستشفع بالله عليك، قال رسول الله صلى الله عليه
 وسلم ويحك أتدرى ما تقول انه لا يستشفع بالله على احد من خلقه
 شأن الله اعظم من ذلك، وذكر حديث الاطيط، وفي اسناده محمد بن
 اسحاق وعنه فان ثبت فهو موافق لمقصودنا فانه لم ينكر الاستشفاع
 به وانما انكر الاستشفاع بالله ولعل سبب ذلك ان شأن الشافع ان
 يتواضع للشفوع عنده .

وروى عن انس بن مالك رضى الله عنه قال جاء اعرابي الى
 رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله اتيناك وما لنا صبي
 يسطيح ولا يعيريط وانشد .

أتيتك والعذراء تدمى لبانها وقد شغلت ام الصبي عن الطفل
 والقي بكفيه الفقى لاستكابة من الجوع هونا ما يمر ولا يحلى
 ولا شئ مما يأكل الناس عندنا سوى الحنظل العامى والعسل العسل
 وليس لنا الا اليك فرارنا و اين فرار الناس الا الى الرسل

فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم يجر رداءه حتى صعد المنبر فرفع
 يديه ثم قال اللهم اسقنا وذكر الدعاء الى ان قال فارد الى صلى الله عليه
 وسلم يده حتى التقت السماء بارواقها وجاء اهل البطانة يصيحون الفرق
 الفرق، فقال الى صلى الله عليه وسلم حوالينا ولا علينا فانجاب السحاب
 عن المدينة حتى احدث بها كالا كيل وضحك الى صلى الله عليه
 وسلم حتى بدت نواجذه، ثم قال لله درابي طالب لو كان حيا قرت عيناه
 من يشدنا قوله فقال على بن ابي طالب رضى الله عنه يا رسول الله
 كأنك تريد قوله .

وايض

وايض يستقي الفقام وجهه ثمال يتامى عصمة للأرامل
 يطوف به الهلاك من آل هاشم فهم عنده في نعمة وفواضل
 كذبتهم وبيت الله يزي محمد ولما نطاعن حوله وتناضل
 نسله حتى نصرع حوله ونزهل عن ابناثنا والحلائل
 فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أجل فقام رجل من كنانة
 رضى الله تعالى عنه فقال .

لك الحمد والحمد ممن شكر سقيننا بوجه النبي المطر
 دعا الله خالقه دعوة اليه واشخص منه البصر
 فلم يكن الا كما ساعة واسرع حتى رأينا الدرر
 دفاق العزالي جم البعاف اغاث به الله عليا مضر
 فكان كما قال عمه ابو طالب ايض ذو غرر
 فمن يشكر الله يلقى المزيد ومن يكفر الله يلقى الغير
 فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يك شاعرا حسن فقد
 احسنت، والاحاديث والآثار في ذلك أكثر من ان تحصى ولوتبعثها
 لوجدت منها الوفا، ونص قوله تعالى (ولوانهم اذظلموا نفسهم جاؤك
 فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول) الآية صريحة في ذلك وكذلك يجوز
 ويحسن مثل هذا التوسل بمن له نسبة من النبي صلى الله عليه وسلم كما
 كان عمر بن الخطاب رضى الله عنه اذا قحط استسقى بالعباس بن
 عبدالمطلب رضى الله عنه ويقول: اللهم انا كنا اذا قحطنا توسلنا اليك
 بنينا فسقيننا وانا نتوسل اليك بعم نينا محمد صلى الله عليه وسلم فاسقنا
 قال فيسقون، رواه البخارى من حديث انس واستسقى به عام الرمادة
 فسقوا وفي ذلك يقول عباس بن عتبة بن ابي لهب .

بعمى سقى الله الحجاز واهله عشية يستقى بشيئته عمر
واستقى حمزة بن القاسم الهاشمي بغداد فقال اللهم: انا من ولد
داك الرجل الذي استقى بشيئته عمر بن الخطاب فسقوا فما زال
يتوسل بهذا الوسيلة حتى سقوا. وروى انه لما استقى عمر بالعباس
وفرغ عمر من دعائه قال العباس: اللهم انه لم ينزل من السماء بلاه
الا بذنوب ولا يكشف الا بتوبه وقد توجه بي القوم اليك لمكانى من
نيك صلى الله عليه وسلم وهذه ايدينا اليك بالذنوب ونواصينا بالتوبة
وذكر دعاء، فقام كلامه حتى ارتجت السماء بمثل الجبال، وكذلك يجوز
مثل هذا التوسل بسائر الصالحين وهذا شيء لا ينكره مسلم بل متدين
بملة من الملل، فان قيل، لم توسل عمر بن الخطاب بالعباس ولم يتوسل
بالنبي صلى الله عليه وسلم او بقبره، قلنا ليس في توسله بالعباس انكار
للتوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم او بالقبر، وقد روى عن ابي الجوزاء
قال قحط اهل المدينة قحطا شديدا فشكوا الى عائشة رضى الله عنها
فقات فأنظروا قبر النبي صلى الله عليه وسلم فاجعلوا منه كوى الى السماء
حتى لا يكون بينه وبين السماء سقف ففعلوا فطروا حتى نبت العشب
وسمن الابل حتى تفتقت من الشحم فسمى عام الفتن، ولعل توسل عمر
بالعباس لامرين، أحدهما ليدعوا كما حكينا من دعائه، والثاني،
انه من جملة من يستقى ويتففع بالسقياء وهو محتاج اليها بخلاف النبي
صلى الله عليه وسلم في هذه الحالة فانه مستغن عنها فاجتمع في العباس
الحاجة وقربه من النبي صلى الله عليه وسلم وشيئه والله تعالى يستحي
من ذى الشية المسلم فكيف من عم نبيه صلى الله عليه وسلم ويجب
دعاء المضطر فلذلك استقى عمر بشيئته .

فان

فان قال المخالف انا لا امنع التوسل و التشفع لما قدمتم من الآثار و الادلة و انما امنع اطلاق التجوہ و الاستغاثة لان فيها ايهام ان المتجوہ به و المستغاث به أعلى من المتجوہ عليه و المستغاث عليه .

قلنا هذا لا يعتقده مسلم ولا يدل لفظ التجوہ و الاستغاثة عليه فان التجوہ من الجاء و الوجاهة و معناه علو القدر و المنزلة و قد يتوسل بذی الجاء الى من هو أعلى جأها منه و الاستغاثة طلب الغوث فالله عز و جل يطلب من المستغاث به ان يحصل له الغوث من غيره و ان كان أعلى منه فالتوسل و التشفع و التجوہ و الاستغاثة بالنبي صلى الله عليه وسلم و سائر الانبياء و الصالحين ليس لها معنى في قلوب المسلمين من غير ذلك و لا يقصد بها احد منهم سواه فمن لم ينشرح صدره لذلك فليكن على نفسه نساء العافية و اذا صح المعنى فلا عليك في تسميته توسلا او تشفعا او تجوها او استغاثة، و لو سلم ان لفظ الاستغاثة يستدعي النصر على المستغاث منه فالعبد يستغيث على نفسه و هواه و الشيطان و غير ذلك بما هو قاطع له عن الله تعالى بالنبي صلى الله عليه وسلم و غيره من الانبياء و الصالحين متوسلا بهم الى الله تعالى لينقذهم على من استغاث منه من النفس و غيرها و المستغاث به في الحقيقة هو الله تعالى و النبي صلى الله عليه وسلم واسطة بينه و بين المستغاث ، الحالة الثانية بعد موته صلى الله عليه وسلم في عرصات القيامة بالشفاعة منه صلى الله عليه وسلم و ذلك مما قام الاجماع عليه و تواترت الاخبار به و سنذكر تفاصيل الشفاعة المجمع عليها و المختلف فيها في هذا الكتاب ان شاء الله تعالى ، الحالة الثالثة ، المتوسطة في مدة البرزخ و قد ورد هذا النوع فيها ايضا ، انا ابو بكر بن يوسف بن عبد العظيم المعروف بابن الصباح بقرايتي عليه في المجلدة الحادية عشر من دلائل النبوة للبيهقي

قال انا ابو الكرم لاحق بن عبد المنعم بن قاسم الارتاحي قراءة عليه
 وانا اسمع انا ابو محمد المبارك بن علي بن الحسين البغدادي المعروف بالـ
 الطباخ انا الشيخ السيد ابو الحسن عبيد الله بن محمد بن احمد البيهقي
 انا جدي الامام ابو بكر احمد بن الحسين البيهقي انا ابو نصر بن قتادة
 و ابو بكر الفارسي قالوا اخبرنا ابو عمر بن مطر ثنا ابراهيم بن علي الذهلي
 ثنا يحيى بن يحيى انا ابو معاوية عن الاعمش عن ابي صالح عن مالك
 الدار قال اصاب الناس قحط في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه
 فجاء رجل الى قبر النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله استمع الله
 لامتك فانهم قد هلكوا فاتاه رسول الله صلى الله عليه وسلم في المنام فقال
 انت عمر فاقره السلام واخبره انهم مسقون وقل له عليك الكيس
 الكيس فاتي الرجل عمر فاخبره فبكى عمر رضي الله عنه ثم قال يا رب
 ما آلو الاما عجزت عنه .

و محل الاستشهاد من هذا الاثر طلبه الاستسقاء من النبي صلى الله
 عليه وسلم بعد موته في مدة البرزخ و لا مانع من ذلك فان دعاء النبي صلى الله
 عليه وسلم لربه تعالى في هذه الحالة غير ممتنع وقد وردت الاخبار
 على ما ذكرنا ونذكر طرفا منه وعنه صلى الله عليه وسلم بسؤال من
 يسأله ورد ايضا ، ومع هذين الامرين فلا مانع من ان يسأل الله
 صلى الله عليه وسلم الاستسقاء كما كان يسأل في الدنيا .

النوع الثالث . من التوسل ان يطلب منه ذلك الامر المقصود
 بمعنى انه صلى الله عليه وسلم قادر على التسبب فيه بسؤاله ربه و شفاعته
 اليه فيعود الى النوع الثاني في المعنى و ان كانت العبارة مختلفة و من هذا
 قول القائل للنبي صلى الله عليه وسلم أسألك مرافقتك في الجنة قال أعني

على

على نفسك بكثرة السجود .

والآثار في ذلك كثيرة ايضا ولا يقصد الناس بسؤالهم ذلك الا كون النبي صلى الله عليه وسلم سببا وشافعا وكذلك جواب النبي صلى الله عليه وسلم وان ورد على حسب السؤال كما رويناه في دلائل النبوة للبيهقي الاسماء الى عثمان بن ابي العاص قال شكوت الى النبي صلى الله عليه وسلم سوء حفظي للقرآن فقال شيطان يقال خنزب ادن مني يا عثمان ثم وضع يده على صدري فوجدت بردها بين كتفي وقال اخرج يا شيطان من صدر عثمان قال : فما سمعت بعد ذلك شيئا الا حفظته فانظر امر النبي صلى الله عليه وسلم بالخروج للشيطان للعلم بان ذلك باذن الله تعالى وخلقته وتيسيره وليس المراد نية النبي صلى الله عليه وسلم الى الخلق والاستقلال بالافعال هذا لا يقصده مسلم فصرف الكلام اليه ومنعه من باب التليس في الدين والتشويش على عوام الموحدين واذ قد نحررت هذه الانواع والاحوال في الطلب من النبي صلى الله عليه وسلم وظهر المعنى فلا عليك في تسميته توسلا او تشفعا او استغاثة او تجوها او توجهها لان المعنى في جميع ذلك سواء .

اما التشفع فقد سبق في الاحاديث المتقدمة قول وفد بني فرارة للنبي صلى الله عليه وسلم تشفع لنا الى ربك وفي حديث الاعمى ما يقتضيه ايضا والتوسل في معناه ، واما التوجه والسؤال ففي حديث الاعمى والتجود في معنى التوجه قال تعالى في حق موسى عليه السلام (وكان عند الله وجيها) وقال في حق عيسى ابن مريم عليه الصلوة والسلام (وجيها في الدنيا والاخرة) وقال المفسرون وجيها اي ذاجاه ومنزلة عنده وقال الجوهري في فعل وجه اذا صار وجيها ذاجاه وقرر

وقال الجوهرى ايضا فى فعل «جوه» الجاه القدر و المزله و فلان ذوجا .
وقد اوجهته ووجهته انا اى جعلته وجيها و قال ابن فارس فلان
وجيه ذوجاه اذا عرف ذلك فعنى تجوه توجه بجاهه و هو منزلته و قدره
عند الله تعالى اليه .

واما الاستغاثه ، فهى طلب الغوث و تارة يطلب الغوث من
خالقه و هو الله تعالى و حده كقوله تعالى (اذ تستغيثون ربكم) ، و تارة
يطلب ممن يصح اسناده اليه على سبيل الكسب و من هذا النوع
الاستغاثه بالنبي صلى الله عليه وسلم فى هذين القسمين ، تعدى الفعل
تارة بنفسه كقوله تعالى (اذ تستغيثون ربكم) (فاستغاثه الذى من شيعته)
و تارة بحرف الجر كما فى كلام النحاة فى المستغاث به ، و فى كتاب سيويه
رحمه الله تعالى فاستغاث بهم ليشتروا له كليا فيصح ان يقال استغثت
النبي صلى الله عليه وسلم واستغيث بالنبي صلى الله عليه وسلم بمعنى
واحد و هو طلب الغوث منه بالدعاء و يحوّه على النوعين السابقين فى
التوسل من غير فرق و ذلك فى حياته و بعد موته ، و يقول استغثت الله
واستغيث بالله بمعنى طلب خلق الغوث منه فالله تعالى مستغاث فالغوث
منه خلقا و ايجادا ، و النبي صلى الله عليه وسلم مستغاث و الغوث منه
تسببا و كسبا و لافرق فى هذا المعنى بين ان يستعمل الفعل متعديا بنفسه
او لازما او متعدى بالباء و قد تكون الاستغاثه بالنبي صلى الله عليه وسلم
على وجه آخر و هو ان يقول استغثت الله بالنبي صلى الله عليه وسلم
كما يقول سألت الله بالنبي صلى الله عليه وسلم فيرجع الى النوع الاول
من انواع التوسل و يصح قبل وجوده و بعد وجوده و قد يحذف
المفعول به ، و يقال استغثت بالنبي صلى الله عليه وسلم بهذا المعنى فصار
لط (۱۲)

لفظ الاستغاثۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم له معنیان ، احدهما ان یکون مستغاثا ، والثانی ، ان یکون مستغاثا به والباء للاستعانة فقد ظهر جواز اطلاق الاستغاثۃ والتوسل جميعا وهذا امر لا یشک فيه فان الاستغاثۃ فی اللغة طلب الغوث وهذا جائز لغة وشرعا من کل من یقدر علیہ بای لفظ عبر عنه كما قالت : ام اسمیل اغث ان کان عندک غوث .

وفدرونا فی (المعجم الکبیر للطبرانی) حديثا ظاهره قد یقدح فی هذا ، قال الطبرانی ثنا احمد بن حماد بن زغبة المصری ثنا سعید بن عفیر ثنا ابن لهیعة عن الحارث بن یزید عن علی بن رباع عن عبادة قال قال ابوبکر رضی اللہ عنہ قوموا نستغث برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من هذا المناق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه لا یستغاث بی انما یستغاث باللہ عزوجل ، وهذا الحديث فی اسناده عهد اللہ بن لهیعة وفيه کلام مشهور فان صح الحديث فيحتمل معانی احدها ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان قد أجرى علی المناقین احکام المسلمین بامر اللہ تعالی فقلل ابابکر ومن معه استغاثوا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ليقته فاجاب بذلك بمعنى ان هذا من الاحکام الشرعیة التي لم یزل الوحي بها وامرها الى اللہ تعالی وحده والنبی صلی اللہ علیہ وسلم اعرف الخلق باللہ تعالی فلم یکن یسأل ربه تغییر حکم من الاحکام الشرعیة ولا یفعل فیها الا ما یؤمر به . فیکون قوله لا یستغاث بی عاما مخصوصا ای لا یستغاث فی هذا الامر لانه مما یتأثر اللہ تعالی به ولا شک ان من ادب السؤال ان یکون المسؤل ممکنا فکما انا لانسأل اللہ تعالی الا ما هو فی ممکن القدرة الالهية كذلك لانسأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ما یمکن ان یجیب الیه ، والثانی ، ان یکون ذلك من باب قوله

ما انا حلتكم و لكن الله حلتكم لى انا وان استغثت بى فالمستغاث به
 فى الحقيقة هو الله تعالى وكثيرا ما تجى السنة ينحو هذا من يان حقيقة
 الامر ويحى القرآن باضافة الفعل الى مكتسبه كقوله صلى الله عليه
 وسلم لن يدخل احدا منكم الجنة عمله مع قوله تعالى (ادخلوا الجنة بما
 كنتم تعملون) وقال صلى الله عليه وسلم لعل لان يهدى الله بك رجلا
 واحدا فسلك الادب فى نية الهداية الى الله تعالى وقد قال تعالى
 (وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا) فنب الهداية اليهم وذلك على سبيل
 الكسب ومن هذا قوله تعالى لى صلى الله عليه وسلم (وانك لتهدى
 الى صراط مستقيم) واما قوله تعالى (انك لاتهدى من احببت) فالاحسن
 ان يكون المراد به التسلية (والحمل) عن قلب النبى صلى الله عليه وسلم
 فى عدم اسلام عمه ابى طالب فكأنه قد قيل انت وفيت بما عليك
 وليس عليك خلق هدايته لان ذلك ليس اليك فلا تذهب نفسك
 عليه .

وبالجملة اطلاق لفظ الاستغانة بالنسبة لمن يحصل منه غوث اما
 خلقا وايجادا واما تيبا وكبا امر معلوم لاشك فيه لغة وشرعا
 ولا فرق بينه وبين السؤال فعين تأويل الحديث المذكور وقد قيل ان
 فى البخارى فى حديث الشفاعة يوم القيامة فينام كذلك استغاثوا بآدم ثم
 بموسى ثم بمحمد صلى الله عليه وسلم وهو حجة فى اطلاق لفظ الاستغانة
 ولكن ذلك لا يحتاج اليه لان معنى الاستغانة والسؤال واحد
 سواء عر عنه بهذا اللفظ ام بغيره والنزاع فى ذلك نزاع فى الضروريات
 وجوازه شرعا معلوم فتخصيص هذه اللفظة بالبحث بما لا وجه له
 وانكار السؤال بالنبي صلى الله عليه وسلم يخالف لما قدمناه من
 الاحاديث

الاحاديث والآثار وما اشرنا اليه عما لم يذكره .

الباب التاسع

في حياة الانبياء عليهم الصلاة والسلام

قد تضمنت الاحاديث المتقدمة ان روح النبي صلى الله عليه وسلم
ترد عليه وانه يسمع ويرد السلام فاحتجنا الى النظر فيها قد قيل في
ذلك بالنسبة الى الانبياء والشهداء وسائر الموتى وقد رتبنا الكلام في
هذا الباب على فصول .

الفصل الاول

فيما ورد في حياة الانبياء عليهم الصلاة والسلام

صنف الحافظ ابوبكر الیهقي رحمه الله في ذلك جزءاً وروى
فيه احاديث منها الانبياء صلوات الله عليهم احياء في قبورهم يصلون
ورواه ابن عدي في الكامل اما غير واحد اذا عن ابن المقير
عن ابن الشهرزوري انا اسماعيل بن مسعدة انا حمزة بن يوسف انا
احمد بن عدي الحافظ قال ثنا قسطنطين بن عبدالله الرومي مولى المعتمد
على الله امير المؤمنين ثنا الحسين بن عرفة حدثني الحسن بن قتيبة المدائني
ثنا المستم بن سعيد الثقفي عن الحجاج الاسود عن ثابت البناني عن
انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء صلوات الله عليهم
احياء في قبورهم يصلون، قال ابن عدي وللحسن بن قتيبة هذا احاديث
غرائب حسان فارجوانه لا بأس به، وذكره ابن ابي حاتم ولم يذكر فيه
جرحاً ولا تعديلاً وذكره الخطيب في التاريخ وقال عن البرقاني عن
الدارقطني انه متروك الحديث وروى الیهقي هذا الحديث في صدر
الجزء الذي صنفه عن ابي سعيد احمد بن محمد بن الخليل الصوفي عن

ابن عدی بسندہ المذكور ثم قال الیهقی هذا حدیث بعد فی افراد الحسن بن قتیة .

وقد روى عن یحیی بن ابی بکیر عن المسلم بن سعید وهو فیما انا الثقة من اهل العلم انا ابو عمرو بن حمدان انا ابو یعلی الموصلی ثما ابو جهم الازرق بن علی ثما یحیی بن ابی بکیر ثما المسلم بن سعید عن الحجاج عن ثابت البنانی عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الانیاء احياء فی قبورهم یصلون . قلت ویحیی بن ابی بکیر ثقة والمسلم بن سعید ثقة والحجاج (۱) ان کان ابن ابی الزناد ثقة وان کان غیره فلم اعرفه .

قال الیهقی وروی كما اخبرنا ابو عبد الله الحافظ انا ابو حامد احمد ابن علی الحسنوی املاء ثما ابو عبد الله محمد بن العباس الحمصی بمحمص ثما ابو الریغ الزاهرانی ثما اسماعیل بن طلحة بن یزید عن محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن ثابت عن انس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ان الانیاء لا یرکون فی قبورهم بعد اربعین لیلة ولكنهم یصلون بین یدی الله تعالی حتی ینفخ فی الصور . قال الیهقی وهذا ان صح بهذا اللفظ فالمراد به والله اعلم لا یرکون لا یصلون الا هذا المقدار ثم یرکون مصلین فیما بین یدی الله تعالی قال الیهقی ولحیاة الانیاء بعد موتهم شواهد من الاسانید الصحیحة .

ثم ذکر الیهقی باسانیده حدیث ، مررت بموسی وهو قائم یصل

(۱) قال فی الفتح فی باب ، واذکر فی الکتاب مریم من احادیث الانیاء اخرجہ البزار لکن وقع عنده عن الحجاج الصواف وهو وهم والاصواب الحجاج الاسود كما وقع التصریح به فی رواية الیهقی وصححه الیهقی .

فی

فی قبره ، و حدیث قد رأیت فی جماعة من الانبیاء فاذا موسى قائم یصلی و اذا رجل ضرب جمد كأنه من رجال شتوة و اذا عیسی ابن مریم قائم یصلی اقرب الناس به شیها عروة بن مسعود الثقفی ، و اذا ابراهیم قائم یصلی اثبه الناس به صاحبکم ، یعنی نفسه ، لحانت الصلاة فأمتهم فلما فرغت من الصلاة قال قاتل لی یا محمد هذا مالک صاحب النار فسلم علیه فالتفت الیه فبدأ فی السلام ، اخرجه مسلم .

و فی حدیث سعید بن المسیب و غیره انه لقیهم فی بیت المقدس و فی حدیث ابی ذر فی صفة المراج انه لقیهم فی السموات و کلوه و کلهم و کل ذلك صحیح لا ینخالف بضعه بعضا قد رای موسی علیه السلام قائما یصلی فی قبره ، ثم یرى بموسى و غیره الى بیت المقدس كما اسرى بنینا صلی الله علیه وسلم ثم یرج بهم الى السموات كما عرج بنینا علیه الصلاة والسلام فیرام فیها كما اخر و حلولهم فی اوقات بمواضع مختلفات فانه فی العقل كما ورد به خبر الصادق و فی کل ذلك دلالة علی حیاتهم .

و بما يدل علی ذلك و ساق استاده الى اوس بن اوس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم افضل ایامکم يوم الجمعة و فیہ خلق آدم و فیہ قبض و فیہ النفخة و فیہ الصعقة فاکثروا علی من الصلاة فیہ فان صلاتکم مروضنة قالوا و کیف تعرض صلاتنا علیک و قد ارمیت ، یقولون بلیت فقال ان الله تعالى حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء ، اخرجه ابوداود .

قال البیهقی وله شواهد ، منها ما انا ابو عبد الله انا ابن اسحاق الفقیه انا الابر ثنا احمد بن عبد الرحمن ثنا الولید ثنا ابورافع عن سعید المقبری

عن ابی مسعود الانصاری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال اکثروا الصلاة علی فی یوم الجمعة فانه لیس یصلی علی احد یوم الجمعة الا عرضت علی صلاته .

وانا علی بن احمد انا احمد بن عید ثنا الحسن بن سعید ثنا ابراهیم ثنا حماد عن برد عن مکحول عن ابی امامة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا علی من الصلاة فی کل یوم جمعة فان صلاة امتی تعرض علی فی کل یوم جمعة فمن کان اکثرهم علی صلاة کان اقربهم منی منزلة .

وانا الاسفرائینی حدثنی والدی انا امامة بمصر ثنا محمد بن اسماعیل الصائغ حدثنا حکامة بنت عثمان بن دینار عن مالک بن دینار عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقربکم منی یوم القيامة فی کل موطن اکثرکم علی صلاة فی الدنیا فمن صلی علی یوم الجمعة ولیلة الجمعة قضی اللہ له مائة حاجة سبعین من حوائج الآخرة و ثلاثین من حوائج الدنیا ثم یوکل اللہ بذلك ملکا یدخله فی قبری كما تدخل علیکم الهدایا یخبر من صلی علی باسمه ونسبه الی عشیرته فائتہ عندی فی صحیفة یضاه . ثم ذکر الیهیق حادیث ، فان صلاتکم تبلغنی حیث ما کتم ، وحادیث ، ما من احد یسلم علی الأرد اللہ علی روحی حتی ارد ، قال الیهیق و انما اراد واللہ اعلم الا وقد رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ .

قلت ، وقد تقدم احتمال آخر ثم ذکر الیهیق حدیث ، ان اللہ ملائکة سیاحین یبلغونی عن امتی السلام ، وقول ابن عباس لیس احد

من

من امة محمد صلى الله عليه وسلم صلى عليه صلاة الا وهي تبلغه يقول له الملك فلان صلى عليك كذا وكذا صلاة ، وحديث ، من صلى على عند قبري سمعته ، من طريق ابي عبد الرحمن وقال هو محمد بن مروان السدي فيما ارى وفيه نظر وقد مضى ما يؤكد ، هذا قول للبيهقي وذكر ما قد مناه عن سليمان بن صبح .

ثم قال وما يدل على حياتهم ما انا ابو عبد الله الحافظ وساق اسناده وذكر حديث ، فاذا موسى باطش بجانب العرش فلا ادرى اكان فيمن صق ؟ فافاق ، قبل اوكان ممن استثنى الله عز وجل ، رواه البخاري ومسلم ، قال البيهقي وهذا انما يصح على ان الله عز وجل رد على الانبياء صلوات الله عليهم ارواحهم فهم احياء عند ربهم كالشهداء فاذا تفتح في الصور النفخة الاولى صعدوا فيمن صق ثم لا يكون ذلك موتا في جميع معانيه الا في ذهاب الاستشعار فان كان موسى عليه السلام ممن استثنى الله بقوله (الامن شاء الله) فانه لا يذهب استشعاره في تلك الحالة فيحاسبه بصفته يوم الطور ويقال ان الشهداء من جملة من استثنى الله عز وجل بقوله تعالى (الامن شاء الله) وروينا في ذلك خبرا مرفوعا ، هذا جملة ما ذكره الحافظ ابو بكر البيهقي في كتاب حياة الانبياء في قبورهم لم نحذف منه الا بعض الاسماء او بعض الزيادة في الاسماء وقد قد مناه في حديث من من ابن ماجه فيه فبي الله حتى يرزق

وقال البيهقي في دلائل النبوة وفي الحديث الصحيح عن سليمان التيمي و ثابت البناني عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت على موسى ليلة اسرى بي عند الكشيب الاحمر وهو قائم صلى في قبره .

ورويانا في الحديث الصحيح عن ابي سلمة عن ابي هريرة ان
النبي صلى الله عليه وسلم قال وقد رأيتني في جماعة من الانبياء فاذا موسى
قائم يصلي ، وذكر ابراهيم وعيسى ووصفهم ثم قال ، فحانت الصلوة
فامتهم ، ورويانا في حديث ابن المسيب انه لقيهم في بيت المقدس ،
ورويانا في حديث انس انه بعث له آدم فمن دونه من الانبياء فامهم
رسول الله صلى الله عليه وسلم تلك الليلة ، ورويانا في الحديث الصحيح
عن انس عن مالك بن صعصعة وعن انس عن ابي ذر رضي الله عنهم
ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى موسى بن عمران في السماء
السادسة ، وليس بين هذه الاخبار منافاة تقديره في مسيره قائما يصلي في
قبره ثم يساربه الى بيت المقدس كما اسرى بالنبي صلى الله عليه وسلم
فراه فيه ثم يرج به الى السماء السادسة كما عرج بالنبي صلى الله عليه
وسلم فراه في السماء وكذلك سائر من رآه من الانبياء في الارض ثم
في السماء والانبياء صلوات الله عليهم احياء عند ربهم كالشهداء فلا ينكر
حلولهم في اوقات بمواضع مختلفات كما ورد خبر الصادق به ، هذا
كلام اليهقي .

وقد ثبت في الصحيح في حديث الاسراء انه صلى الله عليه وسلم
وجد آدم في السماء الدنيا وقال فيه فاذا رجل عن يمينه ابودة وعن
يساره اسودة فاذا نظر قبل يمينه ضحك واذا نظر قبل شماله بكى مرجا
بالنبي الصالح والابن الصالح ، وجد ابراهيم في الساعة مندا طهره
الى البيت المعمور وقال صلى الله عليه وسلم شهدت ليلة اسرى في علم
موسى ابن عمران رجل آدم طوال جمد كناه من رجل سود ورايت
عيسى ابن مريم مربوع الحاق الى اخره والباقر سبط الواصل .

(۲۲) وقال

و قال في حديث آخره لقيت موسى فلذا برجل حسبه قال مضطرب رجل الرأس كأنه من رجال شتوة، ولقيت عيسى فاذا ربعة حمراء كأنما خرج من ديماس يعني حماما ورأيت ابراهيم وانا اشبه ولده به .
 وفي حديث آخر اراني ليلة عند الكعبة فرأيت رجلا آدم كاحسن ما انت راء من الرجال من آدم الرجال له لمة كاحسن ما انت راء من اللم قد رطلها فهي تقطر ماء متكأ على رجلين أو على عواتق رجلين يطوف بالبيت فسألت من هذا قبل هذا المسيح بن مريم .
 وفي حديث - لقد رأيته في الحبر وقریش تسألني عن مسراي فسألني عن اشياء من بيت المقدس لم اثبتها ففكرت كربا ما كربت مثله قط قال فرضه الله انظر اليه ما يسألوني عن شيء الا انبأتهم به .
 رأيته في جماعة من الانبياء فاذا موسى قائم يصلي فاذا رجل ضرب جعد كأنه من رجال شتوة واذا عيسى بن مريم قائم يصلي اقرب الناس به شيها عروة بن مسعود التقى واذا ابراهيم قائم يصلي اشبه الناس به صاحبكم يعني نفسه لحانت الصلاة فامتهم فلما فرغت من الصلاة قال قائل يا محمد هذا مالك صاحب النار فلم عليه فالتفت اليه فبدأني بالسلام .

وفي حديث آخر - ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بوادي الازرق فقال كأنى انظر الى موسى هابطا من الجنة وله جوار الى الله باللية ثم أتى على ثنية هرشي فقال كأنى انظر الى يونس بن متى على ذقة حمراء جمدة عليه جبة من صوف خطام ناقته خلبة وهو يلي .
 وفي حديث آخر - كأنى انظر الى موسى واضعا اصبعيه في اذنيه ، وهذه الا حاديث كلها في الصحيح وقد تقدم في موسى وعيسى

و جميع الانبياء المذكورين شي كثير من صفات الاجسام . وكذلك صلاتهم قياما وامامة النبي صلى الله عليه وسلم بهم . ولا يقال ان ذلك رؤيا منام وان قوله ارانى فيه اشارة الى النوم لان الاسراء . وما اتفق فيه كان يقظة على الصحيح الذى عليه جمهور السلف والخلف ولو قيل بانه نوم فرويا الانبياء حق وقوله ارانى لادلالة فيه على المنام بدليل قوله رايتنى فى الحجر وكان ذلك فى اليقظة كما يدل عليه بقية الكلام ، وقال تعالى (فلأتكنى فى مرة من لقاءه) وفى صحيح مسلم كان قتادة يفسرها ان نبي الله صلى الله عليه وسلم قد لقي موسى وقد قيل فى قوله تعالى (واستل من ابرسلنا من قبلك من رسلنا) ان النبي صلى الله عليه وسلم سألهم ليلة الاسراء قال القاضى عياض رحمه الله . فان قيل يحجون ويلبون وهم اموات وهم فى الدار الآخرة ، لست دار عمل ، فاعلم ان للمشائخ وفيما ظهر لنا عن هذا اجوبة أحدها انهم كالشهداء بل افضل منهم والشهداء احياء عند ربهم فلا يبعد ان يحجوا ويصلوا كما ورد فى الحديث الآخر . وان يتقربوا الى الله تعالى بما استطاعوا لانهم وان كانوا قد توفوا فهم فى هذه الدنيا التى هى دار العمل حتى اذا فئت مدتها وتعبتها الآخرة التى هى دار الجزاء انقطع العمل .

و الوجه الثانى ان عمل الآخرة ذكر ودعاء ، قال الله تعالى (دعواهم فيها سبحانه اللهم) الثالث ان يكون رؤيا منام فهم فى غير ليلة الاسراء ، الرابع انه صلى الله عليه وسلم ارى حالهم التى كانت فى حياتهم ومثلوا له فى حال حياتهم كيف كانوا وكيف كان حجهم وتلييتهم . الخامس ان يكون اخبر عما أوحى اليه صلى الله عليه وسلم من امرهم وما كان منهم

وان

وان لم يرم رؤية عين ، هذا كلام القاضي ، والوجه الاول والثاني يلزم منهما الحياة . والثالث لا يأتي في ليلة الاسراء والرابع والخامس انما يأتيان في الحج والتلبية ونحوهما واما فيما حصل ليلة الاسراء فلا . والجواب الصحيح في الصلاة ونحوها احد جوابين ، اما ان نقول البرزخ ينسحب عليه حكم الدنيا في استكثارهم من الاعمال وزيادة الاجور وهو الجواب الاول الذي ذكره القاضي واما ان نقول ان المنقطع في الآخرة انما هو التكليف وقد يحصل الاعمال من غير تكليف على سبيل التلذذ بها والخضوع لله تعالى ولهذا انهم يسبحون ويدعون ويقرؤون القرآن وانظر الى سجود النبي صلى الله عليه وسلم وقت الشفاعة أليس ذلك عبادة وعملا ، وعلى كلا الجوابين لا يمتنع حصول هذه الاعمال في مدة البرزخ وقد مر عن ثابت البناني التابعي انه قال ، اللهم ان كنت اعطيت احدا ان يصلي في قبره فاعطني ذلك فرئى بعد موته يصلي في قبره ، وتكفي رؤية النبي صلى الله عليه وسلم لموسى قائما يصلي في قبره ولان النبي صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء لم يقبضوا حتى خيروا بين البقاء في الدنيا وبين الآخرة فاختاروا الآخرة ولا شك انهم لو بقوا في الدنيا لازدادوا من الاعمال الصالحة ثم انتقلوا الى الجنة فلم يعلموا ان اتقاهم الى الله اكمل ما اختاروا ولو كان اتقاهم من هذه الدار يفوت عليهم زيادة فيما يغرب الى الله لما اختاروه . فهذه نبذة من الاحاديث الصحيحة الدالة على حياة الانبياء ، والكتاب العزيز يدل على ذلك ايضا ، قال تعالى (ولا تحسن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون) واذا ثبت ذلك في الشهيد ثبت في حق النبي صلى الله عليه وسلم بوجوه .

احدهما ان هذه رتبة شريفة اعطيت للشهيد كرامة له ولا رتبة أعلى من رتبة الانبياء ولا شك ان جلال الانبياء أعلى واكمل من حال جميع الشهداء فيستحيل ان يحصل كمال للشهداء ولا يحصل للانبياء لاسيما هذا الكمال الذي يوجب زيادة القرب والزلفى والنعم والانس بالعلی الاعلی .

الثاني ان هذه الرتبة حصلت للشهداء اجرا على جهادهم وبذلهم انفسهم لله تعالى والنبي صلى الله عليه وسلم هو الذي سن لنا ذلك ودعا بنا اليه وهذا ناله باذن الله تعالى وتوفيقه ، وقد قال صلى الله عليه وسلم من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها الى يوم القيامة ومن سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها الى يوم القيامة .

وقال صلى الله عليه وسلم من دعا الى هدى كان له من الاجر مثل اجور من يتبعه لا ينقص ذلك من اجورهم شيئا ومن دعا الى ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثام من يتبعه لا ينقص ذلك من آثامهم شيئا . والاحاديث الصحيحة في ذلك كثيرة مشهورة فكل اجر حصل للشهيد حصل للنبي صلى الله عليه عليه وسلم لسعيه مثله والحياة اجر فيحصل للنبي صلى الله عليه وسلم مثلها زيادة على ماله صلى الله عليه وسلم من الاجر الخاص من نفسه على هدايته للهدى وعلى ماله من الاجور على حسناته الخاصة من الاعمال والمعارف والاحوال التي لاتصل جميع الامة الى عرف نشرها ولا يبلغون معشار عشرها ، وهكذا نقول ان جميع حسناتنا واعمالنا الصالحة وعبادات كل مسلم تسطر في صحائف نبينا محمد صلى الله عليه وسلم زيادة على ماله من الاجر ويحصل له صلى الله عليه من الاجور بعدد امة اضعافا لا يحصرها الا الله تعالى ويقصر العقل عن ادراكها فان كل مهتد وعامل الى يوم القيامة يحصل له اجر

و يتجدد

ويتجدد لشيخه في الهداية مثل ذلك الاجر ولشيخ شيخه مثله وللشيخ الثالث اربعة وللرابع ثمانية وهكذا يضاعف في كل مرتبة بعدد الاجور المحاصلة بعده الى ان تنهى الى النبي صلى الله عليه وسلم فاذا فرضت المراتب عشرة يعد النبي صلى الله عليه وسلم كان للنبي صلى الله عليه وسلم من الاجر الف واربعة وعشرون فاذا اهتدى بالعاشر حادى عشر صار اجر النبي صلى الله عليه وسلم الفين وثمانية واربعين، وهكذا كلما ازداد واحد يتضاعف ما كان قبله ابدا الى يوم القيامة وهذا امر لا يحصره الا الله تعالى ويقصر العقل عن كنه حقيقته فكيف اذا اخذ مع كثرة الصحابة وكثرة التابعين وكثرة المسلمين في كل عصر فكل واحد من الصحابة يحصل له بعدد الاجور التي يترتب على فعله الى يوم القيامة .

وكل ما يحصل لجميع الصحابة حاصل بحمله للنبي صلى الله عليه وسلم وهذا يظهر رجحان السلف على الخلف فانه كلما ازداد الخلف ازداد اجر السلف وتضاعف بالطريق الذي نبهنا عليه، ومن تأمل هذا المعنى ورزق التوفيق انبثت منه الى التعليم ورغب في نشره ليتضاعف اجره في حياته وبعد موته على الدوام ويكف عن اجداث البدع والمظالم من المكوس وغيرها فانها تضاعف عليه بالطريق التي ذكرناها ما دام يعمل بهذا فليتأمل المسلم هذا المعنى وضعادة الهادي الى الخير وشقاوة الداعي الى الشر .

الثالث ان النبي صلى الله عليه وسلم شهيد فانه صلى الله عليه وسلم لما سم بخير واكل من الشاة المسمومة وكان ذلك سما قاتلا من ساعته مات منه بشرين البراء رضى الله عنه وبقي النبي صلى الله عليه وسلم وذلك معجزة في حقه صار ألم السم يتعاهده الى ان مات به صلى الله

عليه وسلم في مرضه الذي مات فيه ، ما زالت أكلة خبير تعاودني حتى كان الآن اوان قطعت ابهرى .

قال العلماء فجمع الله له بذلك بين النبوة والشهادة وتكون الحياة الثابتة للشهداء لا تختص بمن قتل في المعركة فانا انما اشترطنا ذلك في الاحكام الدنيوية كالغسل والصلاة اما الآخرة فلا ، وهذا لاشك فيه بالنسبة الى النبي صلى الله عليه وسلم واما غيره وغير شهداء المعركة بمن شهد له الشرع بالشهادة كالمطعون والمبطون والغريق ونحوهم فهل يقول ان الحياة الثابتة للمقتولين في سبيل الله تثبت لهم ، هذا يحتاج الى توقيف .
والشهيد فاعل او بمعنى الفاعل او بمعنى المفعول وقد اختلف في سبب هذه التسمية فنقل عن النضر بن شميل ان الشهيد هو الحي لان كل من كان حيا كان شاهدا او مشاهدا للاحوال والشهيد حتى بعد ان صار مقتولا واستدل بالآية فلي مقتضى هذا القول كل من ورد الشرع بانه شهيد ثبت له هذا الوصف وهو كونه حيا وقيل على كونه فاعلا انه شهيد على الامم الحالية يوم القيامة وانه شاهد لطف الله ورحمته ، وقيل على كونه بمعنى مفعول ان ملائكة الرحمة يحضرون ويرفعون روحه الى منازل القدس وكل هذه المعاني موجودة في حق النبي صلى الله عليه وسلم وقيل في سبب التسمية غير ما ذكرنا .

واعلم انه لا بد من تفسير الحياة التي نسبتها للنبي صلى الله عليه وسلم والحياة التي نسبتها للشهيد وحياة سائر الموتى ايضا فاما النبي صلى الله عليه وسلم فقد صاحب التلخيص من الشافعية في خصائصه ان ماله بعد موته قائم على نفقته وملكه ، وقال امام الحرمين رحمه الله ان ما خلفه بقي على ما كان في حياته فكان ينفق ابو بكر رضي الله عنه منه على اهله

وخدمه

خدمه وكان يرى انه باق على ملك رسول الله صلى الله عليه وسلم
فان الانبياء احياء .

واعلم ان هذا القول يقتضى اثبات الحياة فى احكام الدنيا وذلك
زائد على حياة الشهيد و القرآن العزيز ناطق بموته صلى الله عليه وسلم
قال تعالى (انك ميت و انهم ميتون) وقال صلى الله عليه وسلم انى
مقبوض و قال الصديق رضى الله عنه فان محمدا قد مات ، و اجمع المسلمون
على اطلاق ذلك فالوجه اذا ثبت القول المذكور ان يقال ان ذلك
موت غير مستمر و انه احيى بعد الموت و يكون انتقال الملك و نحوه
مشروطا بالموت المستمر و الا فالحياة الثابتة حياة اخروية و لا شك انها
أعلى و أكمل من حياة الشهيد و هى ثابتة للروح بلا اشكال و الجسد
قد ثبت ان اجساد الانبياء لا تبلى و عود الروح الى البدن متذكرة
فى سائر الموتى فضلا عن الشهداء فضلا عن الانبياء ، و انما النظر فى
استمرارها فى البدن و فى ان البدن يصير حيا بها كحاله فى الدنيا او حيا
بدونها و هى حيث شاء الله تعالى فان ملازمة الحياة للروح امر عادى
لا عقلى فهذا مما يحوز به العقل فان صح به سمع اتبع و قد ذكرناه عن
جماعة من العلماء و شهد له صلاة موسى عليه السلام فى قبره فان الصلاة
تستدعى جسدا حيا و كذلك الصفات المذكورة فى الانبياء لئلا الاسراء
كلها صفات الاجسام و لا يلزم من كونها حياة حقيقية ان تكون الابدان
معا كما كانت فى الدنيا من الاحتياج الى الطعام و الشراب و الامتناع
عن النفوذ فى الحجاب الكثيف و غير ذلك من صفات الاجسام التى
تشاهد ما بل قد يكون لها حكم آخر ، فليس فى العقل ما يمنع من اثبات
الحياة الحقيقية لهم ، و انما الادراكات كالعالم و السماع فلا شك ان

ذلك ثابت وستذكر ثبوته لسائر الموتى فكيف بالانبياء .

الفصل الثاني في الشهداء

اجمع العلماء على اطلاق لفظ الحياة على الشهيد كما نطق به القرآن ولكن اختلفوا هل هي حياة حقيقية او مجازية وعلى تقدير كونها حقيقية هل هي الآن او يوم القيامة وعلى تقدير كونها الآن هل هي للروح او للجسد فهذه اربعة اقوال لاخامس لها اضفها قول من قال ان المراد انهم يصيرون احياء يوم القيامة وليس المراد انهم احياء الآن، وهذا قول باطل بوجوه، منها قوله تعالى (ولكن لا يشعرون) فهذا خطاب للمؤمنين بانهم لا يشعرون بحياة من قتل في سبيل الله وكل المؤمنين يشعرون ويملكون بحياتهم يوم القيامة وانما الغريب الذي لا يشعر به حياتهم الآن، ومنها قوله تعالى (ويستبشرون بالذين لم يلحقوا بهم من خلفهم) والمراد اخوانهم الذين في الدنيا ولم يموتوا بعد .

ومنها، الاحاديث الصحيحة عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما اصيب اخوانكم باحد جمل الله ارواحهم في جوف طير خضر ترد انهار الجنة تأكل من مزارها وتاوى الى قتاديل من ذهب معلقة في ظل العرش فلما وجدوا طيب ما كلهم ومشرهم ومقبلهم قالوا من يبلغ اخواننا عنا انا احياء في الجنة نرزق لتلاي زهدوا في الجهاد ولا ينكثوا عن الحرب فقال الله تعالى انا ابلغهم عنكم فانزل الله عز وجل (ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا) الآية رواه ابو داود وخرجه الحاكم في صحيحه وفي صحيح مسلم عن مروق قال سألنا عبدالله بن مسعود عن هذه الآية (ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون) فقال اما انا قد سألنا عن ذلك فقال

(٢٤) اروا-هـ

ارواحهم في جوف طير خضر لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاءت ثم تأوى الى تلك القناديل فاطلع اليهم ربهم اطلاء فقال هل تشتهون شيئا قالوا اى شئ. تشهى ونحن نسرح من الجنة حيث نشاء فيقول ذلك لهم ثلاث مرات فلما رأوا انهم لم يتركوا من ان يسألوا قالوا يا رب نريد ان ترد ارواحنا في اجسادنا حتى نقتل في سبيلك مرة اخرى فلما رأى ان ليست لهم حاجة تركوا ، وهذان الحديثان صريحان في ان ذلك حصل فيما مضى .

وعن جابر بن عبد الله رضى الله عنها قال لقينى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا جابر ما لي اراك منكسا قلت يا رسول الله استشهد ابى قبل يوم احد وترك عيالا وعليه دين قال أفلا أبشرك بملقى الله عزوجل به اباك قلت بلى يا رسول الله قال ان الله ما كلم احدا قط الا من وراء حجاب واحى اباك وكله كفاحا فقال له يا عبدى تمن على اعطك فقال يا رب تخينى فاقتل فيك مرة ثانية قال الرب عزوجل قد سبق منى انهم لا يرجعون قال وانزلت هذه الآية (ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا) رواه الترمذى وقال حسن غريب من هذا الوجه وقوله احى اباك يقتضى تجديد حياة و الروح باقية لم تمت فاما ان يحمل على الجسد واما على ان مفارقتها الجسد حياة لها ومنها ما سذكروه في سائر الموتى وانهم منقسمون في القبور الى منعم ومعذب فثبت بهذه الوجوه ان الحياة حاصلة للشهيد الآن ولكن من الناس من قال انها حياة مجازية ثم سلكوا في وجه المجاز وجوها اما لانهم في حكم الله مستحقون للنعيم في الجنة اولا من انهم باق او غير ذلك من وجوه المجازات وكلها ضعيفة لانها عدل عن الحقيقة الى المجاز بغير دليل فلم يبق الا انها حقيقة

الآن وان الشهداء احياء حقيقة وهو قول جمهور العلماء لكن هل ذلك للروح فقط او للجسد معها فيه قولان ، احدهما ، للروح فقط لما ذكرناه من حديث ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہما وان الروح في احواف طير خضر و حياة الجسد انما تكون بعود الروح اليه ، والثاني للجسد معها و سنذكر مثل ذلك في سائر الموتى و اثبات حياتهم في قبورهم و ان عذاب القبر و نعيمه للجسد و الروح جميعا و اذا كان نعيم غير الشهيد كذلك فنعيم الشهيد أتم واولى و اكمل .

و ذكر القرطبي ان اجساد الشهداء لا تبلى و قد صح عن جابر ان اباہ و عمرو بن الجموع رضی اللہ عنہم و هما ممن استشهد باحد و دفنا في قبر واحد حفر السيل قبرهما فوجدنا لم يتغيرا و كان احدهما قد جرح فوضع يده على جرحه فدفن و هو كذلك فاميطت يده عن جرحه ثم ارسلت فرجعت كما كانت و كان بين ذلك و بين احدست و اربعون سنة و لما اجرى معاوية رضی اللہ عنہ العين التي استبطنها بالمدينة و ذلك بعد احد بنحو من خمسين سنة و نقل الموتى اصاب المسحاة قدم حمزة رضی اللہ عنہ فقال منه الدم . و وجد عيда اللہ بن حرام كأنما دفن بالامس و روى كافة اهل المدينة ان جدار قبر النبي صلى اللہ علیہ وسلم لما انهدم ايام الوليد بدت لهم قدم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و كان قتل شهيدا و لا حاجة الى الاثار من ذلك فقد صح ان الانبياء لا تأكل الارض اجسادهم ، و ورد مثله في الشهداء و معنى بالشهيد من قاتل لتكون كلمة اللہ هي العليا ، فلا يرد علينا انا قد ترى من يقاتل و تأكله الارض لكن بقاء الجسد لا يدل على حياته و الكلام هنا انما هو في الحياة ، و قد صح في الشهداء انهم يقولون نريد

ان

ان ترد ارواحنا الى اجسادنا، وهذا يرد قول من يقول ان جسد الشهيد حتى بروحه كما كان في الدنيا، اللهم الا ان يقال انه حتى بغير تلك الروح نوعا من الحياة مخالفا للحياة الدنيوية، وقد جاء في ارواح الشهداء انها في اجواف طير تسرح من الجنة حيث شاءت ثم تأوى الى قناديل من تحت العرش فن العلماء من قال ارواح الشهداء في اجواف طير في الجنة وارواح غيرهم من المؤمنين في قبورهم ومن ذكر ذلك القرطبي في التذكرة .

ومنهم من طعن في الحديث وقال انه لم يصح كونها في حواصل طير وزعم انها بذلك تكون محبوسة تفل ذلك عن ابي الحسن القالي وغيره من المالكية وهو مردود لان الحديث صحيح، ومنهم من اول في بمعنى على، ومنهم من قال انها ليست في طير ولكنها نفس الطير لقوله صلى الله عليه وسلم انما نسمة المؤمن طائر تعلق، ومنهم من يقول ارواح الشهداء مختلفة منها ما هو طائر تعلق من شجر الجنة ومنها ما هو في حواصل طير خضر ومنها ما تأوى الى قناديل تحت العرش ومنها ما هو في حواصل طير يضر ومنها ما هو في حواصل طير كالزراير ومنها ما هو في اشخاص وصور من صور الجنة ومنها ما هو في صور تخلق لهم من ثواب أعمالهم، ومنها ما يسرح ويردد الى جنتها يزورها، ومنها ما يتلق ارواح الموتى ومن سوى ذلك ما هو في كفالة ميكائيل عليه السلام، ومنها ما هو في كفالة آدم عليه السلام ومنها ما هو في كفالة ابراهيم عليه الصلاة والسلام، قال القرطبي رحمه الله تعالى وهذا قول حسن فانه يجمع الاخبار حتى لا تدافع والله تعالى اعلم .

الفصل الثالث

فی سائر الموقی فی السماع و الکلام و الادراک و الحیاة و عود
الروح الی الجسد .

اما السماع و الکلام فرواهما البخاری رحمه الله انا بجميع صحیح
البخاری ابو الحسن علی بن محمد بن هارون بقراءتی علیه غیر مرة بالقاهرة
و فاطمة بنت البطایحی بقراءتی علیها بسفح قاسیون ظاهر دمشق و ابوالعباس
احمد بن ابی طالب و وزیرة بنت عمر بن اسعد برمیخا قراءة علیهما و انا اسمع
و آخرون ، قال الاربعة المذكورون انا الحسن بن المبارك بن یحیی بن
الزیدی قال الاول و انا حاضر و قال الثلاثة ونحن نسمع قال انا ابو الوقت
عبدالاول بن عیسی قراءة علیه و انا اسمع انا جمال الاسلام ابو الحسن
عبدالرحمن بن محمد بن المظفر الداودی انا ابو محمد عبدالله بن احمد بن حمویه
انا ابو عبد الله محمد بن یوسف بن مطر القبری ثنا الامام ابو عبد الله محمد
ابن اسمعیل البخاری قال ثنا عیاش ثنا عبد الاعلی ثنا سعید . و به
قال و قال لی خلیفه ثنا ابن زریع ثنا سعید عن قتادة عن انس عن النبی صلی الله
علیه و سلم ، قال العبد اذا وضع فی قبره و تولى و ذهب عنه اصحابه حتی انه
یسمع قرع نعالهم اتاه ملکان فاقعداه فیقولان له ما کنت تقول فی هذا
الرجل محمد فیقول اشهد انه عبدالله و رسوله فیقال انظر الی مقعدک من
النار ابدلک الله به مقعدا من الجنة قال النبی صلی الله علیه و سلم فرواهما جميعا
و اما الکافر و المنافق فیقول لا ادری کنت اقول ما یقول الناس فیقال
لا دریت : لا . لیت ثم یضرب بمطرقة من حديد ضربة بین أذنیه فیصیح
صیحة یسمعها من یلیه الا الثقلین ، و روی مسلم رحمه الله من حدیث
اسلم قریبا منه و فیہ و اما المنافق او المرتاب ، قال الراوی لا ادری ای ذلك
قالت

قالت اسماء، وفي الترمذی ان الملكین یقولان للؤمن نم كنوة العررس لا یوقظه الا احب اهلہ الیہ وبالاسناد الی البخاری قال ثنا عبد العزیز ابن عبد الله ثنا الليث عن سعيد المقبری عن ایه. انه سمع ابا سعید الخدری یقول ان رسول الله صلى الله علیه وسلم قال اذا وضعت الجنائزہ واحتملها الرجال علی أعناقهم فان كانت صالحة قالت قدمونی وان كانت غیر صالحة قالت یا ویلها این تذهبون بها یسمع صوتها کل شیء الا الانسان ولو سمعه صعق وبالاسناد الی البخاری قال ثنا عبد الله بن یوسف ثنا الليث بن سعد فذكر بمثله، وقال قالت لاهلها یا ویلها وقال ولو سمع الانسان لصعق، فانظر هذه الاحادیث الصحیحة التي لامریة فیها وتأكيد الکلام بما لا یحتمل المجاز وهو قول یسمع صوتها کل شیء الا الانسان ولو لاهذا لا يمكن ان یحمل علی القول بلسان الحال لكن بعد هذا لا یسوغ هذا الحمل وایضا فان لسان الحان معلوم عند الانسان فلا شک فی حصول کلام حقیقی هذا ونحن نشاهد علی أعناق الرجال میتا، ومن الاحادیث الصحیحة المتفق علیها ندائه صلى الله علیه وسلم اهل القلب، وقوله ما اتم بأسمع لما اقول منهم ..

وما الادراک فیدل له مع ذلك الاحادیث الواردة فی عذاب القبر وهي أحادیث صحیحة متفق علیها رواها البخاری ومسلم وغيرهما واجمع علیها وعلی مدلولها اهل السنة والاحادیث فی ذلك متواترة ومن احسنها ما رواه ابوداود الطیالسی انا ابو العباس احمد بن محمد الدشتی بقرا فی علیه بالشام فی سنة سبع وسبعائة قال انا الحافظ ابن خلیل انا اللبان انا الحداد انا ابو نعیم انا ابن فارس ثنا یونس بن حبيب ثنا ابوداود الطیالسی ثنا الاسود بن شیان عن بحر بن البکراوی عن ابی بکرة قال یما انا امشی مع

رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعى رجل ورسول الله صلى الله عليه وسلم يمشى يتنا اذ آتى على قبرين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان صاحبي هذين القبرين ليعذبان الآن فى قبورهما فأيكما يأتينى من هذا النخل بعسيب فاستبقت انا وصاحبي فسبقته وكسرت من النخل عسيبا فأتيت به النبي صلى الله عليه وسلم فشقه نصفين من اعلاه فوضع على احدهما نصفاً وعلى الآخر نصفاً وقال انه يهون عليهما مادام فبهما من بلولتهما شئ. انهما يعذبان فى الغيبة والبول، قال الطيالسي وروى هذا الحديث مسلم بن ابراهيم عن الاسود عن مجزأة عن عبد الرحمن بن ابى بكرة هكذا نقله من مسند ابى داود الطيالسي التى هى اصل سماعى وهى بخط ابن خليل واصل الحديث ثابت فى الصحيحين، وفى هذه الرواية النص على ان العذاب الآن وانه فى القبور وخرج البخارى ومسلم عن البراء بن عازب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المسلم اذا سئل فى القبر يشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله فذلك قوله تعالى (يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت فى الحياة الدنيا وفى الآخرة) وقد ورد عن البراء بن عازب حديث طويل جامع للاحكام الموتى وفيه التصريح بعود الروح الى الجسد انا به الدشقى انا ابن خليل انا اللبان انا الحداد انا ابونعيم انا ابن فارس ثنا يونس ثنا ابوداود الطيالسي قال ثنا ابو عوانة عن الاعمش عن المنهال بن عمرو عن زاذان عن البراء بن عازب رضى الله عنهما قال ابوداود حدثناه عمرو بن ثابت سمع من المنهال بن عمرو عن زاذان عن البراء بن عازب وحديث ابى عوانة اتمها، قال البراء خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى جنازة رجل من الانصار فأتتهما الى القبر ولما يلحد فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وجلسنا حوله كأنما على رؤوسنا الطير، قال

عمرو

عمرو بن ثابت وقع ولم يقله ابو عوانة فجعل يرفع بصره و ينظر الى السماء و يخفض بصره و ينظر الى الارض ثم قال اعوذ بالله من عذاب القبر قالها مرارا ثم قال ان العبد المؤمن اذا كان في قبل من الآخرة و انقطاع من الدنيا جاءه ملك فجلس عند رأسه فيقول اخرجي أيتها النفس المطمئنة الى مغفرة من الله و رضوانه فخرج نفسه و تسيل كما يسيل قطر السماء قال عمرو في حديثه ولم يقله ابو عوانة و ان كنتم ترون غير ذلك و تنزل ملائكة من الجنة يضض الوجوه كأن وجوههم الشمس معهم اكفان من اكفان الجنة و حنوط من حنوطها فيجلسون منه مد البصر فاذا قبضها الملك لم يدعوها في يده طرفة عين فذلك قوله عز وجل (توفه رسلنا و هم لا يفرطون) .

قال فخرج نفسه كاطيب ريح و جدت فخرج بها الملائكة فلا يأتون على جند بين السماء و الارض الا قالوا ما هذه الروح فيقال فلان باحسن اسمائه حتى يتهوا به الى باب سماء الدنيا فتفتح له و يشيعه من كل سماء مقربوها حتى يتهى بها الى السماء السابعة فيقول اكتبوا كتابه في عليين (و ما ادراك ما عليون كتاب مرقوم يشهده المقربون) فيكتب كتابه في عليين ثم يقال ردوه الى الارض فاني وعدتهم اني ا منها خلقناهم و فيها نعيدهم و منها نخرجهم تارة اخرى) فترد الى الارض و تعاد روحه في جسده فيأتيه ملكان شديدا الاتهار فيتهرا به و يجلسانه فيقولان من ربك و ما دينك فيقول ربى الله و دينى الاسلام فيقولان فا تقول فى هذا الرجل الذى بعث فىكم فيقول هو رسول الله فيقولون و ما يدريك فيقول جاءنا بالبينات من ربنا فآمنت و صدقته قال و ذلك قوله عز وجل (يثبت الله الذين آمنوا بالقول

الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة) قال ويتأدى مناد من السماء
 قد صدق عبدی قاليسوه من الجنة وافرشوه منها وأروه منزله منها فلبس
 من الجنة ويفرش منها ويرى منزله منها و يفسح له مد بصره و يمثل
 له عمله في صورة رجل حسن الوجه طيب الريح حسن الثياب فيقول
 ابشر بما اعد الله عزوجل لك ابشر برضوان من الله و جنات فيها نعيم
 مقيم فيقول بشرك الله بخير من انت فوجهك الوجه الذي جاء نا
 بخير فيقول هذا يومك الذي كنت توعده والامر الذي كنت توعده
 وانا عملك الصالح فوالله ما علمت انك كنت سريعا في طاعة الله بطيئا
 عن معصية الله فجزاك الله خيرا فيقول يا رب اقم الساعة كي ارجع
 الى أهلي ومالي، قال وان كان فاجرا فكان في قبل من الآخرة وانقطاع
 من الدنيا جاءه ملك فجلس عند رأسه فقال اخرجي أيتها النفس الخبيثة
 أبشري بسخط الله وغضبه فنزل ملائكة سود الوجوه معهم مسح
 فاذا قبضها الملك قاموا فلم يدعوها في يده طرفة عين قال ففرق في
 جسده فيستخرجها تقطع معها العروق والعصب كالسفود الكبير
 الشعب في الصوف المبلول فتؤخذ من الملك فتخرج كأتس ریح و جدت
 فلا تمر على جند فيما بين السماء والارض الا قالوا ما هذه الروح
 الخبيثة فيقولون هذا فلان بأسوء اسمائه حتى يتهون الى السماء الدنيا
 فلا يفتح له فيقول رددوه الى الارض اني وعدتهم اني (منها خلقناهم
 وفيها نعيدهم ومنها نخرجهم تارة اخرى) قال فيرمى به من السماء قال
 فتلا هذه الآية (ومن يشرك بالله فكأنما خر من السماء) الآية قال
 ويعاد الى الارض وتعاد فيه روحه ويأتيه ملكان شديدا الا تهتار
 فيتهرانه ويجلساه فيقولان من ربك وما دينك فيقول لا أدري فيقولان

فما تقول في هذا الرجل الذي بعث فيكم فلا يهتدى لاسمه فيقول لا أدرى سمعت الناس يقولون ذلك قال فيقال لا دريت فيضيق عليه قبره حتى تختلف اضلاعه ويمثل له عمله في صورة رجل قبيح الوجه متن الريح قبيح الثياب فيقول أبشر بعذاب من الله وسخطه فيقول من انت فوجهك الوجه الذي جاء بالشر فيقول انا عمك الخيث والله ما علمتك الا كنت يطينا عن طاعة الله سريعا الى معصية الله .

قال عمر وفي حديثه عن المنهال عن زاذان عن البراء عن النبي صلى الله عليه وسلم ، فيقيض له ملك اصم ابكم معه مرزبة لوضرب بها جبل صارت رابا ، او قال رميا ، فيضربه بها ضربة يسمعها الخلائق الا الثقلين ثم تعاد فيه الروح فيضربه ضربة اخرى ، وهذا الحديث اخرجه جماعة من الائمة في مسانيدهم منهم الامام احمد وعبد بن حميد وعلى ابن معبد في الطاعة والمعصية وغيرهم ، ورجال اسناده كلهم ثقات وتكلم فيه ابن حزم من جهة المنهال بن عمرو وهذا الكلام ليس بشئ لان المنهال بن عمرو روى له البخاري ووثقه غير واحد ، منهم يحيى بن معين والكلام الذي فيه من جهة ان شعبة تركه وقد قال عبد الرحمن ابن مهدي ان سبب ترك شعبة له انه سمع من داره صوت قراءة بالطريق ، واذا عرف هذا السبب لم يضر ترك شعبة اياه لان جماعة من العلماء قالوا باباحة ذلك وما كان مختلفا فيه من هذا الجنس فلا يرد الرواية به ولا الشهادة لاسيما ولم يعلم ان ذلك الصوت منه فقد يكون في داره من غيره ولا علم له به ، وبالجمل فلهذا كلام لا وجه له ولا شك في ثقة المنهال بن عمرو وانه ممن يحتج بحديثه ولا معنى لانكار عود الروح وتضعيفه بالمنهال بن عمرو مع دلالة بقية الاحاديث المتفق عليها

على السماع والكلام والقعود وغيرها مما يستلزم الحياة وعود الروح، وقد روى البغوى في شرح السنة عن ابى هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : ان الميت يسمع حس النعال اذا ولوا عنه الناس مدبرين ثم يجلس ويوضع كفته في عنقه ثم يسأل .

وقد اجمع اهل السنة على اثبات الحياة في القبور قال امام الحرمين في (الشامل) اتفق سلف الامة على اثبات عذاب القبر و احياء الموتى في قبورهم ورد الارواح في اجسادهم وقال الفقيه ابوبكر بن العربي في (الامد الاقصى في تفسير الاسماء الحسنی) ان احياء المكلفين في القبر وسؤالهم جميعا لاخلاف فيه بين اهل السنة وقال سيف الدين الامدى في كتاب (أبكار الافكار) اتفق سلف الامة قبل ظهور المخالف واكثرهم بعد ظهوره على اثبات احياء الموتى في قبورهم ومساءلة الملوك لهم واثبات عذاب القبر للجرمين والكافرين، وقوله تعالى (واحيتا ايتين) اى حياة المساءلة في القبر وحياة الحشر لانها حيتان عرفوا الله بها والحياة الاولى في الدنيا لم يعرفوا الله بها، وقال القرطبي ان الايمان به مذهب اهل السنة والذي عليه الجماعة من اهل الملة ولم يفهم الصحابة الذين نزل القرآن بلسانهم ولعنهم من فيهم عليه السلام غير ذلك وكذلك التسابون بعدم، وذهب بعض المعتزلة الى موازنة اهل السنة على ذلك وذهب صالح قبة والصالحى وابن جرير الى ان الثواب والعقاب ينال الميت من غير حيلة وهذه مكابرة للعقول، وذهبت طائفة الى ان الميت يألم كما يألم السكران فاذا حشر وجد ذلك الا لم كما يجد السكران الا لم اذا عاد العقل اليه، وهذا المذهب تخطيط لا حاصل له وذهب ضرار بن عمرو وبشر المريسي ويحيى بن كامل وغيرهم من المعتزلة

المعتزلة الى ان من مات فهو ميت في قبره الى يوم البعث ومنهم من اعترف بعذاب القبر وانه يكون بين النفختين وكلا الامرين مخالف لما تظاهرت به الاحاديث، وطعن بعض الملحدة بانا ترى المصلوب لا يظهر عليه شئ من ذلك ومن اقترسه السبع و تفرقت اجزاؤه كيف يقال بذلك فيه . وللائمة رضى الله عنهم طرق في الاجوبة عن ذلك منها انه لا يبعد ان تكون المساءلة على اجزاء مخصوصة من الجسد كاجزاء القلب ونحوها فيرد الله الروح اليها ويسائلها، ومنها انه لا يبعد ان يرد الروح الى المصلوب من حيث لا تشعر ونحن نحسبه ميتا كما نحسب صاحب السكة ميتا، واما من تفرقت اجزاؤه فيرد الله الروح الى كل جزء ويسائله الملكان، ومنها ان الذين في القبور يجلسون و يستلون والذين بقوا على وجه الارض من الموتى يحجب الله المكلفين عما يجرى عليهم كما حجبهم عن رؤية الملائكة مع رؤية النبيين لهم صلوات الله عليهم، وما تعلقوا به قوله تعالى (انك لا تسمع الموتى وما انت بسمع من في القبور) وانكار عائشة رضى الله عنها سماع اهل القليب، واما قوله تعالى انك لا تسمع الموتى فنحن نقول به واما نقول يسمعون اذا ردت اليهم ارواحهم، واما قوله وما انت بسمع من في القبور فمعناه اذا كانوا موتى واما عائشة رضى الله عنها فقد اعترفت بالعلم وقالت انما قال انهم الآن ليعلمون ان ما كنت اقول لهم حق و اذا جاز العلم جاز السماع لانهما جميعا مشروطان بالحياة على الجملة فهذه الامور ممكنة في قدرة الله تعالى وقد وردت بها الاخبار الصحيحة فيجب التصديق بها ويقطع بان الحياة تعود الى الميت او اما انه هل يموت بعد ذلك مودة ثانية لم يرد في الاحاديث تصریح بذلك لكن في كلام بعضهم ما يقتضيه وحمل عليه قوله تعالى وربنا

أمتا اثنتين) على اختلاف المفسرين فيها .

والقائلون بعذاب القبر يقولون باستمراره وهكـذا تقتضى
الاحاديث الصحيحة كما تقدم هذا مقعدك حتى يبعثك الله وقوله تعالى
(يعرضون عليها غدوا وعشيا) وقد صح في مسلم عن زيد بن ثابت قال
بينما النبي صلى الله عليه وسلم في حائط لبنى النجار على بغلة له ونحن
معه اذ حادت به فكادت تلقيه واذا اقبر ستة او خمسة او اربعة فقال
ومن يعرف اصحاب هذه القبور فقال رجل انا فقال فتى مات هؤلاء
قال ماتوا في الاشراك فقال ان هذه الامة تبلى في قبورها فقلوا ان
لا تدفنوا؟ لدعوت الله ان يسمعكم من عذاب القبر الذى اسمع، وهذا
يدل على استمرار عذاب القبر، وعن انس ان النبي صلى الله عليه وسلم
سمع صوتا من قبر فقالوا دفن في الجاهلية فقال رسول الله صلى الله
عليه وسلم لولا ان لا تدافنوا؟ لدعوت الله ان يسمعكم عذاب القبر،
واما قوله تعالى (من يشأ من مرقدنا) فهو يشعر بالحياة لان الرقاد للحى
وقد قيل في تفسيره افعال، منها ان العذاب يرفع عن اهل القبور
بين النفخات نفخة الفرع ونفخة الصق ونفخة النسر فلا يذب في
هذه الاوقات الا من قتل نيا او قتله نبي او قتل في معترك نبي، ومنها
ان العذاب ليس مدايم بل بكرة وعشيا ويفتر فيما بين ذلك فتقوم
الساعة في ارتفاع النهار فيصاف قيامها وقت الفترة .

وقد تلخص من هذا ان الروح تعاد الى الجسد ويحيى وقت
المساءلة وانه يتم او يذب من ذلك الوقت الى يوم البعث اما منقطعاً
او مستمرا على ما سبق و هو ذلك من بعد وقت المساءلة الى البعث للروح
فقط اذله مع الجسم يلفت على ان الجسم هل يفنى او يفرق وكلا الأمرين

حاشا

جائز عقلا، وفي الواقع منه قولان للتكلمين ولم يرد في الشرع ما يمكن التمسك به في ذلك الا قوله صلى الله عليه وسلم كل ابن آدم يلى الالعجب الذنب فحيث يكون الجسم او بعضه باقيا فلا امتناع من قيام الحياة به وحيث يعدم بالكلية يتعين القول بالروح فقط على انها ايضا قد تعدم عند فناء العالم ليكون المعاد واردا عليها وعلى الجسم معا وقد جاءت احاديث تدل على ان بعض الموتى يقبهم الله تعالى فتنة القبر منهم الشهيد ومن مات يوم الجمعة او ليلة الجمعة، وآخرون وردت بهم احاديث وهؤلاء ان خصوا من المسألة فالنعم والحياة شاملان لهم .

وقد عرف بهذا ان حياة جميع الموتى بارواحهم واجسامهم في قبورهم لاشك فيها واستمرار العذاب او النعيم بعد المسألة لاشك فيه ايضا لما سبق وكون ذلك فيما بعد وقت المسألة للروح فقط اولها مع الجسم مما يتوقف على السمع، وقد ذكر سعيد بن السكن في سننه عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال الميت اذا وضع في قبره اه لسمع خفق نعالهم حين يولون عنه فان كان مؤمنا كانت الصلاة عند رأسه وذكر حديثا طويلا الى ان قال فيفسح له في قبره سبعون ذراعا وينور له فيه ويعاد الجسد بما بدئ منه ويجعل النسيمة في النسم الطيبة فهو بطير وعلقن شجر الجنة، وفي المستدرک على الصحيحين للحاكم في فضائل عائشة رضى الله عنها قالت كنت ادخل البيت الذى دفن معها؟ عمر والله ما دخلت الا واما مشدودة على ثيابي حياء من عمر قال هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه .

الفصل الرابع

قد عرفت مقالات الناس في سائر الموتى وفي الشهداء وعرفت

ان القول فيهم يعود الروح الى الجسد وبقائها فيه الى يوم القيامة بيد مخالف للحديث الصحيح انها ترجع الى جسده يوم القيامة وعرفت ان النعيم حاصل لارواح السعداء من الشهداء وغيرهم والعذاب حاصل للاشقياء فطعنك تقول ما الفرق حيث بين الشهداء وغيرهم، والجواب عن هذا من وجهين، احدهما، ان اثبات الحياة للشهداء لا تنفي ثبوتها عن غيرهم فالآيتان الكريمتان الواردتان بقوله تعالى (ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا بل احياء عند ربهم) ليس فيها نفي هذا الحكم عن غيرهم بل الرد على من يعتقد انهم ليسوا كذلك ونص عليهم لان الواقعة كانت فيهم، الثاني ان انواع الحياة متفاوتة حياة للاشقياء معذنين اعادنا الله تعالى منها، وحياة بعض المؤمنين من المتعمين، وحياة الشهداء اكل واعلى فهذا النوع من الحياة والرزق لا يحصل لمن ليس في رتبته، وانما حياة الانبياء اعلی واكل وائم من الجميع لانها للروح والجسد على الدوام على ما كان في الدنيا على ما تقدم عن جماعة من العلماء ولو لم يثبت ذلك فلا شك ان كمال حياتهم ايضا اكبر من الشهداء وغيرهم اما بالنسبة الى الروح فلكمال اجالها ونعيمها وشهودها للحضرة الالهية وهي مع ذلك مقبلة على هذا العالم ومنصرفة فيه، واما بالنسبة الى الجسد فلما ثبت فيه من الحديث .

وبالجملة كل احد يعامل بعد موته كما كان يعامل في حياته ولهذا يجب الادب مع النبي صلى الله عليه وسلم بعد موته كما كان في حياته، وقد روى عن ابي بكر الصديق رضي الله عنه قال لا ينبغي رفع الصوت على نبي حيا ولا ميتا، وروى عن عائشة رضي الله عنها انها كانت تسمع صوت الوتديوتد والمهارج يضرب في بعض الدور المطيفة بمسجد رسول الله

رسول الله صلى الله عليه وسلم قرسل اليهم لا تؤذوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قالوا وما عمل على بن ابي طالب رضى الله عنه مصراعى داره الا بالمناصع توقيا لذلك ، هكذا رواه الحسينى فى اخبار المدينة . وهذا مما يدل على انهم كانوا يرون انه حى ، وعن عروة قال وقع رجل فى علي عند عمر بن الخطاب فقال له عمر بن الخطاب قبحك الله لقد آذيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى قبره ، ومن نظر سير السلف الصالحين والصحابة والتابعين علم انهم كانوا فى غاية الادب مع النبي صلى الله عليه وسلم بعد موته كما كانوا فى حياته وكانوا مع قبره الشريف كذلك وكيف لا وقد روى عن كعب الاحبار قال ما من فجر يطلع الا نزل سبعون ألفا من الملائكة حتى يحفوا بالقبر يضربون باجنحتهم ويصلون على النبي صلى الله عليه وسلم حتى اذا امسوا عرجوا ويهبط مثلهم فضعوا مثل ذلك حتى اذا انشقت الارض خرج فى سبعين ألفا من الملائكة فلو لم يكن فى الحضور عند القبر الا الدعاء بحضرة هؤلاء الملائكة فكيف وفيه حضرة سيد الخلق اجمعين ولذلك كانت الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين يغمضون اصواتهم فى مسجده صلى الله عليه وسلم تعظيما له ، فى البخارى عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه انه قال لرجلين من اهل الطائف لو كنما من اهل البلد لا وجعتكما ترغمان اصواتكما فى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم .

ولو جمعنا الاحاديث الصحيحة التى فيها ما كانت الصحابة عليه من تعظيم رسول الله صلى الله عليه وسلم وتعظيم آثاره وأديهم معه لجاءت مجلدات بل الملائكة ايضا كانوا يسلكون كمال الادب معه كما روى ابوبكر بن ابي شيبة فى مصنفه ثنا ابن فضيل عن عطاء بن السائب عن

محارب عن ابن بريدة قال وردنا المدينة فأتينا عبد الله بن عمر فقال كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فأتاه رجل جيد الثياب طيب الريح حسن الوجه فقال السلام عليك يا رسول الله فقال وعليك فقال يا رسول الله ادن مني قال ادن فدنا فدنا فقلنا ما رأينا كاليوم قط رجلا أحسن ثوبا ولا أطيب ريحا ولا أحسن وجها ولا أشد توقيرا لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال يا رسول الله ادن مني قال نعم فدنا فدنا فقلنا مثل مقالتنا قال له الثالثة ادن مني يا رسول الله قال نعم .

وذكر حديث جبرئيل وسؤاله عن الاسلام فانظر تعظيم جبرئيل وأدبه مع النبي صلى الله عليه وسلم وكذلك ملك الموت وغير ذلك من الأحاديث التي لا تحصر والكتاب العزيز واجماع المسلمين ولا شك ان من قال لا يزار ولا يسافر لزيارته او لا يستغاث به بعيد من الادب معه نسأل الله تعالى العافية، وقد روى القاضي اسماعيل في احكام القرآن عن محمد بن عيسى ثنا محمد بن ثور عن معمر عن قتادة ان رجلا قال لوقبض النبي صلى الله عليه وسلم لتزوج فلاة فانزل الله تعالى (وما كان لكم ان تؤذوا رسول الله ولا ان تنكحوا ازواجه من بعده ابدا) .

قال معمر وبلغني ان طلحة (۱) قال لوقبض النبي صلى الله عليه وسلم لتزوجت عائشة فانظر محافظة القرآن العزيز على حفظه وصونه عما يؤذي في حياته وبعد مماته وهذا معلوم من الدين بالضرورة واشعار

(۱) قال الحافظ جلال الدين السيوطي في فتاواه طلحة هذا ليس هو المشهور احد العشرة بل هو رجل شاركه في اسمه واسم ابيه ونسبه فان طلحة المشهور الذي هو احد العشرة طلحة بن عبيد الله بن عثمان بن عمر بن كعب بن سعد بن تيم النيمي - طلحة صاحب القصة طلحة بن عبيد الله بن شافع بن عياض بن صخر =

الآية

الآية الكريمة بأن نكاحهن بعد الموت يؤذيه فيقتضى انه يتأذى بعد الموت فينبغى لمحترز على دينه ان يسلك كمال الادب و يتحفظ غاية التحفظ لتلايزل وهو لا يشعر فيما بما يؤذيه فيخسر الدنيا والآخرة نسأل الله تعالى ان يعصمنا في ديننا ويسترنا فيما بقى من أعمارنا ويجعل ما نقوله حجة لنا لا علينا ونورا يسعى بين ايدينا وان يحشرنا في زمرة هذا النبي صلى الله عليه وسلم وتحت لوائه ويوردنا حوضه ويرزقنا شفاعته ورضاه عنا ويجعلنا من المتبعين لسته السالكين بهديه بمنه وكرمه آمين .

الفصل الخامس

كان المقصود بهذا كله تحقيق السماع ونحوه من الاعراض بعد الموت فانه قد يقال ان هذه الاعراض مشروطة بالحياة فكيف تحصل بعد الموت وهذا خيال ضعيف لانا لاندعى ان الموصوف بالموت موصوف بالسماع وانما ندعى ان السماع بعد الموت حاصل لحى وهو اما الروح وحدها حالة كون الجسد ميتا او متصلة بالبدن حالة عود الحياة اليه والانسان فيه امران (۱) جسد ونفس فالجسد اذا مات ولم تعد اليه الحياة لا تقوم بقيام شئ من الاعراض المشروطة بالحياة به وان عادت الحياة اليه صح اتصافه بالسماع وغيره

= ابن عامر بن كعب بن سعد بن تيم التيمي قال ابو موسى في الذيل عن ابن شاهين في ترجمته هو الذى نزل فيه (وما كان لكم ان تؤذوا رسول الله) الآية وذلك انه قال لئن مات رسول الله لأتزوجن عائشة وقال ان جماعة عن المعمرى غلطوا وظنوا انه طلحة احد العشرة، انتهى من الاصل (۱) قوله امر ان قال السبكي ان فيه للسيد العنقوى ها تحقيق في مسألة المعاد فليراجع ، وعبارته الانسان هو مجموع الجسد والروح وما فيه من المعاني فان الجسد العارغ من =

من الاعراض و النفس باقية بعد موت البدن عامة باتفاق المسلمين حتى ان عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا لما انكرت سماع اهل القلب وافقت على العلم وقالت انما قال انهم الآن ليعلمون ان ما كنت أقول لهم حق . بل غير المسلمين من الفلاسفة وغيرهم ممن يقول ببقاء النفوس يقولون بالعلم بعد الموت ولم يخالف في بقاء النفوس الامن لا يعتد به .

وليس مرادنا أنها واجبة البقاء كما قال به بعض اهل الزيغ والاحاد ولا أنها تبقى دائماً وان كان ممكناً فإنه قد يفنيها الله تعالى عند فناء العالم ثم يعيدها وانما المراد انها تبقى بعد موت البدن ثم بعد ذلك ان فئت أعيدت مع البدن يوم القيامة وان لم تكن أعيد البدن ورجعت وما دامت باقية تدرك المعقولات بلا اشكال .

واما ادراكها للحسوس كالسمع وغيره ففي حال تعلقها بالبدن اختلف المتكلمون هل هي الميركة فقط والحواس بمنزلة الطاقات او الحواس تدرك ثم تنقل اليها كالجباب يسمعون ثم ينقلون الى الملك .

وعلى كل من القولين هي مدركة للسمع ولم يقم دليل على ان اتصالها بالبدن شرط في هذا الادراك بل الظاهر انه ليس بشرط كما انه ليس بشرط في العلم بالمعقولات ونحن بسكيفنا يان امكان ذلك عقلا فاذا ورد به سمع اتبع ولسنا في مقام اثباته بمجرد العقل بل في مقام

= الروح والمعاني تسمى شجوا وجملة لانسانا وكذا الروح المبرد لا يسمى انسانا وكذا المعاني المحققة لا تسمى على الاقراد انسانا فالاعراف والاعقلا انتهى من الاصول المنقولة عنها .

عدم استحالته وانه ليس الامر على ما توهمه السائل وما ذكره من مشروطة السمع بالحياة صحيح والحياة تصف الروح بها وبيان ذلك يحوج الى الكلام في حقيقة النفس، وقد اكثر الناس الكلام فيها من التصانيف و تباينت فيها اقوال الناس هل هي جسم أو عرض أو مجموعهما أو جوهر فرد متحيز أو جوهر مجرد غير متحيز ولا يمكن قول سادس واما الكلام في تعيين واحد من الخمسة .

ومن الناس من توقف فيها وهو اعلم وحمل على ذلك قوله تعالى (قل الروح من امر ربي) وانه لم يأمره ان يبينها لهم، ومنهم من قال انها جسم وهؤلاء تنوعوا انواعا امثلها قول من قال انها اجسام لطيفة مشتبكة بالاجسام الكثيفة اجرى الله العادة بالحياة مع بقائها وهو مذهب جمهور اهل السنة والى ذلك يشير قول الاشعري والباقلاني وامام الحرمين وغيرهم ويوافقهم قول كثير من قدماء الفلاسفة، ومنهم من قال انها عرض خاص ولم يعينه قاله جماعة من المتكلمين ونصره الهراسي من اصحابنا .

ومنهم من عينه وتنوعوا في ذلك انواعا، ومنهم من قال انها جوهر فرد متحيز نقل ذلك سيف الدين الامدي عن الغزالي ومعهما وغيرهما من الاسلاميين القائلين بانها بسيطة، والقائلون بهذه الاقوال الثلاثة يقولون ان قوله تعالى (قل الروح من امر ربي) جواب فان امر الرب هو الشرع والكتاب الذي جاء به فمن دخل في الشرع وتفقه في الكتاب والسنة عرف الروح فكان معنى الكلام ادخلوا في الدين تعرفوا ما سألتم عنه على انه قد قيل انهم لم يسئلوا عن الروح الانساني بل عن ملك من الملائكة والاقوال في ذلك مذكورة في التفسير وقيل ليس

سوالاً عن حقیقتها بن عن حدوثها و أجاز بهم بما يدل علی حدوثها و انها من فعل الله تعالی و کل من قال بانها جسم یحوز اتصافها بالحیاء، و اما القول بانها عرض فمبید، و من الناس من قال الروح جوهر مجرد متحیز و لاحال فی متحیز و هو مذهب حذاق الفلاسفة .

و الذی یظهر ان هذا مذهب الغزالی ایضاً و هكذا هو فی (المضمون به علی غیرا هله الکبیر) و (المضمون به علی غیر هله الصغیر) و لکن الآمدی نقل عنه ما ذكرت و (المضمون الکبیر) فیہ اشياء من اعتقاد الفلاسفة خارجة عن اعتقاد المسلمين و لذلك ان بعض الفضلاء کان ینکر سببه الی الغزالی رحمه الله و هو فی الاحیاء فی شرح عجائب القلب لم یفصح بذلك، رانما قال انها لطیفة ربانیة روحانیة هی حقیقة الانسان و هی المدرك العالم العارف من الانسان و هی المخاطب المطالب، و لهذه اللطیفة علاقة مع القلب الجسمانی، و قد تحیر اکثر العقول فی ادراك وجه علاقته و قال ان هذه اللطیفة الربنیة یطلق علیها الروح و النفس و القلب و العقل و هی غیر الروح الجسمانی و غیر النفس الشهوانیة و غیر القلب الصنوبری و غیر العقل الذی هو العلوم فالمعانی خمسة و الا لفاظ اربعة کل لفظ لمعین هذا کلامه فی الاحیاء، و اتفق الاطباء علی ان فی بدن الانسان ثلاثة ارواح روح البیعی و هو جسم لطیف معدنه الکبد ثم ینبث فی سائر البدن و یحمل القوى الطبیعیة، و روح حیوانی و هو جسم لطیف معدنه القلب و ینبث فی سائر البدن و یحمل قوة الحیاء، و روح نفسانی و هو جسم لطیف معدنه الدماغ و ینبث فی سائر البدن و فعله الحس و الحركة و هذه الارواح تشترك فیها حیوانات، و لم یتکلموا فی النفس الباطنة الخاصة بالانسان الکی هی غرضنا هنا .

اذا عرف ذلك فالفلاسفة القائلون في النفس الناطقة انها جوهر مجرد فانهم يقولون انه حي عالم متكلم سميع بصير قادر مريد ولكنه يمكن موجود بايجاد الله تعالى حادث بعد العدم مخلوق ، وقد يطلقون المخلوق على ماله كمية يدخل بسببها تحت المساحة والتقدير ويقولون عالم الخلق ما كان كذلك وعالم الامر الموجودات الخارجة عن الحس والخيال والجهة والمكان والتحيز وهو مالا يدخل تحت المساحة والتقدير لانتفاء الكمية عنه والمتصورون لهذا يجعلون قوله تعالى (قل الروح من امر ربي) جوابا بانها من عالم الامر، والمتكلمون من المسلمين لا يثبتون هذا الوصف الا لله تعالى ويقولون كل ممكن فهو اما متحيز حال في التحيز والفلاسفة يثبتونه وهو اشرف الممكنات عندهم لانه لا يحتاج الا الى موجد قط ولكل من المتكلمين والفلاسفة على نفيه واثباته ادلة ليست بالقوية والآية الكريمة ليس فيها دليل لهم كما عرف في التفسير، وظواهر الشريعة تقتضي ان الروح متحيزة فقد روى ابن ماجه باسناد صحيح عن ابي هريرة رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يحضر الملائكة فاذا كان الرجل صالحا قالوا اخرجي ايتها النفس المطمئنة كنت في الجسد الطيب اخرجي حميدة وابشري بروح وريحان ورب راض غير غضبان فلا يزال يقال لها ذلك حتى تخرج ثم يرجع بها الى السماء فتفتح لها فيقال من هذا فيقولون فلان ابن فلان فيقال مرحبا بالنفس المطمئنة كانت في الجسد الطيب ادخلي حميدة وابشري بروح وريحان ورب راض غير غضبان ، فلا يزال يقال لها هذا حتى تنتهي يعني الى عليين .

ووردت احاديث كثيرة بمعنى هذا والقرآن يشهد له قال تعالى

(يا ايها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضيه مرضية) الآية، وقال تعالى (لا تفتح لهم ابواب السماء) جاء انها الاتفس الخيثة وقد يقال ان الاشارة بذلك الى الروح الحيواني ولعل الروح الحيواني الموجود في الانسان يبقى بعد الموت ويتقل الى عليين او سجين والله سبحانه وتعالى اعلم .

الباب العاشر في الشفاعة

ووجه ذكرها شرح متن الحديث الاول وهو قوله صلى الله عليه وسلم من زار قبري وجبت له شفاعتي، وختمنا بها الكتاب لتكون هي خاتمة امرنا ان شاء الله تعالى .

والقول الجلي في الشفاعات الاخرية انها خمسة انواع وكلها ثابتة لنينا صلى الله عليه وسلم وبعضها لا يدنو أحد اليه سواء وفي بعضها يشاركه غيره ويكون هو المتقدم صلى الله عليه وسلم فاختص صلى الله عليه وسلم بعموم الشفاعة وبعض انواعها واما الباقي فيصح نسبه اليه لمشاركته وتقدمه فيه فالشفاعات كلها راجعة الى شفاعته وهو صاحب الشفاعة بالاطلاق فقوله شفاعتي يصح ان تكون اشارة الى النوع المختص به والى العموم والى الجنس لنسبة ذلك كله اليه، فهذه لطيفة يجب التنبه لها، واما التفصيل فقال القاضي عياض وغيره . الشفاعة خمسة اقسام .

اولها محتصة بنينا محمد صلى الله عليه وسلم، هي الاراحة من طول الوقوف وتعجيل الحساب لا يدنو اليها غير ينكرها احد .

الثانية، الشفاعة في ادخال قوم لجنة بغير حساب وهذه ايضاً

وردت

ورددت لتينا صلى الله عليه وسلم كما تبين في الاحاديث التي نذكرها ان شاء الله تعالى ، قال ابن دقيق العيد ولا اعلم الاختصاص فيها او عدم الاختصاص ، قلت ولفظ الحديث الذي يأتي ، فاقول يارب امتي امتي فيقال يا محمد ادخل الجنة من أمتك من لاحتساب عليه من الباب الايمن من ابواب الجنة وهم شركاء الناس فيما سوى ذلك من الابواب ، وحديث دخول قوم الجنة بغير حساب رواه البخاري ومسلم من طرق عن النبي صلى الله عليه وسلم في بعضها ، يدخل من امتي الجنة سبعون الفا بغير حساب فقال رجل يا رسول الله ادع الله ان يجعلني منهم فقال اللهم اجعله منهم ، والرجل عكاشة ، وفي حديث آخر ، قالوا من هم يا رسول الله قال هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون ولا يكتون وعلى ربهم يتوكلون ، وفي حديث آخر ، عرضت على الامم فرأيت النبي ومعه الرهط والنبي ومعه الرجل والرجلان والنبي ليس معه أحد ورفع لي سواد عظيم وتبئت انهم امتي فقيل لي هذا موسى عليه السلام وقومه ولكن انظر الى الافق فنظرت فاذا هو سواد عظيم فقيل لي انظر الى الافق الآخر فنظرت فاذا سواد عظيم فقيل لي هذه أمتك ومعهم سبعون الفا يدخلون الجنة بغير حساب ولا عذاب ، وفي حديث آخر ، وهؤلاء سبعون الفا قدامهم لاحتساب عليهم ولا عذاب ، وفي حديث آخر ، يدخل من امتي زمرة هم سبعون الفا يضيء وجوههم اضائة القمر ليلة البدر ، وهذه الاحاديث كلها في الصحيح ، وفي حديث آخر في الصحيح ، لا يدخل اولهم حتى يدخل آخرهم ، وهو اشارة الى سعة باب الجنة وسيأتي التصريح به وقوله اولهم وآخرهم اما ان يراد به في الدنيا وان المتقدم في الزمان والمتأخر

يدخلون دفعة واحدة واما ان تكون كناية عن سرعة تعاقبهم فانهم يدخلون متماسكين والافستحيل ان يكون لهم اول وآخر في الدخول ولا يدخل اولهم قبل آخرهم حقيقة ، اذا عرفت ذلك فلا شك ان زمرة تدخل الجنة بغير حساب وهم بالصفة المذكورة في الحديث وقد دخل فيهم عكاشة رضى الله عنه بدعوة النبي صلى الله عليه وسلم والظاهر ان كل من حصلت له الصفة المذكورة في الحديث استحق هذا الجزاء لكن دخولهم الجنة متوقف على شفاعته النبي صلى الله عليه وسلم فاذا شفع اذن الله له بادخالهم من الباب الايمن كما هو ظاهر الحديث فانه جعل كونهم لاحساب عليهم وصفا ثابتا لهم ، ويحتمل ان ذلك الجزاء انما يستحقونه بشرط الشفاعه وان اشتهلوا على الصفات المذكورة لكن لم يدل دليل على هذا ، واعنى بالحديث المذكور قوله تعالى ادخل الجنة من لاحساب عليه .

واما ان شخصا لا يتصف بالصفة المذكورة في الحديث ويكون ممن يستحق الحساب فهل يشفع فيه حتى يدخل الجنة بغير حساب اولا لفظ الحديث لا يدل على ذلك بنى ولا اثبات وظاهر قوله سيمون الفا انهم لا يزيدون على ذلك وانهم كلهم بالصفة المذكورة وهل من الامم السابقة من غير الانبياء من يدخل الجنة بغير حساب لم يرد فيه شئ بنى ولا اثبات ، وقال ابو طالب عقيل بن عطية رحمه الله الظاهر ان فيهم من هو كذلك .

قلت وعلى كل من التقادير المقروضة فالخصوصية ثابتة لنا صلى الله عليه وسلم في ادخال اول زمرة من امته الجنة بشفاعته فان شفاعته المذكورة تكون في اول مقام الشفاعه قبل ان تجعل الشفاعه لغيره

وترتب

و يترتب عليها الاذن في ادخال الزمرة المذكورة وهي اول من يدخل الجنة كما سيأتي، وهذا المعنى لا يشاركه احد فيه سواء كان في الامم المتقدمة من يدخل بغير حساب ويحتاج الى شفاعته نبيه اولاً وحينئذ تكون العبارة المحررة عن هذه الشفاعات انها شفاعات في استفتاح الجنة وادخال اول زمرة بدخلها وهي في الرتبة الثانية من الشفاعات العظمى التي لفصل القضاء والاراحة من طول الوقوف في ذلك المكان، وعبارة القاضي عياض ومن تابعه تقتضي اثبات شفاعته في اسقاط الحساب وهو من الامور الجائزة عقلاً فان ورد به سمع اتبع، والقاضي عياض وغيره لما ذكروا ذلك اشاروا الى الحديث المذكور وقدينا ما يقتضيه وسنذكر في بعض احاديث الشفاعات سؤال المؤمنين لآدم عليه السلام في استفتاح الجنة وتكلم على كون السؤال مرتين أو مرة .

وعلى كل تقدير فالشفاعة في استفتاح الجنة متأخر بالرتبة عن الشفاعات في فصل القضاء فيصلح عدد شفاعات ثانية وكلاهما خاص بالنبي صلى الله عليه وسلم بغير شك ومن تأمل الاحاديث التي سنذكرها عرف ان اول فصل القضاء يميز الامم والامر بان تتبع كل امة ما كانت تعبد الى ان لا يبق الا المؤمنون فيدخلون الجنة زمراً وجميع ذلك والله اعلم يعطاه النبي صلى الله عليه وسلم في اول مرة اذا رفع رأسه من السجود وشفع وقيل له ادخل الجنة من لاحتساب عليه من امتك من الباب الايمن وهم شركاء الناس فيما سوى ذلك من الابواب، وقوله وهم يعود على الامة فاما ان يحمل على من لا يدخل الجنة او على الجميع ويكون ذلك بشرى للنبي صلى الله عليه وسلم بدخولهم الجنة وان تأخر بعضهم، ثم السجودات الباقية لاجرا المذنبين

من النار ، ولعل السبعين الفا يدخلون بغير عرض فان ظاهر الحديث يقتضى انه لاحساب عليهم اصلا ومن يحاسب حسابا يسيرا خارج عنهم والحساب اليسير هو العرض كما جاء تفسيره فى الحديث الصحيح وكلا القسمين لا يعذب ومن نوقش الحساب عذب .

الشفاعة الثالثة ، الشفاعة لقوم استوجبوا النار فيشفع فيهم نبينا صلى الله عليه وسلم ومن يشاء الله هكذا ذكره القاضى عياض و اشار بذلك الى ما سنذكره فى حديث ابى سعيد من قوله ثم يضرب الجسر على جهنم وتحل الشفاعة فيقولون اللهم سلم سلم و ظاهر هذا انها شفاعة تحل بعد وضع الصراط بعد الشفاعتين الاوليين وانها فى اجازة الصراط ويلزم من ذات النجاة من النار ولم يرد تصريح بذلك ولا بكونها محصة او غير محصة لكن سيأتى فى الاحاديث ان النبي صلى الله عليه وسلم يكون فى ذلك اليوم امام النبيين وصاحب شفاعتهم فكل ما يقع من شفاعتهم ينسب اليه بذلك فلا يخرج شىء عن شفاعته لامن انواع الشفاعة ولامن الاشخاص المشفوع فيهم من ملته ومن غير ملته لانه اذا كان صاحب شفاعة الانبياء والكل تحت لوائه فكل من شفّعوا فيه فبسيبه صلى الله عليه وسلم تقدموا للشفاعة فيه واجابة شفاعتهم اجابة له صلى الله عليه وسلم فكل من يقع شفاعة النبيين فيه داخل تحت شفاعة نبينا صلى الله عليه وسلم ومن شفّع فيه المؤمنون كذلك بطريق الاولى فهو صلى الله عليه وسلم شفيع الشفعاء .

الشفاعة الرابعة فيمن دخل النار من المذنبين ، وقد جاءت الاحاديث الصحيحة باخر اجهم من النار بشفاعة نبينا صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء والملائكة واخواتهم من المؤمنين ، ثم يخرج الله تعالى

كل من قال لا اله الا الله كما جاء في الحديث ولا يبق فيها الا الكافرون، وهذه الشفاعة والشفاعة الاولى العظمى تواترت الاحاديث بهما واختصاص النبي صلى الله عليه وسلم بالعظمى كما سبق، واما هذه فقد جاء فيها شفاعته الملائكة والانبياء والمؤمنين وان الله تعالى بعد ذلك يخرج برحمته من قال لا اله الا الله وفيه اقوال ستذكرها احسنها انه من قال من غير هذه الامة لا اله الا الله ولم يشمله شفاعته انبيائهم وغيرهم من الشافعين اما هذه الامة فكلها يخرج بشفاعة النبي صلى الله عليه وسلم وان وقع في بعضهم شفاعته لآخوانهم من المؤمنين فهي في طي شفاعته النبي صلى الله عليه وسلم لما اشرنا اليه فيما سبق، واذا ثبت ذلك فاختصاصه صلى الله عليه وسلم من هذا النوع باخراج عموم امته حتى لا يبق منهم أحد وهذا هو الموافق لعموم قوله صلى الله عليه وسلم شفاعتي لاهل الكبار من امتي وقوله صلى الله عليه وسلم لكل نبي دعوة مستجابة فمجل كل نبي دعوته واني اختبأت دعوتي شفاعته لامتى يوم القيامة فهي نائلة ان شاء الله تعالى من مات من امتى لا يشرك بالله شيئا رواه مسلم من طرق وروى البخارى طرفا منه .

وقوله صلى الله عليه وسلم انا اناى آت من عند ربى عزوجل فخيرنى بين ان يدخل الجنة نصف امتى او بين الشفاعة فاخترت الشفاعة وهى لمن مات لا يشرك بالله شيئا رواه الترمذى، وقوله صلى الله عليه وسلم خيرت بين الشفاعة وبين ان يدخل نصف امتى الجنة فاخترت الشفاعة لانها اعم واكثر ترونها للمؤمنين المتقين لا والكنها للذين الخطائين المتلوثين رواه ابن ماجه .

فهذه العمومات بها متظافرة على شفاعته لكل الامة وكذلك

قوله بين يدي الله تعالى يوم القيامة أمتي أمتي وهي دعوة يتحقق استجابتها. وقد قال العلماء في قوله لكل نبي دعوة مستجابة انه على يقين من اجابتها وباقي دعواته يرجوها فقد ظهر بهذا اختصاصه صلى الله عليه وسلم بعموم هذه الشفاعة لكل امته .

الشفاعة الخامسة في زيادة الدرجات في الجنة لاهلها ذكرها القاضي عياض وغيره ولا ينكرها المعتزلة ايضا ولم اجد في الاحاديث تصريحاً بها لكن عبد الجليل القصري في كتاب شعب الايمان له ذكر في تفسير الوسيلة التي اختص بها النبي صلى الله عليه وسلم انها التوسل وان النبي صلى الله عليه وسلم يكون في الجنة بمنزلة الوزير من الملك بغير تمثيل لا يصل الى احد شيء الا بواسطة صلى الله عليه وسلم واذا كان كذلك فهذه ايضا خاصة به هذا تفصيل الشفاعات الخمس. ومن تأملها وعرف عموم شفاعته النبي صلى الله عليه وسلم لها واختصاصه بما اختص منها وامن النظر في ذلك عرف على قدر رتبته هذا النبي الكريم صلى الله عليه وسلم وكلما امن في ذلك ازداد اعتقاداً وهو كما قال القائل

يزيدك وجهه حسنا اذا ما زدته نظرا

وقد رأيت ان لا اخلي هذا الكتاب من احاديث الشفاعة على سبيل الاختصار، فمن ذلك ما رواه البخاري ومسلم رحمهما الله تعالى في صحيحهما من حديث ابي هريرة رضى الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اتاسيد الناس يوم القيامة وهل تدرون بم ذاك يجمع الله الاولين والآخرين في صعيد واحد فيسمعهم الداعي وينفذهم البصر وتدنو الشمس فيبلغ الناس من الغم والكرب ما لا يطبقون وما لا يحتملون فيقول بعض الناس لبعض الاترون ما اتم فيه

الا

الأترون ما قد بلغكم ألا تنظرون الى من يشفعكم الى ربكم فيقول
 بعض الناس لبعض ايتوا آدم فيأتون آدم فيقولون يا آدم انت ابونا
 انت ابو البشر خلقك الله يده وتفتح فيك من روحه وأمر الملائكة
 فسجدوا لك اشفع لنا الى ربك ألا ترى ما نحن فيه ألا ترى ما قد
 بلغنا فيقول آدم ان ربي غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن
 يغضب بعده مثله وانه نهاني عن الشجرة نفسي نفسي اذهبوا الى
 غيري اذهبوا الى نوح فيأتون نوحا فيقولون يا نوح انت اول الرسل
 الى اهل الارض وسماك الله عبدا شكورا اشفع لنا الى ربك
 ألا ترى ما قد بلغنا فيقول لهم ان ربي غضب اليوم غضبا لم يغضب
 قبله مثله ولن يغضب بعده مثله وانه قد كانت لي دعوة دعوت بها
 على قومي نفسي نفسي اذهبوا الى ابراهيم فيأتون ابراهيم فيقولون
 انت نبي الله وخليفه من اهل الارض اشفع لنا الى ربك ألا ترى ما نحن
 فيه ألا ترى ما قد بلغنا فيقول لهم ابراهيم ان ربي قد غضب غضبا لم
 يغضب قبله مثله ولا يغضب بعده مثله نفسي نفسي اذهبوا الى موسى
 فيأتون موسى فيقولون يا موسى انت رسول الله فضلك الله برسالاته
 وتكليمه على الناس اشفع لنا الى ربك ألا ترى الى ما نحن فيه ألا ترى
 الى ما قد بلغنا فيقول لهم موسى ان ربي قد غضب اليوم غضبا لم
 يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله واني قتلت نفسا لم أومر بقتلها
 نفسي نفسي اذهبوا الى عيسى فيأتون عيسى فيقولون يا عيسى انت
 رسول الله وكلمت الناس في المهد وكلمة منه القاها الى مريم وروح
 منه فاشفع لنا الى ربك ألا ترى ما نحن فيه ألا ترى ما قد بلغنا فيقول
 لهم عيسى ان ربي قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولا يغضب

بعده مثله ولم يذكر له ذنبا نفسى نفسى اذهبوا الى غيرى اذهبوا الى محمد فيأتونى فيقولون يا محمد انت رسول الله خاتم الانبياء و غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر اشفع لنا الى ربك ألا ترى ما نحن فيه ألا ترى الى ما قد بلغنا فانطلق فأتى تحت العرش فأقع ساجدا لربى ثم يفتح الله على ويلهمنى من محامده وحسن الثناء عليه شيئا لم يفتحه لاحد قبلى ثم يقال يا محمد ارفع رأسك سل تعطه اشفع تشفع فارفع رأسى فاقول يارب امتى امتى فيقال يا محمد ادخل من امتك من لاحتساب عليه من الباب الايمن من ابواب الجنة وهم شركاء الناس فيما سوى ذلك من الابواب والذى نفس محمد بيده انت ما بين المصرا عين من مصاريع الجنة لكما بين مكة وهجرا وكما بين مكة وبصرى .

هذا لفظ مسلم و ذكره البخارى فى مواضع مقطعا و ذكره بطوله فى سورة بنى اسرائيل و ذكر فيه من قول آدم و من دونه من الانبياء عليهم الصلاة والسلام نفسى نفسى نفسى ذكرها ثلاثا و قال امتى يارب امتى يارب امتى يارب .

و روى البخارى و مسلم ايضا عن انس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا كان يوم القيامة ماج الناس بعضهم الى بعض فيأتون آدم فيقولون له اشفع لذرئتك فيقول لست لها ولكن عليكم بابراهيم فانه خليل الله فيأتون ابراهيم فيقول لست لها ولكن عليكم بموسى فانه كلم الله تعالى فيؤتى موسى فيقول لست لها ولكن عليكم بعيسى فانه روح الله و كلمته فيأتون عيسى فيقول لست لها ولكن عليكم بمحمد قال صلى الله عليه وسلم فيأتونى فاقول انا لها فانطلق فاستاذن على ربى فيؤذن لى فاقوم بين يديه فاحمده بمحامد لا اقدر عليها الآن يلهمنيها الله ثم أخرله ساجدا فيقال

فيقال لي يا محمد ارفع رأسك وقل يسمع لك وقل تعطه واشفع تشفع
 فاقول امي امي فيقال لي انطلق فمن كان في قلبه مثقال حبة من بر او شعبة
 من ايمان فاخرجه منها فانطلق فافعل ثم ارجع الى ربي فاحمده بتلك
 المحامد ثم احره واحد ويمال لي يا محمد ارفع رأسك وقل يسمع
 لك وقل تعطه واشفع تشفع فاقول يارب امي امي فيقال لي انطلق
 فمن كان في قلبه مثقال حبة من خردل من ايمان فاخرجه منها فانطلق فافعل
 ثم اعود الى ربي فاحمده بتلك المحامد ثم اخره ساجدا فيقال لي يا محمد
 ارفع رأسك وقل يسمع لك وقل تعطه واشفع تشفع فاقول يارب
 امي امي فيقال لي انطلق فمن كان في قلبه ادنى ادنى من مثقال حبة
 من خردل من ايمان فاخرجه من النار فانطلق فافعل ثم ارجع الى ربي
 في الرابعة فاحمده بتلك المحامد ثم اخره ساجدا فيقال لي يا محمد ارفع
 رأسك وقل يسمع لك وقل تعطه واشفع تشفع فاقول يارب اذن
 لي فيمن قال لا اله الا الله قال ليس ذلك لك، او قال: ليس ذلك اليك
 ولكن وعزتي وكبريائي وعظمتي وجبريائي لا اخرجن من قال لا اله
 الا الله، هذا لفظ مسلم.

وقال البخاري في الاول مثقال شعيرة من ايمان وفي الثانية مثقال
 ذرة وخردلة من ايمان وفي الثالثة ادنى ادنى مثقال حبة من خردلة
 من ايمان فاخرجه من النار من النار فانطلق فافعل ولم يقل
 فيه ليس ذلك اليك، قال وعزتي وجلالي وكبريائي وعظمتي لا اخرجن
 منها من قال لا اله الا الله، وخرج البخاري ومسلم حديث انس
 من طريق آخر وفيه ذكر نوح بعد آدم كما في حديث ابي هريرة
 وفيه من قول عيسى إئتوا محمدا صلى الله عليه وسلم عبد قد غفر له ما تقدم

من ذنبه وما تأخر، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيأتوني فاستاذن على ربي فيؤذن لي فإذا أنا رأيته وقعت ساجدا فيد عني ما شاء الله فيقال يا محمد ارفع رأسك وقل يسمع لك وسل تعطه واشفع تشفع فارفع رأسى فاحمد ربي بتحميد يعلنيه ثم اشفع فيحدي حدا فاخرجهم من النار وادخلهم الجنة ثم اعود فأقع ساجدا، وفيه في الثالثة او الرابعة فأقول يارب ما بقى في النار الا من حبسه القرآن اى وجب عليه الخلود هكذا في رواية، وفي رواية عند البخارى قال في الرابعة ثم ارجع فأقول يارب ما بقى في النار الا من حبسه القرآن ووجب عليه الخلود. وفي البخارى في رواية ذكر الشفاعة ثلاث مرات وفيه في الثلاث فاستاذن على ربي في داره فيؤذن لي عليه، وفيه ثم تلا هذه الآية (عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا) قال هذا المقام المحمود الذى وعده نبيكم صلى الله عليه وسلم وفي رواية عند مسلم عن انس ان نبى الله صلى الله عليه وسلم قال يجمع الله المؤمنين يوم القيامة فيلهمون لذلك يقولون لو استشفعنا على ربنا وفي مسند أبى عوانة عن حذيفة بن اليمان عن أبى بكر الصديق رضى الله عنهم قال اصبح رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فصى الغداة ثم جلس حتى اذا كان من الضحى ضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم جلس مكانه حتى صلى الاولى والعصر والمغرب كل ذلك لا يتكلم حتى صلى العشاء الآخرة ثم قام الى اهله فقال الناس لابى بكر سل رسول الله صلى الله عليه وسلم ما شأنه صنع اليوم شيئا لم يصنعه قط فسأله فقال نعم عرض على ما هو كائن من أمر الدنيا وأمر الآخرة فجمع الاولون والآخرين في صعيد واحد فقزع الناس لذلك حتى انطلقوا الى آدم والعرق كاد يلجمهم فقالوا يا آدم انت ابوالبشر وانت اصطفاك الله اشفع

لنا الى ربك قال قد لقيت مثل الذى لقيتم انطلقوا الى ابيكم بعد ابيكم
انطلقوا الى بوح و ذكر الحديث قريبا من رواية انس الى ان انتهى الى
عيسى قال ليس ذاكم عندي ولكن انطلقوا الى سيد ولد آدم وفيه
قال فينطلق فيأتى جبرئيل فيقول الله له ائذن له . بشره بالجنة قال فينطلق
به جبرئيل فيخر ساجدا قدر جمعة ثم يقول الله يا محمد ارفع رأسك وقل
يسمع واشفع تشفع قال فيرفع رأسه فاذا نظر الى ربه خر ساجدا
قدر جمعة اخرى فيقول الله يا محمد ارفع رأسك وقل يسمع واشفع
تشفع قال فيذهب ليقع ساجدا فيأخذ جبرئيل عليه السلام بضبعيه فيفتح الله
عليه من الدعاء شيئا لم يفتح على بشر قط قال فيقول اى رب جعلتني سيد
ولد آدم ولا فخر واول من تشق عنه الارض يوم القيامة ولا فخر
حتى انه ايرد على الخوض اكثر مما بين صنعاء وابلة .

وهذا الحديث يشير الى أمر عظيم بارأى النبي صلى الله عليه وسلم
وأعله في ذلك اليوم لا يحيط به الا الله تعالى ومن أعلاه اياه وان
ما اشتمل عليه حديث انس وابى هريرة رضى الله عنه وغيرها من
التفاصيل جزء يسير مما عله النبي صلى الله عليه وسلم ومن احوال يوم
القيامة اعانتا الله تعالى عليه والظاهر ان هذه السجدة الاولى المذكورة
في هذه الرواية لم تذكر في حديث انس وابى هريرة ويكون المراد في
حديث انس وابى هريرة ان النبي صلى الله عليه وسلم يقوم في مقام
الشفاعة اربع مرات والمذكور هنا تفصيل المرة الاولى منها . وجاءت
أحاديث أخر فيها بعض احوال يوم القيامة ايضا . منها حديث عن
حنيفة بن اليمان وابى هريرة رضى الله عنهم قال قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم يجمع الله الناس فيقوم المؤمنون حتى ترتفع لهم الجنة

فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ يَا أَبَانَا اسْتَفْتَحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُولُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ أَذْهَبُوا إِلَى ابْنِي إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللَّهِ قَالَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ أَعْمِدُوا إِلَى مُوسَى الَّذِي كُلُّهُ تَكَلَّمُوا فَيَأْتُونَ مُوسَى فَيَقُولُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ أَذْهَبُوا إِلَى عِيسَى كُلَّةِ اللَّهِ وَرُوحِهِ فَيَقُولُ عِيسَى لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَلِكَ فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُومُ فَيُؤْذِنُ لَهُ وَيُرْسِلُ الْأَمَانَةَ وَالرَّحْمَ فَيَقُومَانِ جَنَّتِي الصِّرَاطُ يَمِينًا وَشِمَالًا فَيَمُرُّ أَوْلَاكُمْ كَالْبَرْقِ الْخَاطِفِ ثُمَّ كَمَرُ الرِّيحِ ثُمَّ كَمَرُ الطَّيْرِ وَشَدُّ الرِّجَالِ تَجْرِي بِهِمْ أَعْمَالُهُمْ وَنَيْكَمٌ قَائِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُولُ يَا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتَّى تَعْجُزَ أَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتَّى يَجِيءَ الرَّجُلُ فَلَا يَسْتَطِيعُ السَّيْرَ الْأَزْحَفَا قَالَ وَفِي حَافَتِي الصِّرَاطِ كَلَالِبٌ مَعْلُوقَةٌ بِأُمُورَةٍ بِأَخْذٍ مِنْ أَمْرَتٍ بِهِ فَمُخْدُوشٌ نَاجٍ وَمَكْرُوسٌ فِي النَّارِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ .

وَأَنْفَرْدُ بِقَوْلِهِ يَقُومُ الْمُؤْمِنُونَ حِينَ تَزْلَفُ لَهُمُ الْجَنَّةُ وَبِذِكْرِ الْأَمَانَةِ وَالرَّحْمِ وَقِيَامِهَا جَنَّتِي الصِّرَاطِ وَبِذِكْرِ قِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الصِّرَاطِ وَبَقِيَّةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ مِنْ طَرُقٍ أُخْرَى وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي حَدِيثِ الرُّؤْيَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أَذِنَ مُؤَذِّنٌ لِيَتَّبِعَ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ فَلَا يَبْقَى أَحَدٌ كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَ اللَّهِ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْصَابِ الْإِبْتِسَاقُوتُونَ فِي النَّارِ حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ الْأَمِنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ وَغَيْرِ أَهْلِ الْكِتَابِ فَيَدْعَى الْيَهُودَ فَيَقَالُ لَهُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ قَالُوا كُنَّا نَعْبُدُ عَزِيرَ بْنِ اللَّهِ فَيَقَالُ لَهُمْ كَذَبْتُمْ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَلَا وَلَدٍ فَمَاذَا تَبْغُونَ قَالُوا عَطِشْنَا يَا رَبَّنَا فَاسْقِنَا فَيُشَارُ إِلَيْهِمْ أَلَّا تَرُدُّونَ فَيُحْشَرُونَ إِلَى النَّارِ فَيَتَسَاقُوتُونَ فِي النَّارِ ثُمَّ يَدْعَى النَّصَارَى فَيَقَالُ لَهُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ قَالُوا الْمَسِيحُ بْنُ اللَّهِ فَيَقَالُ لَهُمْ

كَذَبْتُمْ (۲۸)

كذبتم ما اتخذ الله من صاحبة ولا ولد فيقال لهم ما تبغون فيقولون عطشنا
 ياربنا فاسقنا قال فيشار اليهم الا تردون فيحشرون الى جهنم فيتساقطون
 فيها حتى اذا لم يبق الا من كان يعبد الله من بروفاء جرأتهم رب العالمين.
 وفيه فيكشف عن ساق فلا يبقى من كان يسجد لله من تلقاء نفسه
 الا اذن الله له بالسجود ولا يبقى من كان يسجد اتقاء ورياء الا جعل الله
 ظهره طبقة واحدة كلما اراد أن يسجد خر على قفاه ثم يضرب الجسر
 على جهنم وتحمل الشفاعة ويقولون اللهم سلم سلم، قيل وما الجسر
 يا رسول الله قال دحض مزلة فيه خطاطيف وكلاليب وحسكة فيمر
 المؤمنون كطرف العين وكالبرق وكالريح وكالطير وكأجاويد الخيل
 والركاب فجاج مسلم ومخدوش مرسل ومكدوس في النار حتى اذا خلص
 المؤمنون من النار هو الذي تقى يده ما من أحد منكم بأشد مناشدة لله
 في استيفاء الحق من المؤمنين بعد يوم القيامة لاخوانهم الذين في النار
 فيقولون ربنا كانوا يهومون معنا ويصلون ويحجون فيقال لهم اخرجوا
 من عرقم فيحرم صورهم على النار فيخرجون خلقا كثيرا قد اخذت
 النار الى نصف ساقه والى ركبتيه فيقولون ربنا ما بقي فيها أحد ممن
 أمرتنا به فيقول ارجعوا فمن وجدتم في قلبه مثقال دينار من خير
 فاخرجوه فيخرجون خلقا كثيرا ثم يقول ارجعوا فمن وجدتم في قلبه
 مثقال نصف دينار من خير فاخرجوه فيخرجون خلقا كثيرا ثم يقول
 ارجعوا فمن وجدتم في قلبه مثقال ذرة من خير فاخرجوه فيخرجون
 خلقا كثيرا ثم يقولون ربنا لم نذر فيها خيرا فيقول الله عز وجل شفعت
 الملائكة وشفع النيون وشفع المؤمنون ولم يبق الا ارحم الراحمين
 فيقبض قبضة من النار فيخرج قوما لم يعملوا خيرا قط قد عادوا احما فيلقبهم

فی نهر الحیاة فیخرجون کالذلول فی رقابهم الخواتیم یعرفهم أهل الجنة یقولون هؤلاء عتقاء الله الذین ادخلهم الجنة بغير عمل عملوه ولاخیر قدموه ثم یقول ادخلوا الجنة فاریتموه فهو لکم فیقولون ربنا اعطینا ما لم تعط أحدا من العالمین فیقول لکم عندی أفضل من هذا فیقولون یا ربنا رای شیء افضل من هذا فیقول رضائی فلا أسخط علیکم ابدا، قال ابو سعید الخدری بلغنی ان الجسر ادق من الشعر واحد من السیف، لفظ مسلم ولبخاری قریبا منه .

وقال دینار من ایمان و نصف دینار من الايمان و ذرة من ایمان و فی البخاری من حدیث ابی هريرة فی الروایة عن النبی صلی الله علیه وسلم یجمع الله الناس فیقال من کان یعبد شیئا فلیعبه و فی آخره فیضرب الصراط بین ظهري جهنم . قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فاكون و امتی اول من یحیز و لا یتکلم یومئذ الا الرسل و دعوی الرسل یومئذ اللهم سلم سلم . قوله یحیز یقال جاز و اجاز لقتان، و قوله ذرة بفتح الذال المعجمة و تشبید لراء و من قال خلاف ذلك فقد صحف و قال بعضهم فی هذه الاحادیث ان المعانی التي فی الدنیا تظهر یوم القيامة للحس و العیان فذاک تشاهد الانبیاء و المؤمنون ما فی القلوب علی هذه الاوزان المخصوصة و جعل قول ابی سعید فی الصراط انه أدق من الشعر واحد من السیف راجعا الی صعوبة الاستقامة علی الصراط فی الدنیا و ان الکلايب و الحسک التي حوله هی الاغراض و الاهواء التي فی الدنیا و قوله تحمل الشفاعة قیل هو من الحل تقيض الحرمة ان یؤذن فیها و قیل من الحلول ای تحصل و تقع .

و فی البخاری حرم الله علی النار ان تأکل اثر السجود و اختاف

فی

فی تفسیره ، والصحیح ان المراد بها دارات الوجوه کما ورد
مصرحاً به .

وعن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا اول الناس
خروجاً اذا بعثوا وانا خطيهم اذا وفدوا وانا مبشرهم اذا يسئوالوا
الحمد يدي وانا اكرم ولد آدم على ربي ولا نخر، رواه الترمذی
وقال حسن .

وعن ابی بن کعب عن النبی صلى الله عليه وسلم قال اذا کان
یوم القيامة کنت امام النیین وخطيهم وصاحب شفاعتهم من غیر نخر.
رواه الترمذی وقال حسن ، وعن ابی سعید قال قال رسول الله صلى الله
وسلم انا سید ولد آدم یوم القيامة ویدی لواء الحمد ولا نخر وما من
نبی یومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائی رواه الترمذی وقال حسن .
وعن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی صلى الله عليه وسلم
قال انا حبيب الله ولا نخر، وانا حامل لواء الحمد یوم القيامة ولا نخر، وانا
اول شافع واول مشفع یوم القيامة ولا نخر، واول من یحرك حلق
الجنة فیفتح الله لی فیدخلنیها ومعی قدام المؤمنین ولا نخر، وانا اكرم
الاولین والآخرین ولا نخر، رواه الترمذی .

وعن أنس بن مالك رضی الله عنه قال سألت النبی صلى الله عليه
وسلم ان یشفع لی یوم القيامة فقال انا فاعل قال قلت یا رسول الله فان
اطلبك قال اطلبنی اول ما تطلبنی علی الصراط ، قال قلت فان لم القك
علی الصراط قال فاطلبنی عند المیزان قلت فان لم القك عند المیزان
قال فاطلبنی عند الحوض ، فانی لا اخطئ هذه الثلاث المواطن ، رواه
الترمذی وقال حسن غریب .

وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قلت یا رسول اللہ من اسعد الناس بشفاعتك يوم القيامة قال لقد ظننت يا ابا هريرة ان لا يسألني عن هذا الحديث احد اولى منك لما رأيت من حرصك على الحديث ان اسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال لا اله الا الله خالصا من قبل نفسه ، رواه البخاری .

وعن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخلص المؤمنون من النار فیحبسون علی قنطرة بین الجنة والنار فیقتص لبعضہم من بعض مظالم كانت بینہم فی الدنیا حتی اذا ہذبوا ونقوا اذن لهم فی دخول الجنة انقردہ البخاری .

وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینخرج من النار من قال لا اله الا الله وكان فی قلبہ من الخیر ما یزن شعیرۃ ثم ینخرج من النار من قال لا اله الا الله وكان فی قلبہ من الخیر ما یزن برۃ ثم ینخرج من النار من قال لا اله الا الله وكان فی قلبہ من الخیر ما یزن ذرۃ متفق علیہ زاد البخاری بعد ذکر هذا الحديث قال ابان ثناء قتادة ثناء انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ایمان مکان خیر وترجم علیہ باب زیادة الايمان ونقصانہ .

وعن انس رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا کان يوم القيمة شفعت ققلت یارب ادخل الجنة من فی قلبہ خردلة فیدخلون ثم اقول ادخل الجنة من کان فی قلبہ ادنی شیء رواه البخاری .

وعن جابر رضی اللہ عنہ قال هل سمعت بمقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم فانه مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم المحمود الذی ینخرج اللہ بہ من .

من يخرج .

وعن عمران بن حصين رضى الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يخرج قوم من النار بشفاعه محمد فيدخلون الجنة رواه البخارى فى باب صفة الجنة والنار . وعن ائس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا اول الناس يشفع فى الجنة وانا اكثر الانبياء تبعا رواه مسلم .

وعن جابر بن عبدالله رضى الله عنهما قال نحن يوم القيمة على تل مشرفين على الخلق ، ذكره عبد الحق وهو فى مسلم لكنه وقع فيه اشكال لعله على بعض الرواة فاسقط اللفظ المذكور حتى صار لا يفهم معناه وقال على كذا .

وعن ابن عمر قال فیرقى هو یعنی محمداً صلى الله عليه وسلم وأمه على كرم فوق الناس وقد ورد مینا من طرق منها عن كعب بن مالك رواه احمد فى مسنده انا الامام الحافظ ابو محمد مسعود بن احمد بن مسعود الحارثى رحمه الله قراءة عليه وانا اسمع قال اخبرنا ابو الفرح عبد اللطيف بن عبد المنعم الحارثى قراءة عليه وانا اسمع قال انا ابو محمد عبدالله بن احمد بن ابى المجد الحربى انا هبة الله بن عبد الواحد بن الحصين انا ابو على الحسن بن على بن محمد المذهب انا ابو بكر احمد بن جعفر بن حمدان بن مالك القطيعى ثنا عبدالله بن احمد بن حنبل قال حدثنى ابى ثناء يزيد بن عبد الرب قال حدثنى محمد بن حرب ثنا الزيدى عن الزهرى عن عبد الرحمن بن عبدالله بن كعب بن مالك عن كعب بن مالك رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يبعث الناس يوم القيامة فاكون انا وأمتى على تل ويكسونى ربى حلة خضراء ثم يؤذن لى فأقول ما شاء الله أن أقول فذلك المقام المحمود . وفى مسلم

بقية الحديث عن جابر يعطى كل انسان منهم مناق نوراً و على
جسر جهنم كلاليب و -سك تأخذ من شاء الله ثم يطفى نور المنافقين
ثم ينجو المؤمنون فينجو اول زمرة وجوهمهم كالقمر ليلة البدر سبعون
ألفاً لا يحاسبون .

و فى البخارى عن ابن عمر رضى الله عنهما اذا كان يوم القيامة
كان الناس جثا تتبع كل امة نبيها يا فلان اشفع يا فلان اشفع حتى
يتهى الى النبي صلى الله عليه وسلم والاحاديث فى الشفاعة كثيرة
و مجموعها يبلغ مبلغ التواتر ، واعنى بالتواتر هنا ما اشتركت فيه الروايات
من الشفاعة لا لفظاً واحداً منها بخصوصه ، وهذا النوع من التواتر
فى السنة كثير ، واما التواتر فى لفظ حديث مخصوص فعزيز وقد تضمنت
هذه الاحاديث من المناقب الشريفة والمآثر الجليلة والفوائد الجمّة
مالا يسه هذا المكان ولكننا نشير الى شىء منه على سبيل الاختصار
اما قوله فى اوله يجمع الله الناس .

و فى رواية اخرى يجمع المؤمنون ، فيه اشارة الى ان الذى
يتوجه الى الانبياء ويخاطبهم بسؤال الشفاعة هم المؤمنون وان كان الغم
والكرب قد عم جميع الناس من الكفار والمؤمنين الاولين والآخرين ،
واختصاص المؤمنين بسؤال الانبياء مناسب لامرين ، احدهما ، ما لهم
من الصلة بهم بالايمان ، والثانى انه يحصل لهم باراحتهم من ذلك المكان
خير والكفار يتقلون الى ما هو اشد عليهم فهذه للشفاعة المعطى
وان ترتب عليها فصل القضاء لعموم الناس فليس الكفار مقصودين
بها ، قال تعالى (فأتفهم شفاعة الشافعين) وقال تعالى حكاية عنهم .
(فما لنا من شافعين) وقد قيل ان جميع الناس يسألون مؤمنهم وكافرهم .

نصل

فصل

و فی التجاء الناس الى الانبياء في ذلك اليوم أدل دليل على التوسل بهم في الدنيا والآخرة وان كل مذهب يتوسل الى الله عزوجل بمن هو اقرب اليه منه وهذا لم ينكره احد ، وقد قدمنا طرقا من ذلك في باب الاستغاثة ولا فرق بين ان يسمى ذلك تشفعا او توسلا او استغاثة وليس ذلك من باب تقرب المشركين الى الله تعالى بعبادة غيره فان ذلك كفر ، المستنون اذا توسلوا بالنبي صلى الله عليه وسلم او بغيره من الانبياء والصالحين لم يعبدوهم ولا أخرجهم ذلك عن توحيدهم لله تعالى وانه هو المتفرد بالنفع والضرر واذا جاز ذلك جاز قول القائل اسأل الله تعالى برسوله لانه سائل به تعالى لا لغيره .

فصل

واما الهامهم سؤال آدم ومن بعده صلوات الله تعالى وسلامه عليهم ولم يلهموا في الابتداء سؤال نينا محمد صلى الله عليه وسلم فالحكمة فيه والله تعالى اعلم انهم لو سألوه ابتداء لامكن ان يقول قائل يحتمل ان غيره يقدر على هذا فاما اذا بذلوا الجهد في السؤال والاسترشاد وسألوا غيره من رسل الله تعالى واصفيائه واولى العزم فامتنعوا ولم يألوم جهدا في النصيح والارشاد فانتهاوا اليه واجاب وحصل عرضهم حصل العلم لكل احد بنهاية مرتبته صلى الله عليه وسلم وارتفاع منزلته وكمال قربيه وعظم اجلاله وانه وتفضيله على جميع المخلوقين من الرسل الآدميين والملائكة ، وحق لصاحب هذا المقام ان يكون سيد الامم ، وان يسافر الى زيارته على الرأس لاعلى القدم .

فصل

و اما ما يذكره الانبياء عليهم السلام فبه القاضى عياض رحمه الله تعالى فيه على فائدة جليلة يؤكد القول المختار انهم معصومون من الكبار والصغار فان هذه الاشياء التى ذكروها ، اكل آدم عليه السلام من الشجرة ناسيا ودعوة نوح عليه السلام على قوم كفار و قتل موسى لكافر لم يؤمر بقتله ، و كان ذلك قبل النبوة ، ومدافعة ابراهيم عليه السلام على الكفار يقول عرض به هو فيه صادق من وحه وهذه كلها فى حق غيرهم ليست بذنوب لكنهم اشفقوا منها اذ لم يكن عن امر الله تعالى و عتب على بعضهم فيها لعلوم منزلتهم من معرفة الله تعالى ولو صدر منهم شئ غير ذلك لذكروه فى ذلك المقام فليتأمل الناظر هذه الفائدة وليأخذها بكلتى يديه .

وما اختاره القاضى عياض من عصمتهم من الصغار كعصمتهم من الكبار هو الذى اعتقده وادين الله به وان كان اكثر المتكلمين على خلافه ، ولا يحتمل هذا المكان التطويل بالاستدلال له ، قال القاضى عياض ولا يهول لك ان نسب قوم هذا المذهب الى الخوارج والمعتزلة وطوائف من المبتدعة اذ مزعهم فيه منزع آخر من التكفير بالصغار ونحن تبرأ الى الله تعالى من هذا المذهب .

فصل

واما قوله صلى الله عليه وسلم عقب رفع رأسه يا رب امى امى فظاهره ان اول شفاعته فى امته وفى حديث حذيفة المتقدم انه يقوم وترسل الامانة والرحم فيقومان جنبى الصراط ، ومال القاضى عياض الى ان هذا فى الاول لان هذه الشفاعه هى التى لجأ الناس اليه فيها وهى

الاراحة (۲۹)

الاراحة من الموقف و الفصل بين العباد ثم بعد ذلك حلت الشفاعة في
امه صلى الله عليه وسلم في المذنبين و حلت شفاعة الانبياء و الملائكة و غيرهم
و جاء في الاحاديث المتقدمة اتباع كل امة ما كانت تعبد ثم تميز المؤمنين
من المنافقين ثم حاول الشفاعة و وضع الصراط فيحتمل ان الامر بانواع
الامم ما كانت بعد هو اول الفصل و الاراحة من هول الموقف و هو اول
المقام المحمود و ان الشفاعة التي ذكر حلولا هي الشفاعة في المذنبين
على الصراط و هو ظاهر الاحاديث و انها لتبيننا محمد صلى الله عليه وسلم
و لغيره كما نص عليه في الاحاديث السابقة ثم ذكر بعدها الشفاعة
فيمن دخل النار و بهذا تجمع دون الاحاديث و تترتب معانيها ان شاء
الله تعالى . هذا كلام القاضي رحمه الله و هو ترتيب حسن و ليس فيه
ما يعارض شفاعته صلى الله عليه وسلم لامته عقب رفع رأسه من السجود
في المرة الاولى فانه يحتمل ان يكون ذلك ابتداء فصل القضاء و قد
صح عن النبي صلى الله عليه وسلم ان امته هي المقضى لهم قبل الخلائق
فيكون صلى الله عليه وسلم لما يدنو للشفاعة في فصل القضاء و يؤذن له
في الشفاعة يتدنى بالسؤال لمن يقضى له اولا فيجواب بان يدخل الجنة
من امته من الاحساب عليه هذا في المرة الاولى و يكون اعلامه صلى الله
عليه وسلم بذلك في اول الامر من كمال الاكرام ثم بعد ذلك تبسع
كل امة ما كانت تعبد و يوضع الصراط و يؤذن في الشفاعة للمذنبين
فيشفع النبي صلى الله عليه وسلم و الانبياء و الملائكة في نجاته من يشاء الله
من النار ثم بعد ذلك يدخل اهل الجنة الجنة و اهل النار النار و من
شاء الله تعالى من المذنبين فيقع بعد ذلك الشفاعة في اخراج المذنبين
من النار و لعل سؤال النبي صلى الله عليه وسلم لامته في الثانية و الثالثة

والرابعة حيث و يشفع الانبياء ايضا و الملائكة و المؤمنون في اخوانهم
و يحتمل ان يكون اقتصار النبي صلى الله عليه وسلم على ذكر امته من
كمال الادب مع ربه سبحانه و تعالى فانهم الاخصون به و هو صلى الله
عليه وسلم يعلم انه يحصل في ضمن ذلك ما قصد اليه و لجأ الناس بسببه
من فصل القضاء العام على انه قد ورد في حديث آخر ذكره القاضي
عياض في الشفاء اما ترضون ان يكون ابراهيم و عيسى فيكم يوم القيامة .
ثم قال انها في امتي يوم القيامة اما ابراهيم فيقول انت دعوتني
و ذريتني فاجعلني من امتك . و اما عيسى فالانبياء اخوة بنوعات امهاتهم
شقي و ان عيسى اخي ليس يني و يته نبى و انا اولى الناس به و يحتمل
ان يكون السؤال للانبياء مرتين مرة من جميع الناس في فصل القضاء
ثم مرة من المؤمنين بعد تميزهم في استفتاح الجنة ، و سقط من الحديث
ذكر الشفاعة الاولى و قد ورد هذا مصرحاً به .

روى على بن معبد في كتاب الطاعة و المحبة عن الحبيب بن شريك
عن اسماعيل بن رافع المدني عن عبد الله بن يزيد عن محمد بن كعب
القرظي عن ابي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم حديثاً طويلاً فيه
فترقون في موقف حافة عراة غرلا مقدار اربعين عاماً لا ينظر الله اليكم
ولا يقضى ينكم قبكي الخلاق حتى تنقطع السموع ثم يسمع دما ويرقون
حتى يبلغ منهم الاذان او يلجمهم فيضجون ويقولون من يشفع لنا
الى ربنا فيقضى يتا فيؤتى آدم فيطلب ذلك اليه فيأبى ثم يستقرون
الانبياء نيا نيا كلما جاؤا نيا ابي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم
حتى يأتوني فاذا جاؤني انطلقت فاخر قدام العرش لرى ساجدا حتى
يمت الله الى ملكا فياخذ بعضدى فيرفنى فيقول لي حين يرفنى الملك
ما شانك

ما شانك يا محمد وهو اعلم فاقول يا رب وعدتني الشفاعة فشفني في
 خلقك فاقض بينهم فيقول الله تعالى قد شفعتك انا آتيكم فاقض بينكم
 قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فارجع فاقف مع الناس فينا نحن
 وقوف اذ سمعنا حاشديدا من السماء فها لنا فزل اهل سماء الدنيا
 مثلى من فيها من الانس والجن ثم يزلون على قدر ذلك من التضعيف
 ثم يضع عرشه حيث شاء من الارض ثم يقول وعزتي وجلالي
 لا يجاورني اليوم احد بظلم وفيه ثم يقضى الله عز وجل بين خلقه كلهم
 الا الثقلين الجن والانس ثم يقضى بين الثقلين فيكون اول ما يقضى
 فيه الدماء .

وفيه بعد ذلك حتى اذا لم يبق لاحد عند احد تبعة نادى مناد
 ليلحق كل قوم بآلهم ويحمل ملك على صورة عيسى فيتبعه النصارى،
 وفيه حتى اذا لم يبق الا المؤمنون وفهم المنافقون وفيه بعد ذلك ثم
 يضرب الصراط فيمرون وفيه بعد ذلك فاذا افضى اهل الجنة الى الجنة
 قالوا من يشفع لنا الى ربنا ليدخلنا الجنة فيؤتى آدم فيقول عليكم بنوح
 وذكر مثل ما في الاحاديث المشهورة نوح ثم ابراهيم ثم موسى ثم
 عيسى الى ان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيأتوني ولى عند الله
 ثلاث شفاعات فانطلق حتى أتى باب الجنة فاخذ بمحلقة الباب واستفتح
 ففتح لى قاحي ويرحب بى فاذا دخلت خررت ساجدا الى ان قال
 فى الثالثة فاقول يا رب وعدتني الشفاعة فشفني في اهل الجنة فيقول
 قد شفعتك قد اذنت لهم في دخول الجنة ثم اشفع فاقول يا رب من
 وقع في النار من امتي وذكر بقية الحديث

فصل

واما قوله صلى الله عليه وسلم فى المرة الرابعة ائذن لى فيمن قال

لا اله الا الله فيه اقوال، احدها انهم الذين معهم مجرد الايمان قاله القاضي عياض قال وهم الذين لم يؤذن في الشفاعة فيهم وانما دلت الآثار على انه اذن لمن عنده شيء زائد من العمل على مجرد الايمان وجعل للشافعين من الملائكة والنبين صلوات الله عليهم وسلامه عليهم دليلا عليه وتفرد الله عز وجل بعلم ماتكته القلوب والرحمة لمن ليس عنده الا مجرد الايمان وضرب بمثال ذرة المثل لاقل الخير فانها اقل المقادير قال والصحيح ان معنى الخير شيء زائد على مجرد الايمان لان مجرد الايمان الذي هو التصديق لا يتجزى وانما يكون هذا التجزى بشيء زائد عليه من عمل صالح او ذكر خفي او عمل من اعمال القلب من شفقة على مسكين او خوف من الله تعالى ونية صادقة، ويدل عليه قوله في الرواية الاخرى يخرج من النار من قال لا اله الا الله وكان في قلبه من الخير ما يزن كذا .

وهذا الذي قاله القاضي يشكل عليه أمور ، احدها رواية البخاري المقدمة وقوله ايمان مكان خير والروايات يفسر بعضها بعضها والخير اعم من الايمان فيصدق على من ليس عنده الا مجرد الايمان ان عنده خير فلو لم يرد الا هذه الرواية كانت دالة على اخراج جميع المؤمنين فكيف وقد ورد وصح التصريح بالايمان وحمل الايمان على الزائد عليه مجازا من غير دليل لا يسوغ الثاني ما يلزمه من تخصيص شفاعته النبي صلى الله عليه وسلم ببعض المؤمنين والاحاديث التي وردت في ذلك عامة وكثرتها بعد تخصيصها ولا ضرر ورة الى التخصيص لما سبقه ، الثالث ان الذي تركه القلوب من اعمال القلوب والايمان سواء في الحفاء فاذا جعل الله لبعض خلقه اماراة على اعمال القلوب الخفية الزائدة على الايمان فلا بد ان يحمل له دليلا على الايمان وانما الجأ القاضي الى هذا ان من

يخرجه

يخرجه الله بغير شفاعة لا بد ان يكون الايمان في قلبه وهذا صحيح
لانه لا يتعين ان يكون من هذه الامة، واما ماتمسك به من ان الايمان
لا يتجزى فجمهور السلف على انه يزيد وينقص و حقيقته غير متجربة
وليس هذا محل تحقيق ذلك

نعم لا بد في الرد على القاضى من تحقيق ان الايمان القائم بالقلب
يقبل القوة والضعف والا فصح ما قاله، القول الثانى ان المراد من
قال لا اله الا الله من غير هذه الامة قاله ابو طالب عقيل بن عطية وهو
الصحيح عندي والعلم عند الله تعالى تمسكا بدلالة الالفاظ فانه لم يقل
من امتى وقد سبق انه قال ما بقى في النار الا من حبسه القرآن والطاهر
ان المراد من امة اى لم يبق منهم احد فيكون النبي صلى الله عليه وسلم
طلب بعد ذلك ان يؤذن له في غير امة ممن قال لا اله الا الله فقيل ليس
ذلك اليك والداعى له الى طلب ذلك كما شفقت على الخلق مع اطلاق
قوله تعالى اشفع تشفع مع كونه اقيم مقام البسط والادلالات ومع ذلك
لم يقل النبي صلى الله عليه وسلم الا ائذن لى اى ائذن لى فى ان اشفع لاه
لا يشفع عنده الا باذنه، فتنبه لهذه الدقيقة فان فيها محافظة على اطلاق قوله
تعالى اشفع تشفع وان شفاعته صلى الله عليه وسلم لا ترد

ثم اعلم ان قوله لا اله الا الله من جملة العمل وقد سبق فى الاحاديث
انه تعالى يخرج برحمته قوما لم يعملوا خيرا قط فاما ان يكون المراد لم
يعملوا خيرا زائدا على الايمان او يكون المراد قول لا اله الا الله بالقلب
وان لم ينطق بها بلسانه فان كان ذلك كافيا فى الملل المتقدمة فى الايمان
صح الحمل عليه وان كان النطق شرطا كما هو عندنا فيحمل على من تعذر
منه النطق .

فصل

قال القاضي عياض قد عرف بالنقل المستفيض سؤال السلف الصالح رضى الله عنهم شفاعه نبينا صلى الله عليه وسلم ورجبتهم فيها وعلى هذا لا يلتفت الى قول من قال انه يكره ان يسأل الله تعالى ان يرزقه شفاعه النبي صلى الله عليه وسلم لكونها لا تكون الا للذنبين فانها قد تكون كما قدمنا لتخفيف الحساب وزيادة الدرجات ثم كل عاقل معترف بالتقصير محتاج الى العفو غير معتد بعمله مشفق ان يكون من المهلكين ويلزم هذا القائل ان لا يدعو بالمغفرة والرحمة لانها لاصحاب الذنوب وهذا كله خلاف ما عرف من دعاء السلف والخلف .

فصل في المقام المحمود

قال القاضي عياض ذكر مسلم من حديث جابر المقام المحمود انه الذي يخرج الله به من يخرج من النار ، ومثله عن ابي هريرة وابن عباس وابن مسعود رضى الله عنهم وغيرهم .

وقد روى في الصحيح عن ابن عمر ما ظاهره انها شفاعه المحشر قال فذلك يوم يبعث الله المقام المحمود عن حذيفة وذكر المحشروكون الناس فيه سكوت لا تكلم نفس الا باذنه فينادى محمدا صلى الله عليه وسلم فيقول ليك وسعديك والخير في يديك الى آخر كلامه قال فذلك المقام المحمود ، وعن كعب بن مالك يحشر الناس على تل فيكسوني ربي حلة خضراء ثم يؤذن فاقول ما شاء الله ان اقول فذلك المقام المحمود . قال والذي يستخرج من جملة الاحاديث ان مقامه المحمود هو كون آدم ومن دونه تحت لوائه يوم القيامة من اول عرصاتهما الى دخولهم الجنة واخراج من يخرج من النار فاول مقاماته اجابة المنادى وتحميده

وتحميده ربه وثناؤه عليه بما ذكر وبما ألهمه محامده، ثم الشفاعة من اراحة العرض وكرب المحشر وهذا مقامه الذي حمده فيه الاولون والآخرون ثم شفاعته لمن لا حساب عليه من امته ثم لمن يخرج من النار حتى لا يبقى فيها من في قلبه مثقال ذرة من ايمان ثم بتفضل الله تعالى باخراج من قال لا اله الا الله ومن لم يشرك بالله شيئا ولا يبقى في النار الا المخلدون وهذا آخر عرصات القيمة ومثاقل الحشر فهو في جميعها له المقام المحمود يده فيها لواء الحمد صلى الله عليه وسلم .

فصل

قوله صلى الله عليه وسلم أعطيت خمساً لم يعطهن احد من الانبياء قبل، وذكر من جملتها أعطيت الشفاعة مع قوله صلى الله عليه وسلم لكل نبي دعوة مستجابة وانى اختبأت دعوتى شفاعة لامتى يوم القيامة يستفاد منه ان الشفاعة التى اعطيتها وخص بها عن الانبياء غير الشفاعة التى ادخرها لامته لانها دعوة شاركوه في جنسها، والاولى، هى العظمى وهى اما الشفاعة فى فصل القضاء او العموم بالتقرير الذى سبق وانه صاحب الشفاعة وكل الشفعاء داخلون فى شفاعته، والثانية، هى الشفاعة فى اخراج المذنبين من النار كما يشير اليه قوله آرونها للؤمنين المتقين لا ولكنها للذين المتوكلين الخطائين .

خاتمة

نختم الكتاب بالصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم بالالفاظ التى وردت مأثورة فى الاحاديث كل لفظ على حديثه ولا نذكر منها الا ما روى وكل لفظ من الفاظ الصلوة وجدته فانتقل انه مروى عن النبي صلى الله عليه وسلم وقد جمع ذلك كله ابو عبدالله محمد بن عبد الرحمن بن علي بن

عبدالرحمن النعمیری فی کتاب (الاعلام بفضل الصلوة علی النبی علیہ
الصلوة والسلام) .

اللهم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی آل ابراهیم
انک حمید مجید .

اللهم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم
انک حمید مجید .

اللهم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم انک
حمید مجید و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم
انک حمید مجید .

اللهم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم
انک حمید مجید .

اللهم بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی آل ابراهیم
انک حمید مجید .

اللهم صل علی محمد و آل محمد کما صلیت علی ابراهیم انک
حمید مجید و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی آل ابراهیم
انک حمید مجید .

اللهم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم و آل ابراهیم
انک حمید مجید و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم
و آل ابراهیم انک حمید مجید .

اللهم صل علی محمد و علی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم و علی آل ابراهیم
و بارک علی محمد و علی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم و علی آل ابراهیم
انک حمید مجید و السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ .

اللهم

(۳۰)

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم اجعل صلواتك وبركاتك على محمد وعلى آل محمد كما جعلتها على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى ازواجه وذريته كما صليت على ابراهيم وبارك على محمد وازواجه وذريته كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد عبدك ورسولك كما صليت على آل ابراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم .

اللهم صل على محمد عبدك ورسولك كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم .

اللهم صل على محمد عبدك ورسولك كما صليت على ابراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم .

اللهم صل على محمد عبدك ورسولك كما صليت على ابراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم .

اللهم صل على محمد عبدك ورسولك كما صليت على ابراهيم وبارك
على محمد وآل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم وبارك
على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل ابراهيم في العالمين انك حميد مجيد .
اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم وبارك
على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل ابراهيم في العالمين انك
حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم
انك حميد مجيد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل
ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم
وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل ابراهيم في العالمين
انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد النبي الامي وعلى آل محمد كما صليت على
ابراهيم وآل ابراهيم وبارك على محمد النبي الامي وعلى آل محمد كما
باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد النبي الامي وعلى آل محمد كما صليت على
ابراهيم وبارك على محمد النبي الامي كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .
اللهم صل على محمد النبي الامي وعلى آل محمد كما صليت على
ابراهيم وعلى آل ابراهيم وبارك على محمد النبي الامي وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد، وفي رواية وآل
ابراهيم في الموضعين .

اللهم

اللهم صل على محمد كما صليت على آل ابراهيم .

اللهم بارك على محمد كما باركت على آل ابراهيم .

اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد وبارك

على محمد وعلى آل محمد كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل

ابراهيم انك حميد مجيد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على

ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك

حميد مجيد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم

وآل ابراهيم انك حميد مجيد

اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد وبارك

على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد . .

اللهم صل على محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد وبارك

على محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم

وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت وباركت على

ابراهيم وعلى آل ابراهيم وبارك على محمد انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد النبي وازواجه أمهات المؤمنين وذريته واهل

بيته كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك على محمد وعلى آل

محمد كما صليت وباركت على ابراهيم وآل ابراهيم في العالمين انك حميد مجيد

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم اجعل صلواتك ورحمتك وبركاتك على محمد وعلى آل محمد كما جعلتها على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما صليت وباركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

وارحم محمدا وآل محمد كما رحمت آل ابراهيم انك حميد مجيد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم انك حميد مجيد .
اللهم صل على محمد وعلى آل يته كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد اللهم صل علينا معهم .

اللهم بارك على محمد وعلى اهل بيته كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك علينا معهم صلاة الله وصلوات المؤمنين على محمد النبي الامي ، السلام عليكم ورحمة الله وبركاته .

ذكر ذلك في آخر التشهد من جهة الدارقطني بسند فيه ضعف تفرد به اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم وتحنن على محمد وعلى آل محمد كما تحنت على ابراهيم وعلى آل

آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم اجعل صلواتك وبركاتك على محمد النبي وازواجه امهات المؤمنين وذريته واهل بيته كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .
اللهم اجعل صلواتك ورحمتك على محمد وازواجه وذريته وامهات المؤمنين كما صليت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى ازواجه امهات المؤمنين وذريته واهل بيته كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما صليت وباركت على ابراهيم وآل ابراهيم في العالمين انك حميد مجيد .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد وبارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وآل ابراهيم، وفي رواية كما باركت على آل ابراهيم انك حميد مجيد .
هذا كله مروى عن النبي صلى الله عليه وسلم بأسانيد، منها صحيح ومنها غير ذلك .

بعض ما حفظ عن الصحابة رضى الله عنهم ومن بعدهم

عن علي رضى الله عنه اللهم داحي المدحوات وباري المسموعات وباني المبنيات ومرسي المرسيات وجبار القلوب على فطرتها شقيها وسعيدها وباسط الرحمة للمتقين اجعل شرائف صلواتك ونوامي زكواتك ورافة تحتك على محمد عبدك ورسولك الخاتم لما سبق والقاتح لما اغلق والمعلن للحق بالحق والدامغ جيئات الابطال كما حمل قاضطلع بامرك لطاعتك مستوقرا في مرضاتك بغير نكل في قدم ولا وهى في عزم واعيا لوحيك

حافظا لعهدك ماضيا على تقاذ امرك حتى اورى قبسا لقابس و آلاء الله
تصل باهله اسبابه به هديت القلوب بعد خوضات الفتن والا ثم موضوعات
الاعلام ومنيرات الاسلام ودائرات الاحكام فهو أمينك المأمون
وخران عليك المخزون وشهيدك يوم الدين وبعيذك نعمة ورسولك
بالحق رحمة، اللهم افسح له مفتسحا في عدتك واجزه مضاعفات الخير
من فضلك له مهنات غير مكدرات من فوز ثوابك المضمون وجزيل
عطائك المحلول .

اللهم صل على بناء البنائين بناؤه واكرام مشواه لديك ونزله واتمم
له نوره واجزه من ابتغائك له مقبول الشهادة مرضى المقالة ذامنطق
عدل وخطه فصل وحجة وبرهان عظيم، اللهم اجعلنا سامعين مطيعين
واولياء مخلصين . رقتا مصاحبين .

اللهم ابلفه منا السلام واردد علينا منه السلام .

عن ابن مسعود رضى الله عنه، اللهم اجعل صلواتك وبركاتك
ورحمتك على سيد المرسلين وامام المتقين محمد عبدك ورسولك امام
الخير وقائد الخير ورسول الرحمة .

اللهم ابعثه مقاما محمودا يخطه به الاولون والآخرين .

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على آل ابراهيم
انك حميد مجيد وبارك على محمد وآل محمد كما باركت على آل ابراهيم
انك حميد مجيد .

عن ابن عمر رضى الله عنهما، اللهم اجعل صلواتك وبركاتك
ورحمتك على سيد المرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين عبدك ورسولك
امام الخير وقائد الخير اللهم ابعثه يوم القيامة مقاما محمودا يخطه
الاولون

الاولون والآخرين وصل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وآل ابراهيم انك حميد مجيد .

عن الحسن البصري رحمه الله ، اللهم اجعل صلواتك وبركاتك على احمد كما جعلتها على آل ابراهيم انك حميد مجيد .

اللهم اجعل صلواتك وبركاتك على آل محمد كما جعلتها على آل ابراهيم انك حميد مجيد ، السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته وشفرة الله تعالى ورضوان الله .

اللهم اجعل محمدا اكرم عبادك عليك وارفعهم عندك درجة واعظمهم خطرا وامكنهم عندك شفاعا .

اللهم اتبعه من امته وذريته ما تقربه عيته واجزه عنا خيرا ما جزيت نيا عن امته واجز الانبياء كلهم خيرا ، السلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين .

اللهم صل على محمد وعلى آله واصحابه واولاده واهل بيته وذريته ومحبيه واتباعه واشياعه وعلينا معهم اجمعين يا ارحم الراحمين .

سؤال المقعد المقرب يوم القيامة

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من صلى على وقال اللهم اعطه المقعد المقرب عندك يوم القيامة وجبت له شفاعتي صلى الله عليه وسلم . . .
ولكن هذا آخر كلامنا والحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه والتابعين وسلم تسليما وحسبنا الله ونعم الوكيل .

تم طبع الكتاب بعون الله العلي الكريم

فہرست الابواب والفصول
لکتاب شفاء السقام

۸۰	الباب الخامس	۱	خطبة الكتاب
۱۰۰	الباب السادس	۲	الباب الاول
۱۱۷	الباب السابع	۳	الحديث الاول
۱۱۸	الفصل الاول	۱۴	الحديث الثاني
۱۲۸	الفصل الثاني	۱۶	الحديث الثالث
۱۶۰	الباب الثامن	۲۰	الحديث الرابع
۱۷۹	الباب التاسع	۲۷	الحديث الخامس
۱۸۰	الفصل الاول	۲۹	وحديث آخر
۱۹۲	الفصل الثاني في الشفاء	۳۰	الحديث السادس
۱۹۶	الفصل الثالث	۳۱	الحديث السابع
۲۰۵	الفصل الرابع	۳۲	الحديث الثامن
۲۰۹	الفصل الخامس	۳۴	الحديث التاسع
۲۱۴	الباب العاشر	۳۵	الحديث العاشر
۲۲۳	فصل	۳۶	الحديث الحادي عشر
۲۳۴	فصل	۳۷	الحديث الثاني عشر
۲۳۷	فصل	۳۸	الحديث الثالث عشر
۲۴۰	فصل	۳۹	الحديث الرابع عشر
۲۴۱	فصل	۴۰	الحديث الخامس عشر
۲۴۱	فصل	۴۱	الباب الثاني
۲۴۱	فصل	۴۵	فصل
۲۴۱	فصل	۵۲	الباب الثالث
۲۴۱	خاتمة	۶۳	الباب الرابع

مَدِينَةُ خَلِيفَتِنَا

جميع کتب

الدينية الرسمية وغير
الرسمية بالعربية والفارسية والاردو
بمیں رغیب

Marfat.com

الہیوا قیت و الجواہر

زیر طبع

تغنیف لطیف:

سیدنا عبدالوہاب الشعرانی قدس سرہ نورانی

مترجم: صاحبزادہ پیر سید محمد محفوظ الحق شاہ چشتی صابری قادری

الاصنام المسلول علی شاتم الرسول

زیر طبع

امام ابن تیمیہ



علامہ پروفیسر محمد اعجاز جنجوعہ

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

گنج بخش روڈ ۵ لاہور

فروش الغیب کی فارسی شرح

تصوف و معرفت
پر حضور سیدنا
غوث الاعظم رضی اللہ
کی شاہکار
تصنیف

از:
سید المحدثین امام المحدثین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

کا "مظاہر لاہری" محمد شاہ تاش قسوی، اردو ترجمہ چار

طریقۂ روحانیت پر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ۸۷ مواعظ عالیہ کا

بے مثال مجموعہ

جس میں

- تساو قدر فنا و بقا اور زہد و تقویٰ پر محققانہ گفتگو۔
- سلوک و تصوف، طریقت و حانیت کو قرآن و سنت کے دلائل کے ساتھ بیان۔
- صبر اور رضا کی حقیقت، مومن کی آزمائش، قناعت، خشوع و خضوع کے احوال کا بیان۔
- مجاہدہ اور ریاضت، صفات قلب باطن کے طریقے۔
- فقیری کی حقیقت، نظر کی حفاظت، حد فتنہ، حصول مال اور اتباع خواہش سے پرہیز پر بیان۔
- صدق و اخلاص، درج، صبر و رضا اور شکر کا بیان، نفس اور خواہش نفس کی مخالفت۔
- دعا اور آداب دعا، طلب کی حقیقت اور توبہ کا بیان۔
- اولیاء اللہ کی علامات، سالک کے ذریعہ اور سالک کے لئے بہت سی ہدایات کا بیان۔

مستلشیانہ حق کے لئے گمراہی قدر تحفہ

بیان الکریم
مجله علمی و ادبی
تعداد ۱۰۰۰

جزیل صحابہ
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

چراغ الکریم
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

نار و ناز
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

فہم القرآن
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

مناقب علی
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

نور الکریم
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

صحیفہ غوثیہ
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

تہذیب الکریم
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

شاد گنگا
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

استغاثت
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

گفتار الکریم
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

عالم الکریم
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

قلندر مہتمم
جلد ۱
تعداد ۱۰۰۰

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز
گنج بخش روڈ
لاہور

